لاشوں کا شہر
ایم الیاس

آج سے دو برس پہلے کوئی شخص یہ کہتا' کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے' کہ سائنس ایسی حیرت انگیز اور ناقابل یقین ترقی کرے گی، اس کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ انسان نہ صرف چاند پر پہنچ جائے گا، بلکہ کمپیوٹر، انٹرنیٹ، موبائل فون ایجاد کرے گا، کہ جادو منتر کی ترقی کی طرح ہو گی۔ وہ جادو منتر کی جدید ترین شکل ہو گی۔ اس بات کا کوئی بھی یقین نہیں کرتا، لیکن آج کے دور میں کوئی بات ناممکن نہیں رہی۔ سائنس نے جادو منتر...... ہر خیال اور تصور کو ممکن کر دکھایا۔

آج کے دور میں لوگ جادو منتر کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، اور اس کی سچائی پر یقین نہیں رکھتے۔ اس کے وجود کو نہیں مانتے، لیکن اس کے باوجود، ایسے بہت سارے لوگ ملیں گے، جو جادو منتر پر یقین رکھتے ہیں، اور اسے ایک حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔

میں جادو منتر کے متعلق جو کچھ بتاؤں گا، وہ بالکل سچا واقعہ ہے۔ اس میں ذرا برابر بھی مبالغہ نہیں ہے۔ ساتھ ہی نہایت پراسرار، عجیب وغریب، حیرت انگیز اور ناقابل یقین...... میں جو کچھ بتا رہا ہوں وہ مجھ پر بیت چکا ہے۔ میں نے اب تک یہ کہانی اس لئے کسی کو نہیں سنائی کہ کہیں لوگ مجھے پاگل سمجھ کر پتھر نہ ماریں۔ اب چونکہ دنیا نے بہت ترقی کر لی ہے، اور اس امر کو تسلیم کرتے ہیں، دنیا میں کبھی کوئی بات ممکن نہیں رہی ہے، جیسا کہ سائنسی ایجادات نے ثابت کر دکھایا ہے۔ اب اس کا وقت آ گیا ہے کہ سنا دوں۔ میرے پاس ان باتوں کا ٹھوس ثبوت موجود ہے۔

سری لنکا گو بہت چھوٹا ملک ہے، لیکن اسے جزیرہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا، جو پانیوں میں چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے۔ یہ ملک بہت ہی خوب صورت، پرُفضاء سرسبز وشاداب اور قدرت کے حسین نظاروں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ آج بھی کئی اعتبار سے شہرت رکھتا ہے۔

جائے اور ناریل کے باغات ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں صدیوں سے پراسرار، ماورائی اور بہت ہی خوفناک واقعات جنم لیتے رہے ہیں۔ بنگال، آسام اور ہندوستان کے دیگر علاقوں کی طرح وہاں جادوگر، جادوگرنیاں، چڑیلیں، بھوت اور پریت ہیں۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

میں ہندوستان سے سری لنکا کیوں اور کس لئے آیا اس کا پس منظر سن لیں۔

+++

اپریل کی بڑی سہانی صبح تھی، اتوار کا دن بھی تھا۔ میں سوتا رہتا، اگر میرا ملازم مجھے بیدار نہ کرتا۔ میں ناشتے کی میز پر بیٹھا ہوا تھا، کہ میرا دیرینہ اور بچپن کا دوست شنکر داس آیا، تو اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ اس نے کوئی ایک ماہ بعد مجھے اپنی صورت دکھائی تھی، لیکن وہ مجھے کبھی اتنا خوش اور سرشار دکھائی نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔ میں نے اسے ناشتے کی میز پر بٹھایا، اور ناشتے کے لئے کہا۔ اس نے کہا کہ میں ناشتہ کر کے آیا ہوں، صرف کافی پیوں گا۔ میں نے نوکر سے کافی لانے کیلئے کہا۔

"یار شنکر!......" میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔

"کیا بات ہے آج تم بہت خوش ہو؟ میں نے تمہیں کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا؟ کہیں ڈربی ریس کا انعام تو نہیں نکل آیا، جس کا ٹکٹ تم نے خریدا تھا۔"

"ڈربی ریس سے بھی بڑا انعام مل سکتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اگر تم تیار ہو تو یہ انعام مل سکتا ہے۔ ہمارے چار دوست تیار ہو گئے ہیں، تمہیں اور مجھے ملا کر کل چھ عدد حصے بن جائیں گے، جو مساوی طور پر تقسیم ہو جائیں گے۔"

"حصے مل سکتے ہیں کیا مطلب......؟ وہ انعام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "تم نے اس انعام کے بارے میں بتایا نہیں؟ کس خوشی میں یہ انعام ملے گا......؟ کیوں اور کیسے ملے گا......؟ اس کی مالیت کتنی ہے......؟ اور یہ انعام مساوی طور پر اپنے دوستوں میں کس لئے تقسیم کرو گے......؟ یہ کیا پراسرار انعام ہے......؟"

"وہ انعام ایک خزانہ ہے اور خزانے کی صورت میں مدفن ہے۔" وہ کہنے لگا۔

"جب ہم یہ خزانہ حاصل کر لیں گے تو یہ ہمارے لئے ایک طرح سے انعام ہوا۔ اس خزانے کے حصول کے لئے ہم پانچ چھ دوستوں کو جانا ہوگا، کیوں کہ میں یا کوئی بھی خزانہ کیسے

لا سکتا ہے۔ اس لئے اس مہم میں، میں تمہیں شریک اور آمادہ کرنے آیا ہوں۔"

"یہ خزانہ کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟" میں نے تجسس کے زیر اثر دریافت کیا۔ "اس کے بارے میں کس سے اور کیسے پتا چلا......؟ کیا تم مجھے تفصیل سے بتانا پسند کرو گے؟ میں تم سے محض معلومات کی غرض سے دریافت کر رہا ہوں۔"

"ایک ماہ پیشتر میری ایک سادھو سے ملاقات ہوئی تھی۔" شنکر داس بتانے لگا۔

"وہ بہت بھوکا پیاسا تھا۔ کئی دنوں سے اس نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ بہت بیمار بھی تھا۔ میں نے اسے پیٹ بھر کر کھلایا، پھر ایک ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ اس کے انجکشن اور دوا دارو سے فوراً ہی بھلا چنگا ہو گیا، پھر اس نے مجھ سے کہا کہ چونکہ تم نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے، اس لئے میں تمہیں انعام دینا چاہتا ہوں۔ یہ انعام خزانے کی صورت میں ہے۔ یہ خزانہ میسور کے جنگل میں شمال میں ایک ویران اور سنسان مقام پر ہے، وہاں کوئی آبادی نہیں ہے، یوں تو بہت ساری بستیاں موجود ہیں، لیکن اس بستی کی پہچان یہ ہے کہ اس میں ایک بھی درخت نہیں ہے۔ اس بستی میں یہ خزانہ موجود ہے۔ اس خزانے میں دو ہزار ہیرے، تین ہزار بڑی بڑی مورتیاں، ہیرے جواہرات کے زیورات اور جانے کیا کیا ہے؟ اس خزانے کا وزن دو من ہوگا، جو ایک لوہے کے صندوقچے میں موجود ہے۔

"میں نے سادھو سے دریافت کیا کہ کیا اس بستی میں جہاں یہ خزانہ دفن ہے، اس کی کوئی نشانی یا نقشہ......؟"

"سادھو نے کہا کہ اس بستی کا رقبہ دو میل کا ہے، لیکن اس کا کوئی نشان یا نقشہ نہیں ہے۔"

"پھر خزانہ کیسے اور کس طرح تلاش کیا جائے......؟" میں نے دریافت کیا۔ "کیا ساری زمین کھودی جائے؟"

"نہیں......" سادھو نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں تمہیں ایک منتر بتاؤں گا...... یہ منتر صرف اور صرف خزانے کی موجودگی کا بتائے گا۔ اس منتر سے تم کوئی اور کام نہیں لے سکو گے۔ تم اس بستی میں پہنچ کر منتر پڑھ کر پھونکو گے تو وہ خزانہ نظر آ جائے گا۔ اس جگہ کھدائی کر کے خزانہ نکال لینا۔"

"تو کیا سادھو نے تمہیں وہ منتر بتا دیا؟" میں نے کہا۔

"تمہیں وہ منتر یاد ہے؟"

"سادھو نے ایک خاص تپسیا کا پربندھ کیا۔ یہ تپسیا کھنڈروں، ویرانوں اور کسی ایسی سنسان جگہ، جہاں کسی انسان کا گزر نہ ہو پورے تیس دن تک کیا جاتا ہے۔ سادھو نے کہا کہ تم تیس دن تک تپسیا کرنا، پھر تمہیں میں وہ منتر بتا دوں گا۔ میں نے تیس دن تک تپسیا کی۔ سادھو نے مجھے تیسویں دن وہ منتر بتا دیا۔ اس لئے اب میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ چار دوست کیلاش، رام چندرا، شیکھر اور دیوان ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ اب تم بھی آمادہ ہو جاؤ، تاکہ اس مہم پر جلد روانہ ہو جائیں۔ سادھو کا کہنا ہے کہ اس شبھ کام میں دیر نہ کرو۔ اب تم کیا کہتے ہو؟"

"اچھا یہ بتاؤ کہ کیا سادھو مہاراج نے خزانے کی مالیت کے بارے میں کچھ بتایا کہ اندازاً اس کی مالیت کیا ہو گی؟"

"چھ سے سات ارب..... " شنکر داس نے جواب دیا۔

"اس کا کہنا ہے کہ اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح سے فی کس ایک ارب کا حصہ ملے گا۔ ہم لوگ ارب پتی بن جائیں گے اور ہندوستان کے سب سے بڑے دولت مند۔"

"ارب پتی......؟" میں غش کھاتے کھاتے رہ گیا۔ ساعت پر فتور کا احساس ہوا، پھر کسی سندر سپنے جیسا لگا۔

اس دور میں جس کے پاس سینکڑوں روپے ہوں، وہ بڑا مال دار کہا جاتا تھا۔ شہر میں جو لکھ پتی تھے، انہیں انگلیوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ کروڑ پتی تو ایک بھی نہ تھا۔ شاید دو ایک ہوں گے۔ آج کل تو لکھ پتی ہونا بڑی شان کی بات تھی۔ ارب پتی بن جانے کا تصور اس قدر شیریں اور سنسنی خیز اور تحیر انگیز تھا کہ مجھ پر ایک عجیب سی سرشاری طاری ہو گئی۔

"جب اور جس وقت کہو چلنے کے لئے تیار ہوں۔" میں نے کہا۔ "تم نے اس سادھو سے ٹھیک سے پتہ معلوم کر لیا کہ نہیں؟"

"میں نے اس کی مدد سے نقشہ حفظ کر لیا۔ اس نے کہا کہ وہ بستی میسور کے جنگل کے چیک پوسٹ سے شمال میں پچاس کلومیٹر ہے۔ یہ واحد بستی ہے، جو ویران، سنسان اور غیر آباد ہے۔ اس میں نہ تو کوئی مکان اور جانور ہیں اور نہ چرند پرند ہیں۔ یہ بستی اس لئے آباد نہ ہو

سکی کہ شام کے وقت اس بستی میں بلائیں نازل ہو جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو دن کے وقت خزانہ نکال کر دن ڈوبنے سے پہلے اس بستی کی حدود سے نکل جانا ہے۔ یہ بلائیں صرف اس بستی میں آتی ہیں۔ وہ خوب صورت اور حسین لڑکیاں بن کر مردوں کو بہکا کر، دل بہلا کر موت کی نیند سلا دیتی ہیں۔ یہ ڈائنیں اور چڑیلیں ہوتی ہیں۔"

"ہم کیوں نہ ساتھ میں سادھو مہاراج کو بھی لیتے چلیں؟" میں نے تجویز پیش کی۔

"اسے بھی ایک حصہ دے دیں گے۔"

"لیکن سادھو مہاراج تو منتر سکھانے کے بعد پھر نظر نہیں آئے۔" شنکر داس نے کہا۔

"میں نے انہیں بہت تلاش بھی کیا۔"

+++

دوسرے دن میں اور چاروں دیرینہ اور گہرے دوست شنکر داس کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہوئے۔ ہم سب مسلح تھے۔ سادھو نے تاکید کی تھی ہم مسلح ہو کر اس مہم پر نکلیں، کیونکہ یہ جنگل ہے، شہر کی آبادی نہیں ہے۔ اس بستی کے باہر خچر مل جائیں گے۔ یہ خچر کسی بھی بستی کے ہو سکتے ہیں۔ ان خچروں پر سامان یعنی خزانہ لاد کر لانا، لیکن صندوقچہ اس گڑھے میں دفن کر دینا، خزانہ نکالنے کے بعد۔ کیوں کہ اس صندوقچے پر کسی بلا کا سایہ ہو سکتا ہے۔ سادھو نے شنکر داس کو بتایا تھا کہ یہ خزانہ میسور کے مہاراجہ کا ہے۔ ایک ہزار برس پہلے مہاراجہ کے بھائی نے یہ خزانہ چرا کر یہاں لا کر دفن کر دیا۔ جب وہ کچھ عرصہ بعد اس خزانے کو نکال کر لے جانے آیا، تو اسے ایک زہریلے سانپ نے ڈس لیا۔ وہ اسی وقت مر گیا۔ اس خزانے کے بارے میں کسی کو علم نہ ہو سکا۔

+++

میں ساری رات ارب پتی بننے کے خیال اور خوشی سے سو نہ سکا تھا۔ بہت دیر تک جاگتا رہا تھا۔ اس لئے کہ میں دولت مند نہ تھا۔ دولت مند بننے کی کسے خواہش نہیں ہوتی ہے اور کون خواب نہیں دیکھتا ہے۔ رات بھر جاگنے اور ٹھیک سے سو نہ سکنے کی وجہ سے طبیعت قدرے بوجھل تھی۔ نیند کا غلبہ تھا۔ یہی حالت شنکر داس اور دوسرے ساتھیوں کی تھی۔ جب ہم لوگ میسور شہر کے علاقے سے نکل کر جنگل میں منزل کی طرف بڑھ رہے تھے، ہر کوئی اپنے انجانے خیالات اور منصوبے بنا رہا تھا۔ اس لئے کہ خزانہ کا حصول مشکل نہ تھا۔ اس لئے بھی

کہ شنکر داس منتر جانتا تھا۔ اس بستی میں پہنچنے کی بات تھی، اور ہم صرف ایک گھنٹے میں اس خزانے کے مالک بن جاتے، پھر اس خزانے کی آپس میں تقسیم ہو جاتی۔

میسور کے جنگل میں دس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں ایک دم سے اس طرح اچھلا، جیسے میرا پاؤں بجلی کی ننگی تار پر پڑ گیا ہو۔ میرے سارے بدن میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ میں چونک پڑا تھا۔

میں جو اچھل اور چونک پڑا تھا، اس لئے نہیں تھا کہ کوئی زہریلا اور خوفناک سانپ دیکھ لیا ہو۔ میں آوازیں سن کر چونکا اور اچھل پڑا تھا، یہ آوازیں میرے لئے نہ صرف اجنبی، بلکہ ان اطراف میں قطعی غیر متوقع تھیں۔ آگے گھنے جنگلات تھے۔ اس طرف کوئی عام آدمی اور سیاح نہیں آتے تھے۔ صرف شکاری آتے تھے' تاکہ درندوں کا شکار کیا جاسکے۔ جیسے جیسے گھنے جنگلات شروع ہوتے تھے، ویسے ویسے شکار کی بہتات ہوتی جاتی تھی۔ جو آوازیں سنائی دے رہی تھیں، وہ اکثر سنائی دیتی تھیں۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہ تھی۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پھر یہ پراسرار اور ہیبت ناک قسم کی آوازیں سنائی دیں۔

میں نے چاروں سمتوں میں کان لگا کر اندازہ کیا کہ یہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں۔ جب سمت کا اندازہ ہوگیا، تو میں نے پل بھر کی بھی تاخیر نہیں کی۔ زمین پر رائفل شانے سے ٹکا کر پیٹ کے بل لیٹ گیا تھا۔ میرے پانچوں ساتھیوں نے بھی فوراً ہی میری پیروی کی۔ انہوں نے اس طرح سے اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لی، جیسے وہ جنگ کے محاذ پر ہوں۔

''اجیت! یہ کیسی آوازیں ہیں؟'' کیلاش نے پوچھا۔

''یہ تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو رہے ہو؟''

''سیدھی سی بات ہے۔'' میں نے اسے بتانا چاہا کہ کوئی بیس دنوں سے کوئی شکاری پارٹی شکار کھیلنے نہیں آئی ہے۔ اس لئے میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ پراسرار قسم کی آوازیں سنگین نوعیت کی ہیں۔ کوئی خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔ کوئی مصیبت ہے' جس کی آہٹ سنائی دے رہی ہے۔ اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے نہیں دی، درمیان میں کہا۔

''کوئی سنگین بات ضرور ہے، جو تم ہم سے چھپا رہے ہو۔ بتا دو۔ اصل بات کیا ہے؟ تمہاری حرکت نے ہمیں ڈرا دیا ہے۔''

''اس جنگل میں کوئی شکاری پارٹی موجود نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس لئے میں خوف

زدہ اور پریشان ہو رہا ہوں۔''

''کیا یہ ضروری ہوتا ہے کہ جو بھی شکاری یا شکار پارٹی آئے وہ اس کی باضابطہ اطلاع دے؟'' شیکھر نے کہا۔

''یہ تم کیسی فضول سی باتیں کر رہے ہو؟'' شنکر داس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''شکار پارٹی تمہیں اطلاع دے کر ہی شکار کے لئے جنگل میں آئے۔ تم اس طرح سے باتیں کر رہے ہو جیسے میسور جنگل کے گورنر ہو؟''

''ہاں میں تو بہت کچھ ہوں، لیکن تم سب پرلے درجے کے احمق ہو۔'' میں نے بگڑ کر کہا۔ ''یہ بات تم بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ میرا علاقہ ہے، لیکن تم یہ بات بھول رہے ہو کہ میں فاریسٹ آفیسر ہوں، میری اجازت کے بغیر کوئی درخت کاٹ سکتا ہے' اور نہ ادھر پھٹک سکتا ہے۔ چونکہ خزانے کے حصول کے لئے جانا تھا، اس لئے تم لوگوں کو بغیر قانونی اجازت کے لے آیا۔''

''اگر کوئی غیر قانونی طور پر جنگل میں گھس کر شکار کھیل رہا ہے، تو تم اس قدر پریشان اور ہراساں کیوں ہو رہے ہو؟'' کیلاش بولا۔ ''وہ جانوروں کا شکار کر رہا ہوگا، انسانوں کا نہیں۔ اس میں تشویش کی کیا بات ہے؟''

''میں اس لئے خوف زدہ اور ہراساں ہو رہا ہوں کہ جنگل میں جو شکار پارٹی ہوگی اسے ہمارے بارے میں اطلاع نہیں ہوگی۔'' میں نے کہا۔ ''اس لئے اس کی بے خبری میں ہم ان کی بھٹکی ہوئی گولیوں کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ اب میری بات سمجھ میں آئی؟''

''میں تمہاری بات سے کسی حد اتفاق کرتا ہوں اور وہ ایک طرح سے دل کو لگ بھی رہی ہے، لیکن ایسا کوئی خطرہ بھی نہیں، جو تم اس قدر ڈرپوک اور بزدل ہو رہے ہو۔'' شنکر داس بلاوجہ تکرار اور بحث کرنے لگا تھا۔

''ہم لوگ صبح سے اب تک کوئی دس میل اندر آ چکے ہیں، مگر ہم نے اس عرصے میں ابھی تک کسی اور کی رائفل کی آواز نہیں سنی ہے۔''

''اچھا اب تم اپنی زبان کو لگام دو اور مجھے یہ پراسرار آوازیں توجہ سے سننے دو۔'' میں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

''کیا تم اس بات کو محسوس نہیں کر رہے کہ صورت حال کس قدر پریشان کن اور

تشویشناک ہے؟ ان اطراف میں ہرن سے بڑا کوئی چوپایہ نہیں ہوتا۔ کیا تم ڈھول اور ڈرم کی آوازیں نہیں سن رہے ہو؟ آخر یہ ڈھول پیٹ پیٹ کر اور ڈرم بجا بجا کر کس کو ہانکا جا رہا ہے؟ کیا کہیں اس وقت بھی کسی بڑے درندے کے غرّانے کا شور سنائی دے رہا ہے؟''

شنکر داس نے میری بات اور دلیل کا جواب نہیں دیا۔ اسے خاموش ہو جانا پڑا۔ کیوں کہ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔

میں گزشتہ بارہ برس سے اس علاقے میں تعینات تھا، اور مجھے یہاں کے چپے چپے سے واقفیت تھی۔ چونکہ میں فاریسٹ آفیسر تھا، اس لئے مجھے شکار پارٹیوں کے بارے میں پل پل کی خبر رہتی تھی۔ شکاریوں کی کوئی قانونی جماعت تو ادھر موجود ہی نہیں تھی۔ دو باتیں ہو سکتی تھیں۔ ایک بات تو یہ تھی کہ کوئی شکار پارٹی غیر قانونی راستے سے گھس آئی ہوگی۔ لیکن اسے اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ کیوں کہ شکار کی اجازت دے دی جاتی۔ صرف ستمبر اور اکتوبر میں شکار کی اجازت نہیں ہوتی تھی، کیوں کہ ان دو ماہ کے دوران مادہ بچے جنتی تھیں۔ بالفرض کوئی پارٹی گھس بھی آئی تھی، اور وہ شکار کر رہی تھی، نا قابل قرین قیاس تھا۔ عموماً بہت سارے شکاری ہرن کا شکار کرتے تھے۔ کالے ہرن کا شکار۔ اس شکار کی اجازت نہیں تھی۔ کسی شکاری نے کالا ہرن شکار کیا تو اس کی شامت آ جاتی تھی۔ نہ صرف اس پر بھاری جرمانہ عائد ہو جاتا تھا، بلکہ اسے جیل بھی کاٹنا پڑتی تھی، اور پھر کسی بھی ہرن کا شکار اس طرح نہیں کیا جاتا تھا۔ نہ ڈھول پیٹا جاتا، نہ ڈرم بجا کر ہانکا جاتا۔

جنگل میں بہت ساری جنگلیوں کی بستیاں تھیں۔ ایک بات سمجھ میں آئی تھی کہ جنگلی بستیوں کے باشندے کسی جانور کو نرغے میں لینے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن وہ درندہ گونگا کیوں ہو گیا تھا؟ یہ بڑی موٹی سی بات ہے کہ ہانکا کسی بڑے اور خوفناک، خطرناک ترین درندے کو ہی جاتا ہے۔ جو شور و غل سے دہشت زدہ ہو کر بری طرح دہاڑتے چنگھاڑتے ہوئے پلٹ کر اس سمت ہو لیتے ہیں، جدھر ہانکا کرنے والوں کا باقاعدہ جال ہوتا ہے۔ اور پھر ہم صبح ہی تو روانہ ہوئے تھے اور میلوں اندر آ گئے تھے، لیکن ہم نے چھوٹے موٹے جانوروں کے علاوہ کسی بڑے جانور کے شور کی آواز بالکل بھی نہ سنی تھی۔ میں جانوروں اور خطرناک درندوں کی آوازوں کی شناخت رکھتا تھا۔ آواز سن کر بتا سکتا تھا کہ یہ کس درندے کی آواز ہے۔

''اجیت!...... اجیت!'' رام چندرا کی بے جان سی آواز فضا میں تھرتھرائی۔

''کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔ کیا تم نے اس بات کو محسوس نہیں کیا کہ ہمارے چاروں طرف یہ شور گونج رہا ہے اور لحظہ بہ لحظہ قریب تر ہو رہا ہے۔ یہ صرف ہمیں ہی ہانکا جا رہا ہے۔ ہم ان شکاریوں کے شکار ہیں، درندے نہیں۔''

میں نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ خود فریبی میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ رام چندرا نے یہ سنسنی خیز نتیجہ اس لئے اخذ کر لیا تھا کہ وہ بذاتِ خود شکاری تھا۔ شکار کا اسے جنون تھا۔ وہ ہر ماہ دو ماہ میں شکار کھیلنے آ جاتا تھا۔ اس لئے اسے احساس اور اندازہ ہو گیا تھا۔ واقعی ہی ہم گھیرے جا رہے تھے۔ اس لئے میں نے فوراً ہی ہذیانی لہجے میں چیخ کر کہا۔

''رام چندرا! ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہمیں گھیرا جا رہا ہے۔ تم لوگ کسی غلط فہمی میں نہیں رہنا۔''

''لیکن اب ہم کیا کریں......؟'' کیلاش نے مرتعش لہجے میں پوچھا۔

''کیا ہم واپس بھاگ چلیں؟''

''اب بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں رہا۔'' میں نے جواب دیا۔

''اپنے اپنے میگزین درست کر کے چاروں طرف کوّر کر لو۔ معلوم نہیں کہ ہمارا دشمن کون ہے؟ اور کیوں ہمیں گھیرے میں لینا چاہتا ہے؟ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

میری بات سنتے ہی میرے دوستوں پر خوف و دہشت طاری ہو گئی۔ ان میں سے صرف ایک رام چندرا شکاری تھا۔ ہم لوگ آٹھ دس میل کی پیدل مسافت طے کر چکے تھے اور طویل مسافت طے کر کے جنگل میں آ گئے تھے۔ ہم نے چھ سات گھنٹے میں چار ہرن اور کچھ پرندے شکار کئے۔ ان میں ایک کالا ہرن بھی تھا۔ اس کا گوشت جتنا مزے دار ہوتا ہے اس کا مقابلہ کسی اور جانور کا گوشت نہیں کر سکتا، اور اب بھی اس بستی کی طرف جاتے ہوئے آخری ہرن کی تلاش میں تھے۔ اس لئے بھی کہ اس کی کھال بڑی ملائم اور دیدہ زیب ہوتی ہے۔ یکا یک ان آوازوں نے سارا سکون غارت کر دیا تھا۔

کنستروں کا شور چاروں سمتوں سے تیزی سے قریب ہوتا جا رہا تھا، پھر دوسری مصیبت نازل ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد مختلف سمتوں سے مٹی کے ڈھیلے ہماری طرف آنے لگے۔ ایک

طرف سے ان ڈھیلوں کی بارش ہو رہی تھی۔ اس صورت حال نے ہم سب کو بری طرح بوکھلا کر رکھ دیا، جس سے سراسیمگی طاری ہو گئی، اور ہم سب حد درجہ خائف ہو گئے، کیوں کہ مٹی کے ڈھیلوں کی بارش ناقابل فہم تھی۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ذرا سی ہی دیر میں ان ڈھیلوں کی بارش نے پریشان کر دیا۔ اس بوچھاڑ سے بچنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس لمحے ایک خیال جو میرے دل میں آیا، وہ یہ تھا کہ کہیں سادھو نے کسی اور کو تو اس خزانے کے بارے میں بتا تو نہیں دیا ہو گا۔ وہ بھی شاید اس خزانے کے حصول کے لئے نکلے ہیں۔ شاید انہیں کسی ذریعے سے اس بات کا علم ہو گیا ہو گا' کہ ہم بھی اس خزانے کے لئے جا رہے ہیں۔ اس لئے وہ ہمیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا، لیکن میرا قیاس تھا کہ وہ شاید ہمیں کہیں یرغمال بنا کر رکھ دیں' یا پھر ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔

میرے کہنے کی دیر تھی کہ میرے ساتھیوں نے یک بیک اپنی رائفلوں کے دہانے کھول دیئے' تاکہ دشمن کی پیش قدمی کو روکا جا سکے، اور جو مٹی کے ڈھیلوں کی مسلسل بوچھاڑ ہو رہی ہے اس کا سلسلہ رک جائے۔

لیکن ہماری یہ کوشش اور حملہ بے سود رہا، اس فائرنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔ دشمن پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ پرندوں کے تیز شور کے سوا ہمیں کوئی آواز سنائی نہیں دی، جس سے ہم یہ سمجھتے کہ کوئی حملہ آور ہمارا نشانہ بنا ہے۔ میں حیران اور پریشان تھا کہ ہم نے جو گولیوں کی برسات کی ہے' اس سے کوئی حملہ آور زخمی کیوں نہیں ہوا؟

ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ ایک تیر سنسناتا ہوا کسی سمت سے آیا، اور اس نے شنکر داس کو نشانہ بنایا۔ شنکر اس کی زد میں آتے ہی بری طرح چیختا ہوا دہرا ہو گیا۔ تیر اس کے داہنے ہاتھ میں پیوست ہو گیا تھا۔ اس کی رائفل ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔

''اپنی اپنی رائفلیں پھینک دو۔'' شیکھر نے ہذیانی لہجے میں چیخ کر کہا۔

''ہم اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے۔''

''کیوں پھینک دیں؟'' رام چندرا نے اس سے تکرار کی۔

''ابھی تو صرف ایک تیر آیا ہے۔ فائرنگ بند کرنے کی صورت میں تیروں کی برسات شروع ہو جائے گی۔ نہیں ایسی حماقت نہیں کرنا' ورنہ بے موت مارے جائیں گے۔''

''تم لوگ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' شیکھر نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

''ایسا لگ رہا ہے کہ ہماری فائرنگ سے وہ مشتعل ہو گئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے تیر چلا کر شنکر کو زخمی کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مٹی کے ڈھیلوں کی برسات بند کر کے تیروں کی بوچھاڑ کرنا شروع کر دیں۔ اب ہم ان کے نرغے میں ہیں۔ وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں' اور دیکھ بھی رہے ہوں گے، لیکن ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک ایک کو موت کی بھینٹ چڑھا دیں۔''

شیکھر کی بات واقعی سمجھ میں آنے والی تھی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا، کیوں کہ وہ تیر جس طرح شنکر کی ہتھیلی کی پشت میں پیوست ہوا تھا، اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ یہ گمنام نشانہ باز تیر دل یا جسم کے کسی بھی حصے میں اتار سکتا ہے۔ گو کہ رائفلیں پھینکنا بھی حماقت سے کم نہیں تھا، لیکن کیا کرتے۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ مجبوری اور بے بسی تھی، لیکن ہم نے یہ کیا کیا کہ فائرنگ بند کر کے نالیں جھکا لیں۔ مٹی کے ڈھیلوں کی بوچھاڑ سے بچتے ہوئے واپسی کے راستے کی طرف بڑی سرعت سے دوڑ پڑے۔ ہر ایک کو اپنی جان پیاری تھی۔ شنکر کی حالت بڑی خراب تھی۔ وہ چونکہ زخمی ہو چکا تھا، اس لئے سب سے پیچھے آ رہا تھا۔

اندھا دھند بھاگتے ہوئے کسی بھی بات کا خیال نہیں تھا، اور نہ ہی ہوش رہا تھا۔ میں نے جوں ہی خاردار جھاڑیوں کے کنج میں قدم رکھا' ایک سوئی کی طرح نوکیلا کانٹا جوتے کے تلے سے گزرتا ہوا، پیر میں جا گھسا تھا۔ میں نے جھنجھلاتے ہوئے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو شنکر گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب تھا۔ اس کا کہیں بھی نام ونشان نہ تھا۔ باقی چاروں دوست اتنی دیر میں کافی آگے جا چکے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی پلٹ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ مجھ پر کیا بیتی ہے۔

میں بھاگنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس لئے داہنی ایڑی کے سہارے لنگڑاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ درد کی لہر اٹھ رہی تھی، لیکن وہ قابل برداشت تھی۔ ابھی میں نے چند قدم بمشکل طے کئے ہوں گے کہ ناگہاں کسی جانب سے ایک جال مجھ پر آن پڑا۔ میں رائفل پر گرفت برقرار نہ رکھ سکا۔ اس لئے وہ ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔

میں کھینچتے ہوئے جال میں بری طرح قید ہو گیا تھا۔ وہ جال کافی دیر تک مجھے یوں ہی

کھینچتا رہا۔ میں جھاڑیوں اور ناہموار زمین پر گھسٹتا بری طرح مدد کے لئے چیختا رہا، لیکن میرے مفرور ساتھی بدحواس اور افراتفری کے عالم میں اتنی دور نکل چکے تھے، میری چیخیں ان تک پہنچ نہ سکیں۔ اگر وہ سن لیتے اور پلٹ کر دیکھتے بھی تو شاید میری مدد کو نہ آتے۔ ایسے وقت میں آدمی خودغرض ہو جاتا ہے، اور اسے اپنی فکر ہو جاتی ہے۔ اس دوران کنستروں کا شور بھی بے پناہ تیز ہو چکا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہماری جماعت کو گھیرے میں لینے والے بہت چالاک ہیں۔ انہوں نے کنستروں کے بے ہنگم شور میں میری چیخیں دبا دی تھیں۔

دشمن اور قیاد کون تھا؟ شکاری کون تھا؟ مجھے ابھی تک اندازہ نہ ہو سکا تھا۔ جو بھی تھا' اس نے مجھے اس طرح سے شکار کیوں کیا؟ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ صرف میں ایک ہی تو اس کے جال میں پھنسا تھا۔ میرے ساتھی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ میرا کوئی دشمن بھی نہ تھا، نہ میں کسی کا دشمن تھا۔ اب تو میں دشمن کا قیدی بن چکا تھا۔

جال کو بڑی بے دردی اور بے رحمی سے گھسیٹا گیا تھا، جس کے کارن میرا بدن بری طرح لہولہان ہو چکا تھا۔ میرے سارے بدن میں درد کی لہریں جو اٹھ رہی تھیں، وہ میرے وجود کو ہلا رہی تھیں۔ درد کی شدت اتنی تھی کہ میرے منہ سے چیخیں نکلی جا رہی تھیں۔ پھر بھی اسے مجھ پر بالکل بھی رحم نہیں آیا تھا۔ وہ انسان نہیں درندہ معلوم ہوتا تھا۔

اور میں جال کے مضبوط پھندوں میں اس بری طرح جکڑا ہوا تھا' کہ میرے لئے کھڑا ہونا تو کجا، جنبش تک کرنا محال تھا۔ میرے پاس چاقو ہوتا تو جال کے پھندے کاٹ دیتا۔ چاقو تو ساتھیوں کے پاس تھے۔ ہرن کو ذبح کرنے اور گوشت بنانے کے کام آیا تھا۔ اگر چاقو ہوتا بھی تو شاید بے رحم صیاد پھندوں کو کاٹنے کی مہلت یا موقع بھی نہیں دیتا۔

''خاموش......'' اچانک ایک کرخت آواز میرے کانوں میں گونجی تو میں کانپ کر رہ گیا۔

میں نے سامنے نظریں اٹھا کر دیکھا' تو میرے اوسان خطا ہو گئے' اور میری رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔

نیم برہنہ قبائلیوں کا ایک نیزہ بردار لشکر موجود تھا، اور میں ان کی نگاہوں کی گرفت میں تھا۔ ان سب کے گلوں میں پرانے اور زنگ آلود کنستر لٹک رہے تھے، جنہیں وہ موٹی، بھدی اور بدوضع چھڑیوں سے مجنونانہ انداز میں بجا رہے تھے۔

جب میں دہشت زدہ ہو کر سہم گیا، سکڑ سمٹ گیا، تو پروں کی ٹوپی والے شخص کے اشارے پر کنستروں کو بجانا بند کر دیا گیا۔ اس طرح یہ بے ہنگم اور کان کے پردے پھاڑ دینے والا شور تھم گیا، اور مجھے قدرے سکون سا ملا۔

میرے لئے یہ صورت حال اتنی سنسنی خیز، اچانک اور غیر متوقع تھی' کہ میں صورت حال کے بارے میں کچھ سوچ نہ سکا۔ ذہن کسی قسم کا فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ وہ تمام قبائلی درختوں کی چھال سے بنائے ہوئے مختصر لباس میں تھے۔ ان کے گھٹے ہوئے پستہ قامت اور گندے جسموں پر رنگین مٹی سے بھونڈے نقش و نگار بنے ہوئے تھے، جسے دیکھ کر مجھے بڑی وحشت سی ہو رہی تھی۔ ان میں سے کئی ایک کے ہاتھوں میں موٹی رسیوں سے بندھے ہوئے کمر والے طاقت ور اور اونچے اونچے شکاری کتے موجود تھے۔ انہیں دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں ان خوں خوار کتوں کی نسل کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ یہ جنگلی کتے شیروں کی جسامت سے بھی بڑے ہوتے تھے۔ دیکھنے میں جتنے خوف ناک معلوم ہوتے تھے، اتنے ہی خطرناک بھی تھے۔ یہ میسور کے گھنے جنگلات میں پائے جاتے تھے۔ شیروں سے بھی بھڑ جاتے تھے۔ ان کے دانت خنجروں کی طرح نوکیلے ہوتے تھے۔ آدمی کو اس طرح چیر پھاڑ کر رکھ دیتے تھے' جیسے شیر کرتے ہیں۔

ان کی بے پناہ توانائی کو قابو میں کرنے کے لئے ان کی کمر کو پتھر سے باندھا ہوا تھا، لیکن وہ زمین پر گھسیٹ رہے تھے۔ اس کے باوجود بھی ان کے شہ زوروں کو انہیں قابو میں رکھنا دشوار ہو رہا تھا، لیکن وہ پھر بھی قابو کئے ہوئے تھے۔

بائیں جانب میری نگاہ اٹھی، تو کیا دیکھتا ہوں کہ قدرے فاصلے پر دو قبائلی بڑی بے رحمی کے ساتھ کسی شخص کو دبوچے ہوئے اس کے ہاتھ پیر باندھ رہے تھے۔ میں نے اس شخص کو اس کے لباس سے فوراً ہی پہچان لیا۔ وہ شنکر داس تھا۔

شنکر داس کا اس افتاد میں کوئی دخل نہ تھا۔ وہ ہم سب دوستوں کو خزانے کے حصول کے لئے لے جا رہا تھا۔ میں نے اس لمحے سوچا کہ کاش! وہ سادھو مہاراج سے ایسا کوئی منتر بھی سیکھ لیتا، جو جنگلیوں سے نجات کا باعث بن جاتا، لیکن سادھو مہاراج نے صرف ایک منتر بتایا تھا۔ اب خزانے کا حصول ایک خواب سا معلوم دکھائی دیتا تھا۔

پروں کی ٹوپی والے کے اشارے پر کچھ نیزہ بردار قبائلی میری طرف تیزی سے بڑھے،

تو میرا خون خشک ہوگیا' اور مجھے نظروں کے سامنے موت نظر آنے لگی، لیکن انہوں نے خلاف توقع میرا بدن چھیدنے کے بجائے مجھے جال کے پھندوں سے آزاد کرنا شروع کیا۔ جب وہ میری طرف بڑھ رہے تھے، تب میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔ میں نے بہ دقت تمام ضبط کیا تھا۔ جال سے آزاد ہوتے ہی مجھے سکون اور اطمینان ہوا کہ یہ مجھے موت کے منہ میں نہیں دھکیلیں گے۔

جب میں جال سے پوری طرح آزاد ہوگیا، تو سردار نما شخص نے آگے بڑھ کر میری قمیص سے دو جیبیں پھاڑ کر ہاتھ میں پکڑ لیں، پھر اس نے اس میں سے ایک اپنی جیب میں رکھ لی۔ مجھے اس کی یہ حرکت نہ صرف کچھ عجیب' بلکہ پراسراری لگی۔ اس کی وجہ میری سمجھ میں آ گئی۔ کیوں کہ اس نے دوسرے لمحے دوسری جیب کا ٹکڑا ایک دیوہیکل سیاہ کتے کے سامنے ڈال دیا تھا جو چند لمحوں تک بے چینی سے اس ٹکڑے کو سونگھتا رہا۔ پھر اپنا خون آشام دہانہ کھولے زمین کو سونگھتا اِدھر اُدھر گھومنے لگا، پھر اس نے اچانک ہی میری بو پالی، جس سے وہ کپڑے کے ٹکڑے سے واقف ہو چکا تھا۔

اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی، اور پھر وہ وحشیانہ انداز میں غرّا کر میری طرف جھپٹا، کہ اس کی کمر سے ایک من وزنی پتھر بندھا ہوا تھا، مگر وہ پہلے ہی جھٹکے میں اپنے رکھوالے کو کئی قدم آگے کھینچ لایا۔ اگر فوراً ہی دو قبائلی آگے بڑھ کر اس کی رسی نہ کھینچتے، تو اگلے ہی جھٹکے میں وہ خوں خوار کتا اپنے رکھوالے کو گھسیٹتا ہوا مجھ پر آ پڑتا۔

اس کتے کو روک لیا گیا، لیکن وہ میری طرف منہ اٹھائے غضبناک انداز سے بھونکنے لگا۔ اس کے دہانے سے سفید جھاگ اڑنے لگی تھی۔ سردار نما شخص چند ثانیوں تک مجھے اور اس کتے کو دلچسپی سے دیکھتا ہوا معنی خیز انداز سے مسکراتا رہا۔ وہ وحشی کتا اتنا طاقت ور تھا کہ ان تینوں قبائلیوں کو بار بار پہلو بدلنے کے باوجود مجھ سے دور رکھنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ آخر کار سردار نے اپنے ایک ساتھی کے تھیلے سے ایک مردہ پرندہ نکال کر اس خوں خوار کتے کے سامنے اچھال دیا۔

کتا پل بھر میں مجھے بھول کر اس پرندے پر ٹوٹ پڑا۔ کتے کی بھوکی غراہٹوں کے درمیان پروں کی ٹوپی والا شخص کرخت مقامی زبان میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''یہ سب کتے خوں خوار ہیں۔ میرے پاس تم دونوں کے لباس کے چیتھڑے موجود ہیں، جن کی بو پر قبروں

تک سے کھینچ لیں گے۔ لہٰذا اب فرار کی ہر کوشش بے سود ہوگی۔ تمہیں وہیں کچھ کرنا ہوگا، جو ہم چاہیں گے۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ چاہتا ہے کہ ہم خزانے کے لئے اس بستی کی طرف جانے کے بجائے واپس چلے جائیں۔ میں اس پر یہ بات ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا، بلکہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہم شکار کھیلنے نکلے تھے، لیکن میں نے انجان بن کر ٹوٹی پھوٹی قبائلی زبان میں کہا۔

''مگر ہمارا قصور کیا ہے؟ ہم تو شکار کھیلنے کے لئے آئے تھے۔ آخر تمہارا ارادہ کیا ہے؟''

''اس میں قصور تمہارا نہیں، تمہارے ساتھی کا بھی نہیں، بلکہ تم دونوں کے مقدر کا ہے۔'' وہ میری اور زخمی شنکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''اگر تم لوگوں نے ہماری بات مانی تو بہت بڑے اعزاز سے نوازے جاؤ گے، جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' اس نے توقف کر کے ہم دونوں کے چہرے دیکھے، پھر اس نے کہا۔

''تمہارا فیصلہ ایک خفیہ مقام پر منتظر ہے۔''

اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا کہ سارے فساد کی جڑ وہ خزانہ ہے۔ وہ ہمیں لے جا کر اس وقت تک قید کر کے رکھتے، جب تک وہ خزانہ نکال نہیں لیتے۔ ہمارے خواب ریت کے تودے ثابت ہوئے تھے۔

میرے دونوں ہاتھ پشت پر لے جا کر باندھ دیئے گئے۔ شنکر داس کے ساتھ بھی یہی کیا گیا۔ اس کے زخمی ہاتھ کی ذرا برابر بھی پروا نہیں کی گئی۔ ان ہیبت ناک قبائلیوں نے ہمیں نرغے میں لے لیا، اور گھنے جنگل سے گزر کر پہاڑوں پر چڑھنے لگے۔

یہ سفر میرے لئے بڑا کٹھن اور صبر آزما تھا۔ ادھر وہ لوگ ذرا بھی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ پروں کی ٹوپی والا بار بار تشویشناک نظروں سے ڈھلتے سورج کی طرف دیکھ رہا تھا، جو کچھ دیر بعد مغرب کی وادی میں ڈوبنے والا تھا۔ اس کی پریشانی اور بے تابی سے ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ اندھیرا پھیلنے سے قبل کسی مخصوص جگہ پہنچنا چاہتے ہوں۔

کتے پتھروں کو گھسیٹتے ہوئے بے تکان ہوئے جا رہے تھے، اور میں رہ رہ کر ان لمحوں کو کوس رہا تھا۔ دولت کے لالچ میں شنکر داس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب احساس ہو رہا تھا کہ اصل دولت کیا ہوتی ہے۔ سکون...... سکون سے بڑی کوئی دولت نہیں ہے۔

وہ لوگ اب ٹوپی والے کی رہنمائی میں اتنی تیزی کے ساتھ بار بار راستے بدل رہے تھے کہ میرے دل میں راستہ بھٹک جانے کے قوی شبہات سر ابھارنے لگے۔ ادھر سورج اپنا آخری سفر تیزی سے طے کر رہا تھا اور جنگل میں گونجتے بے پناہ شور میں خوفناک درندوں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔

سورج غروب ہونے کے بعد جب سرمئی دھندلکا پھیل چلا، تو سب ایک دم سے رک گئے۔

پروں کی ٹوپی والے نے اپنے چند ساتھیوں سے مشورے کئے اور پھر کسی سے کوئی چیز طلب کی، جس کے جواب میں ٹوپی والے کو پتھروں کی ایک مالا دی گئی۔

''دو کتے فوراً ہی ادھر لاؤ۔'' سردار نے رک کر اونچی آواز میں کہا۔

اور فوراً ہی پتھروں سے بندھے دونوں خوں خوار اس کے سامنے پہنچا دیئے گئے۔ پروں کی ٹوپی والے نے بہت برے انداز میں ان کتوں کی مکروہ تھوتھنیوں کے بوسے لئے اور پتھروں کی مالا ان کے سامنے نچانے لگا۔

کتے بڑی بے تابی سے اس مالا کو اس طرح سے سونگھنے لگے، جیسے کسی کچے گوشت کی بو سونگھ رہے ہوں۔ وہ جس انداز سے اپنی اپنی دمیں ہلا رہے تھے، اس سے یہ اندازہ اور محسوس ہوتا تھا کہ وہ مالا یقیناً کسی ایسے شخص کے جسم پر رہی ہے، جس سے وہ خوفناک کتے بہت زیادہ مانوس ہیں۔ اس مالا میں اس شخص کے جسم کی بُو رچی بسی ہوئی ہے۔

ان دونوں کتوں اور رکھوالوں سمیت پروں کی ٹوپی والا سے آگے کھڑا رہا۔ باقی لوگوں نے کسی سے کچھ کہے بغیر ان کے پیچھے لمبی سی قطار بنائی، لیکن مجھے اور شنکر کو کئی قبائلیوں کے فاصلے سے تقریباً درمیان میں لے لیا گیا۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے وہ لوگ ان گھنے اور خوفناک جنگلات میں ایسی مہمات کے عادی رہے ہوں۔ انہوں نے جو یہ مہم سر کی ہے، یہ کوئی نئی اور پہلی نہیں ہے۔ بہر حال ان میں ایک نظم وضبط تھا، جب کہ یہ جنگلی اور غیر مہذب تھے۔

روشنی کے مدھم سایوں میں، میں نے ان دونوں کتوں کو بے تابی کے ساتھ زمین سونگھتے اور ادھر ادھر چکراتے دیکھا۔ کافی دیر ہوگئی۔ اندھیرا آہستہ آہستہ گہرا ہو رہا تھا، مگر یہ قطار بند قافلہ جوں کا توں کھڑا ہوا تھا، اور جنگل کی نمناک فضا پر چھائے وحشت ناک سناٹے میں کتوں کی تیز سانسوں اور دبی دبی غراہٹوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کتے کوئی

سراغ نہ ملنے پر ان دبی دبی آوازوں میں اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے تھے۔

یہ جو جنگلی آئے تھے، وہ شاید اس جگہ پہلی بار آئے تھے، اور واپسی کا راستہ بھول گئے تھے۔ جنگلات میں بڑی بھول بھلیاں ہوتی ہیں۔ عام طور پر شکاری جو کالا ہرن یا کسی شکار کی تلاش میں اندر تک چلے جاتے تھے، وہ کئی دنوں تک بھٹکتے رہتے تھے۔ یہی ان کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ ان سب کے چہروں پر پریشانی کے آثار تھے۔ دن کا وقت ہوتا' تو وہ اس قدر پریشان نہ ہوتے۔ رات کے وقت گہری تاریکی میں راستہ تلاش کرنا بہت زیادہ دشوار ہوتا ہے۔

پھر کتوں کے تاریک ہیولوں نے فضا میں منہ اٹھا کر اِدھر اُدھر سونگھنا شروع کیا، جیسے وہ ہواؤں کے دوش پر آنے والی کسی مخصوص بو کی تلاش میں ہوں۔ صبر آزما لمحات بڑی اذیت سے سرکتے رہے تھے۔ قطار بند قبائلی اب بھی بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ پھر اچانک وہ دونوں کتے پوری شدت کے ساتھ بھونکنے لگے۔

اس کے ساتھ جنگل کی پرسکوت فضا پرندوں کے خوف زدہ شور سے گونج اٹھی۔ وہ کتے جوش وخروش سے بھونکتے، بار بار ایک جانب بڑھنے کے لئے زور لگا رہے تھے۔ ان سے بندھے ہوئے پتھر اور رکھوالے انہیں روکنے میں ناکام ہو رہے تھے۔ ان میں شیروں سے کہیں زیادہ طاقت اور توانائی موجود تھی۔ ان دونوں کتوں کے شور پر دوسرے شکاری کتے حیرت ناک طور پر خاموش تھے، جیسے وہ اپنے ہم نسلوں کے کام میں کوئی دخل دینا نہ چاہتے ہوں۔

آخر پروں کی ٹوپی والے نے پرجوش لہجے میں رکھوالوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

''بڑھو...... ہمیں بہت دیر ہو چکی ہے۔''

وزنی پتھر زمین پر گھسیٹتے ہوئے وہ دونوں کتے ہوا کو سونگھتے گھنے جنگل کی ڈھلان پر چڑھنے لگے۔ ان کے پیچھے پیچھے پورا قطار بند قافلہ بھی حرکت میں آ گیا۔ ان کے چہروں پر خوشی پھوٹ پڑی تھی، اور آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ ان لوگوں نے آپس میں ہاتھ ہلا کر خوشی کا اظہار بھی کیا تھا۔ ان کی چال میں بڑا جوش وخروش تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اندر ہی اندر بے پناہ خوشی محسوس کر رہے ہیں۔

تاریک اور گھنے جنگل میں بھٹکے ہوئے کارواں کا یہ پراسرار اور خوف ناک سفر جاری رہا۔ زندگی میں کبھی ایسے سفر سے واسطہ پڑے گا، وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ میں نے سوچا بھی

تھا کہ کہیں یہ خواب تو نہیں ہے؟ لیکن یہ خواب نہ تھا۔ کاش! خواب ہوتا؟ زندگی میں یہ دن بھی دیکھنا تھا، کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ مجھے اور شنکر کو کیوں لے جا رہے ہیں؟ وہ چاہتے تو میرے باقی ساتھیوں کو بھی پکڑ سکتے تھے، لیکن انہوں نے اس طرح جانے دیا، جیسے انہیں دو شکار کی ضرورت تھی۔

ہر گزرتے ہوئے لمحات کے ساتھ کتوں کی دیوانگی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ فضا میں پرندوں کا شور اور چوپایوں کی تیز آوازیں گونج رہی تھیں۔ جن کے باعث ماحول خوف زدہ اور ڈراؤنا ہو کر رہ گیا تھا، اور لمحہ بہ لمحہ دہشت ناک ہوتا جا رہا تھا۔

+++

میں نے ان کی قید سے کئی بار نکل جانے کے بارے میں سوچا۔ ایسا تو خواب میں بھی ممکن نہیں تھا۔ نوکیلے نیزوں اور ماہر نشانہ باز تیر اندازوں کے خوف سے کوئی قدم اٹھانے کی جرأت نہ کر سکا۔ فرار ہونے کی کوشش موت کو دعوت دینے کے مترادف تھی۔ میں اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کا قائل نہ تھا۔ ابھی زندہ رہنا چاہتا تھا، کیوں کہ میں نے دیکھا ہی کیا تھا۔ ایک جوان اور صحت مند شخص تھا۔ میرے دل میں بڑی تمنائیں اور آرزوئیں پنپ رہی تھیں، اور ان لوگوں نے میرے بشرے سے جیسے بھانپ لیا تھا کہ یہ پنچھی اڑنے کے لئے پر تول رہا ہے، اس لئے ان ہنگامی لمحات میں وہ پوری طرح منظم اور چوکنے تھے، اور مجھ پر کڑی نگاہ رکھے چل رہے تھے۔

آخر جنگل کے شور کے درمیان کسی عقاب کی ایک تیز سی چیخ گونجی، تو وہ سب ہم آہنگ ہو کر خوشی سے چیخ اٹھے۔

مجھے یہ بات بڑی عجیب اور پراسراری لگی کہ وہ عقاب کی چیخ سن کر اس قدر خوش کیوں ہو گئے؟ یہ راز جلد ہی عیاں ہو گیا۔

''ہم صحیح راستے پر سے گزر رہے ہیں۔'' ٹوپی والے نے کہا' تو اس کے لہجے سے بھی خوشی ٹپک رہی تھی۔

''سردار کا غار قریب آ گیا ہے۔''

''یہ سن کر مجھے ذرا اچنبھا سا ہوا، کیوں کہ میں اب تک اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ یہ ٹوپی والا ہی سردار ہے۔ اب پتا چلا کہ قبیلے کا سردار تو کوئی اور ہی ہے، لیکن اس کے باوجود کہ وہ سردار نہ تھا، لیکن مجھے گرفتار کرانے والوں میں وہ ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے' اور اس کا ہر حکم بھی سردار کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کی بڑی عزت اور احترام ہے۔

اس نے چند لمحوں کے بعد اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے حلق سے عقاب کی سی تیز چیخ نکالی، تو اس کا جواب اس عقاب نے چیخ کی صورت ہی میں دیا۔ اس عقاب کا جواب سنتے ہی اس کارواں کی رفتار میں تیزی آ گئی۔

کچھ دیر بعد اس اذیت ناک اور سوہانِ روح سفر کا اختتام گھنے درختوں سے ڈھکے ایک پہاڑی کے غار پر ہوا۔

اس غار کے تنگ دہانے سے زرد روشنی خارج ہو رہی تھی، اور اس کے سامنے صاف کئے ہوئے پتھریلے حصے پر ایک ادھیڑ عمر' مگر تندرست اور سخت گیر شخص کھڑا ہوا تھا۔ وہ دراز قد بھی تھا۔ اس کی بھنوؤں پر بڑے بڑے اور بے ترتیبی سے جھکے اور بکھرے ہوئے بال اس کی آنکھوں کو ہیبت ناک بنا رہے تھے، اور اس کے بائیں ہاتھ پر ایک بڑا سا عقاب بیٹھا ہوا تھا، جس کا ایک پیر کسی مضبوط ڈوری کے ذریعے اس شخص کے انگوٹھے سے بندھا ہوا تھا۔

''اے سردار! تیرا جانثار دونوں قیدیوں سمیت حاضر ہے۔'' پروں کی ٹوپی والے نے قدرے جھک کر مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''شوالا!'' سردار نے اس کے قریب جا کر اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے تعریفی انداز میں کہا۔ ''میری نظروں میں جو تیرا بلند مقام ہے' اس کو کوئی بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ مجھے تجھ پر اس لئے ہمیشہ سے ناز رہا ہے۔''

''سردار!'' شوالا نے سیدھے ہو کر کہا۔ ''تو مجھے جو عزت دیتا ہے، وہ میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ میں تیرا ادنیٰ سا خادم ہوں، تو جو حکم بھی دے گا' میں اسے پورا کرنے کے لئے جان بھی دے سکتا ہوں۔''

''مجھے اس بات کا اندازہ اور احساس ہے کہ تو میری کتنی قدر اور عزت کرتا ہے۔ میں تیری جانثاری کا کاش حق ادا کر سکتا۔ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے تجھ جیسا وفادار ملا۔''

اس دوران بھٹکے ہوئے کارواں کی رہنمائی کرنے والے غضبناک کتے سردار کے قدموں میں لوٹ رہے تھے۔ ایسا لگا کہ اس سردار نے اپنے کسی منتر سے ان کتوں کو اپنا تابع بنا رکھا ہے، ورنہ یہ کتے اس طرح اس کے قدموں میں لوٹنے سے رہے تھے۔

اب میری سمجھ میں ایک اور بات آئی۔ درندے کی کھال میں ملبوس سردار کی ہی بُو پر کتے وہاں پہنچے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ پتھریلے موتیوں کی مالا اسی مقصد کے لئے سردار نے اتار کر

شوالا کو دی۔

سردار اب مجھے اور شنکر کو اس طرح سے گھور رہا تھا، جیسے ایک بھوکا درندہ اپنے شکار کو گھورتا ہے۔

غار کے اندر سے آنے والی روشنی اس کی پشت پر پڑ رہی تھی، اور ہم دونوں پوری طرح اس روشنی میں تھے، مگر اس کے تاریک چہرے پر دمکتی ہوئی وحشیانہ پن لی ہوئی آنکھیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

''ان دونوں کو غار میں پہنچا کر، ان کی کمر سے پتھر باندھ دو۔ پھر اپنے آدمیوں کو بستی کی طرف روانہ کر دو۔'' سردار نے باوقار لہجے میں کہا۔

''ان دونوں کا فیصلہ ہونے تک تم میرے ساتھ ہی رہو گے۔''

''جو حکم سردار!'' شوالا نے اثبات میں سر ہلایا۔

پھر شوالا کے اشارے پر ہمیں غار کے روشن دہانے کی طرف بڑھنا پڑا۔ میں نے سردار سے کچھ کہنا چاہا، تو شوالا نے اس کی مہلت نہیں دی۔ غار میں داخل ہوتے سے معا میری نگاہ درختوں کی اوٹ میں بندھے ہوئے بہت سارے خچروں پر پڑی، جس کا مطلب یہ تھا کہ ان قبائلیوں کی بستی اس مقام سے خاصے فاصلے پر موجود ہے۔

پھر بڑی تیزی کے ساتھ کتوں کی کمر سے بندھے دو سب سے وزنی پتھر کھولے گئے، اور آہنی زنجیروں کے ساتھ میری اور شنکر کی کمر کے ساتھ باندھ دیئے گئے۔ اس اثنا میں ادھیڑ عمر کا سردار بھی روشن غار میں آ گیا تھا۔

شوالا اور اس کے ساتھی اپنا کام ختم کر کے وہاں سے چلے گئے، کیوں کہ اب ان کا کوئی کام نہیں تھا، اور پھر وہ بے حد تھکے ماندے بھی تھے۔ پھر میں نے چند لمحوں کے بعد باہر خچروں کے ہنہنانے کی آوازیں اور کتوں کی غراہٹیں سنیں، جس کا مطلب تھا' وہ سب سردار کے حکم کی تعمیل میں کتوں سمیت واپس جا رہے تھے۔

جب خچروں کے سموں کا شور تھوڑی دیر میں دور ہوتے ہوئے معدوم ہو گیا تو ایک سناٹا سا چھا گیا۔

سردار اس کشادہ غار میں پڑے ہوئے ایک بڑے اور صاف ستھرے پتھر پر بیٹھ گیا۔ شوالا زمین پر سردار کے قدموں کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ میں پتھر سے بندھی ہوئی مختصر زنجیر'

ہونے کے باعث بیٹھا رہنے پر مجبور تھا، چوں کہ شنکر داس کی زنجیر قدرے لمبی تھی، اس لئے وہ دیوار کے سہارے کھڑا رہا۔ وہ سردار اور شوالا کو گھورے جا رہا تھا۔

''میرا نام ساون ہے۔'' سردار گلا صاف کرتے ہوئے دھیمی اور پرفکر آواز میں بولا۔

''میں اپنے قبیلے کا سردار ہوں۔ تمہیں اس قبیلے کے بارے میں بتا دوں کہ اس بستی میں لڑکیوں اور عورتوں کی اکثریت ہے' اور مردوں کی تعداد ان کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ میرے قبیلے میں اس عورت کی دیوتا کی طرح پوجا کی ہے، جو سب سے زیادہ لڑکے جنتی ہے۔ اس کی بڑی عزت کی جاتی ہے۔ اس کا مقام لڑکیاں جننے والی عورتوں میں سے سب سے بلند اور باوقار ہوتا ہے، مگر میری صرف ایک ہی لڑکی ہے۔''

اتنا کہہ کر اس نے پہلو بدلنے کے لئے توقف کیا، اور یوں قدرے خاموش رہا، جیسے بات جاری رکھنے کے لئے الفاظ موزوں کر رہا ہو۔

''میری بیٹی کا نام چاندنی ہے۔'' سردار نے اپنی بات جاری رکھی۔

''اس کا حسن الفاظ میں، میں کیا، کوئی بھی بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے سنا نہیں، بلکہ تمہارے شہر کی بہت ساری حسین لڑکیوں اور عورتوں کی تصویریں دیکھی ہیں۔ ایک سیاح جو کبھی اس جنگل میں آیا تھا' وہ اپنا تھیلا بھول گیا تھا، وہ شوالا کے ہاتھ لگا تھا۔ اس میں جنگل کے باہر کی دنیا کی حسین عورتوں کی تصویریں ایک کتاب میں چھپی ہوئی تھیں، لیکن ان میں سے ایک لڑکی اور عورت بھی میری چاندنی سے حسین نہیں ہے۔ وہ تیرہ برس کی عمر سے اپنے جیون ساتھی کے انتظار میں جوانی کے کرب آمیز لمحات گزار رہی ہے۔ اس کی زندگی بڑی بے کیف سی ہے۔''

''لیکن جب وہ اتنی حسین ہے، تو تم نے اس کی شادی اپنے قبیلے کے کسی نوجوان سے کیوں نہیں کر دی؟'' میں نے درمیان میں کہا۔

''یہی تو دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ بستی کا کوئی جوان دو برس گزر جانے کے باوجود اس کا ہاتھ تھام لینے کے لئے تیار نہیں ہے۔'' سردار نے یاسیت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

بڑی عجیب سی بات ہے کہ سردار! ایک حسین لڑکی کو کوئی اپنانے کے لئے تیار نہیں؟'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''اب عجیب و غریب بات کو چھوڑو۔'' سردار نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ ''اب تم

دونوں میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ میں جو کچھ کہنے والا ہوں، اسے نہ مانا تو بہت برا ہوگا۔ تم دونوں کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ تمہاری زبان سے انکار سنتے ہی میرے اور شوالا کے نیزے نہ صرف تمہارے جسم، بلکہ دلوں کو بھی چھید دیں گے۔ تم دونوں نے میری بات مان لی تو اس صورت میں تم میں سے صرف ایک زندہ رہے گا۔ میں دوسرے کی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔''

سردار ساون کی بات سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں دھڑکنے لگا۔ اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔ اس نے جو فیصلہ کیا تھا، وہ ایک طرح سے اٹل تھا۔ اس نے بڑے سپاٹ اور غیر مبہم لہجے میں ہمارے نصیب کا فیصلہ سنا دیا تھا۔

''سردار!'' میں نے چند لمحوں کی اذیت ناک خاموشی کو توڑتے ہوئے اسے بے جان لہجے میں مخاطب کیا۔

''ہم کچھ نہیں سمجھ سکے کہ تم کیا چاہتے ہو؟ تم نے اتنا بڑا فیصلہ سنا دیا۔ آخر ہمارا جرم کیا ہے؟''

''تم خود جلد ہی سمجھ جاؤ گے۔'' ساون کہنے لگا۔

''باہر دو سدھائے خچر موجود ہیں۔ شوالا تم دونوں میں سے کسی ایک کو پہلے روانہ کر دے گا، اور اس کا خچر تمہیں سیدھا میری بستی میں لے جائے گا، جہاں میں پہلے سے موجود ہوں گا۔ وہ شخص وہاں پہنچ کر چاندنی پر اپنے حق کا اعلان کرے گا، ایک دن کے وقفے سے شوالا دوسرے کو بھی اس طرح بستی میں پہنچائے گا۔ اگر تم دونوں میں سے کسی نے بھی بستی والوں کو بتایا کہ چاندنی کی خاطر میں تمہیں زبردستی جنگلات میں جال میں پھانس کر لایا ہوں' اور تم اپنی جان کی سلامتی کی غرض سے چاندنی کو اپنانے کے آمادہ ہو گئے۔ جانتے ہو اس راز کو ظاہر کرنے کا انجام کیا ہوگا؟ موت...... یہ کوئی آسان موت نہیں ہوگی۔ انتہائی سفاکانہ...... ظالمانہ...... اور اذیت ناک، جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میرے جانثاروں کے نادیدہ نیزے تمہارے جسموں کو چھلنی کر دیں گے۔''

اس کا ایک ایک لفظ کسی نیزے کی طرح تھا، جو دل میں اترتا رہا۔ ہم دونوں گم صم اس کی باتیں سن رہے تھے۔ اس نے ایک لمحے کے لئے ہم دونوں کے چہروں کو دیکھا پھر وہ مضبوط لہجے میں کہنے لگا۔

"اگر تم دونوں نے راز داری برقرار رکھی، کسی کے کان میں بھنک پڑنے نہیں دی، تو ایک مقررہ دن پر تم دونوں کے درمیان خونی مقابلہ ہوگا۔ وہ اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک تم میں سے کوئی ایک نہ مر جائے، یا پھر ایسا معذور ہو جائے کہ مقابلے کے قابل نہ رہے۔ پھر میری بیٹی چاندنی فاتح کی ملکیت ہوگی۔ اس کے علاوہ وہ میرے انعامات کا مستحق بھی ہوگا۔ میں اس کے قدموں میں ہیرے جواہرات کا ڈھیر لگا دوں گا۔ اگر اس تجویز سے انکار کرتے ہو، تو ابھی اور اسی وقت تمہارا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اب تمہاری سمجھ میں آ گیا ہو گا۔"

ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ چاندنی جب اتنی حسین وجمیل اور نوخیز عمر کی دوشیزہ ہے، تو بستی کے جوانوں نے اسے اپنانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ آخر کیوں اور کس لئے؟ اس میں ایسا کون سا عیب اور نقص ہوگا۔ سردار نے یہ نہیں بتایا کہ بستی کے جو نوجوان ہیں، وہ کس لئے شادی کرنے سے پیچھے ہٹ رہے ہیں، جس کے باعث اسے منصوبہ بنانا پڑا۔ شامتِ اعمال کہ ہم دونوں اس کے منصوبے کا شکار ہوگئے۔

میں اس کا ہولناک منصوبہ سن کر لرز اٹھا تھا۔ سارے بدن میں خون سرد ہونے لگا۔ انکار کرنا گویا موت کو دعوت دینے کے مترادف تو تھا ہی' مگر اقرار میں جان کا شدید خطرہ تھا۔ ایک عجیب دوراہے پر میں کھڑا تھا۔

"بولو تم نے کیا فیصلہ کیا؟" سردار نے عقاب کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔ "میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ تمہاری خاموشی کہہ رہی ہے کہ تم میری بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہو۔"

اس لمحے میری اور شنکر کی بے بس نگاہیں چار ہوئیں۔ اسے فیصلہ سننے کی بڑی جلدی تھی۔ میں نے مردہ لہجے میں جواب دیا۔

"ہمیں تمہاری پیشکش منظور ہے۔ انکار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم تمہاری حسین بیٹی کے لئے مقابلہ کریں گے۔"

یک لخت سردار کے چہرے پر نرمی نے کرختگی کی جگہ لے لی، پھر اس کی آنکھیں وحشیانہ انداز میں چمک اٹھیں۔ اس پر سرشاری سی طاری ہوگئی۔ وہ عقاب کو چومتا ہوا مغرورانہ لہجے میں بولا۔

"چاندنی کے مقدر کا ستارہ عروج پر ہے۔ اب کوئی میری بیٹی کو بدبختی کا طعنہ نہ دے سکے گا۔"

پھر سردار ساون، شوالا کا ہاتھ پکڑ کر اسے غار سے باہر لے گیا۔ اب ہم دونوں غار میں تھے۔

چند ساعتوں تک میں اور شنکر مبہوت سے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے۔ ہمارے درمیان ایک ہولناک سکوت طاری رہا۔ اس وقت ہماری حالت بے جان بتوں کی سی تھی۔ اس کا چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ اس نے خوف زدہ لہجے میں سکوت کو توڑا۔

"اجیت! یہ ہم کس مصیبت میں پھنس گئے؟ سوچ سوچ کر میرا دماغ ماؤف ہوتا جا رہا ہے۔"

"خزانے کے لالچ نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔" میں نے کہا۔

"نہ یہ سادھو ملتا اور نہ خزانے کے بارے میں بتاتا اور نہ ہم پھنس جاتے۔"

"میرے وہم و گمان میں یہ بات نہیں تھی کہ ہم پر یہ افتاد نازل ہو جائے گی۔" شنکر بے بسی سے بولا۔

"میری پتنی شانتی نے مجھے اس خزانے کی تلاش سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ خزانہ ایک وبال بن جائے گا۔ حکومت پوچھے گی کہ یک دم سے اتنی ساری دولت کہاں سے اور کیسے آ گئی؟ حکومت نہ صرف ساری دولت قبضے میں کر لے گی، بلکہ ایک نئی مصیبت گلے پڑ جائے گی۔ اس خزانے پر لعنت بھیجو۔ بھگوان نے جو سکون کی دولت دی ہے، وہ کسی بھی خزانے سے کم نہیں ہے، لیکن میں نے اس کی بات نہیں مانی، جس کی سزا یہ ملی ہے، لیکن میں نے حوصلہ نہیں ہارا ہے۔ ہم یہاں سے فرار ہو کر جائیں گے اور پھر خزانہ حاصل کر لیں گے۔"

"گویا خزانے کا بھوت ابھی بھی نہیں اترا ہے۔" میں نے کہا۔

"خزانے کا خیال دل سے نکال دو۔ اب سوچو کیا کرنا ہے؟"

"کیا تمہارے خیال میں سردار کی بیٹی چاندنی واقعی اتنی حسین ہوگی، جتنی اس کا باپ بتا رہا ہے؟" شنکر نے سوال کیا۔

"میرے خیال میں نہایت بدصورت ہوگی، اور کسی چڑیل سے کم نہ ہوگی۔" میں نے

منہ بنایا۔

‘‘یہ بات تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟’’ شنکر نے کہا۔

‘‘سردار اس قدر غلط بیانی نہیں کر سکتا۔ شاید وہ سچ کہہ رہا ہے۔’’

‘‘اس بنا پر کہ اس کی بستی کا کوئی نوجوان اسے اپنانے کے لئے تیار نہیں ہے۔’’ میں نے کہا۔

‘‘وہ کہہ نہیں رہا تھا کہ اس کی بیٹی دو برس سے جیون ساتھی کا انتظار کر رہی ہے۔ اس کا کوئی دعوے دار نہیں آ رہا ہے۔’’

‘‘میں بھی یہی بات سوچ رہا ہوں۔’’ شنکر نے کہا۔

‘‘اور اس چڑیل کے لئے ہم دونوں کو ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھانے ہوں گے۔ اگر واقعی کوئی حسین اور نوجوان لڑکی ہوتی تو پھر سوچا جاتا۔ یہ خون خرابہ......؟ اس کے تصور سے ہی ہول آ رہا ہے۔’’

‘‘ہم دونوں بچپن کے دوست ہیں، اور ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھانے کا سوچ بھی تو نہیں سکتے ہیں۔’’ میں نے کہا۔

‘‘تم کسی بات کی چنتا نہ کرو؟’’ شنکر کا لہجہ خوشی سے بھر گیا۔ اس نے مجھے جیسے دلاسا دیا۔

‘‘چنتا کیوں نہ کروں؟’’ میں نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

‘‘ہم دونوں کو ایک دوسرے کی جان کا دشمن جو بننا ہوگا۔’’

‘‘میرے ذہن میں ایک بڑی نادر تدبیر آئی ہے۔’’ شنکر نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

‘‘سانپ بھی مر جائے گا، لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔’’

‘‘وہ کیسے......؟’’ میں نے حیرت اور تجسس سے سوال کیا۔

‘‘وہ ایسے کہ ہم اس طرح آپس میں لڑیں گے کہ اس مقابلے کا فیصلہ کبھی بھی نہ ہو سکے گا۔ بس ہم اس طرح ایک دوسرے کو بچانے کا موقع نکال سکتے ہیں، پھر یہ مقابلہ دو تین مرتبہ ہوگا، کوئی فیصلہ نہ ہونے کی صورت میں اس دوران ہم یہاں سے فرار کا منصوبہ بنالیں گے۔ ہم کو سوچنے کی مہلت بھی مل جائے گی۔’’

اس کی تجویز سن کر میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا، کیوں کہ اس کی تجویز بہت بے ضرر

اور قابلِ عمل بھی تھی۔

‘‘فرار......؟’’ میں نے پھیکی سی ہنسی سے کہا۔

‘‘دوست! اب تو خواب میں بھی فرار ناممکن سا دکھائی دیتا ہے۔ کیوں تم ایک ایسی بات سوچ رہے ہو جو ناممکن ہے۔ سوچ کر دماغ خراب کرنا ہے۔’’

‘‘کیا دنیا میں کبھی کوئی بات ناممکن رہی ہے؟’’ اس نے کہا۔

‘‘فرار کی کوشش کر کے دیکھنے میں کیا حرج ہے؟’’

‘‘اچھا مجھے بھی سوچنے دو۔’’ میں نے کہا۔

‘‘شاید فرار کی کوئی تدبیر میرے ذہن میں آ جائے؟’’

‘‘شنکر!’’ میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی تو میں نے سرگوشی کی۔

‘‘سردار کے جانے کے بعد شوالا یہاں اکیلا رہ جائے گا۔ اگر ہمارے پتھر کھل گئے تو ہم شوالا کو ٹھکانے لگا کر با آسانی فرار ہو سکتے ہیں۔’’

میں نے اس لمحے ایک خچر کے سموں کی آواز سنی۔ سردار ساون واپس جا رہا تھا۔ یہ خوشی کی بات بھی تھی۔ شنکر نے کہا۔

‘‘سردار جا رہا ہے۔ اب صرف شوالا رہ جائے گا۔ ہمیں بہت محتاط رہنا ہوگا، لیکن دوست!’’ شنکر نے سانس لینے کے لئے توقف کیا۔ اس کے لہجے سے مایوسی ٹپک رہی تھی۔

‘‘پتھر کا کھلنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اسے کھولنے کی صورت بھی نظر نہیں آتی ہے۔’’

‘‘کوشش کر کے دیکھنے میں کیا حرج ہے؟’’ میں نے کہا۔

‘‘میں یہ چاہتا ہوں کہ سردار کی بستی میں پہنچنے سے پہلے ہی ہم فرار ہو جائیں۔ وہاں جانے کی نوبت نہ آئے۔ اس لئے کہ وہاں پہنچنے کے بعد پھر فرار ناممکن ہو جائے گا، جب کہ ہم یہاں سے آسانی سے فرار ہو سکتے ہیں۔’’

‘‘خاموش ہو جاؤ۔’’ شنکر نے سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔

‘‘شوالا شاید غار میں آ رہا ہے۔ اس کی موجودگی میں بات نہ کرنا۔’’

چند ثانیوں کے بعد شوالا غار کے اندر داخل ہوا۔ ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ اس نے ہمارے سامنے کھڑے ہو کر تیز لہجے میں کہا۔

‘‘صبح ہوتے ہی تم میں سے ایک کو بستی کی طرف روانہ ہونا ہے۔ تم دونوں آپس میں

فیصلہ کرلو کہ پہلے کون جائے گا؟"

"تم جسے چاہو پہلے بھیج دو۔" شنکر نے کہا۔

"بات تو ایک ہی ہے، پہلے کوئی بھی جائے اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"اچھی بات ہے۔" شوالا نے باری باری ہمارے چہرے دیکھے اور بولا۔

"اب تم دونوں آرام کرلو تاکہ صبح تازہ دم ہو جاؤ۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میں بستی جا رہا ہوں، اور تمہیں لینے صبح آؤں گا، میں کہیں نہیں جا رہا۔ غار کے باہر پہرا دے رہا ہوں۔"

ہم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، تو وہ ٹہلتا ہوا غار سے نکل گیا۔ چند ساعتوں کے بعد موی شمعوں کی روشنی میں ہم دونوں غیرمحسوس انداز سے کھسک کر ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ پھر غار کے دھانے کی نگرانی کرتے ہوئے کسی طرح اپنی پشت سے بندھے ہوئے پتھر کو کھولنے کی کوشش کرنے لگے۔

جنگل کی پُرہیبت اور گھپ اندھیری رات دھیمے دھیمے سرکتی رہی، لیکن کافی دیر تک کوشش اور جدوجہد کرنے کے باوجود بھی ہمیں زنجیریں کھولنے میں کامیابی نہ ہو سکی، کیوں کہ ہماری پشت پر بندھے ہوئے سرے مقفل تھے، بلکہ پتھروں میں بھی گہرے نشان ڈال کر زنجیریں اس طرح باندھی گئی تھیں کہ ہمارے لئے ان کا کھولنا ممکن نہیں رہا تھا۔

اس دوران شوالا کوئی دو تین مرتبہ غار کے اندر آیا تھا، لیکن اسے شبہ نہ ہو سکا تھا، کیوں کہ اس کی چاپیں سن کر سوتے بن جاتے تھے۔ وہ ہمیں فرش پر سوتا دیکھ کر چلا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے یہ دیکھنے کے لئے آواز دی تھی کہ ہم جاگ تو نہیں رہے ہیں۔ ہم نے جواب نہیں دیا، تو وہ باہر چلا گیا، لیکن ہم نے اپنی آزادی کی جدوجہد جاری رکھی تھی۔

رات کے آخری لمحات میں شنکر کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں۔ وہ مجھ سے لپٹ کر فرطِ خوشی سے بولا۔

"اجیت یار! مبارک ہو۔ تمہارا پتھر کھل گیا ہے۔ اب تم آزاد ہو۔ تمہیں قید سے نجات مل گئی۔"

پھر میں نے دیکھا کہ اب میں واقعی آزاد ہو چکا تھا۔ میری کمر سے لٹکتی ہوئی زنجیر اتنی وزنی نہیں تھی کہ میری نقل وحرکت رکاوٹ پیدا کر سکے، یا اس میں الجھنے کا خطرہ ہو۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ مجھے آزادی مل چکی ہے۔

جہاں مجھے ایک طرف اپنی آزادی کی خوشی ہو رہی تھی، دوسری طرف اس بات کا غم تھا کہ شنکر آزادی سے محروم تھا۔ میں نے اس کی زنجیر کھولنے کے لئے بڑے جتن کئے تھے۔ میرا دل اندر سے بجھ گیا تھا۔ میری خوشی کافور ہو گئی تھی۔

"اجیت! کیا بات ہے؟" شنکر نے کہا۔

"تمہیں آزادی ملنے پر کوئی خوشی نہیں ہو رہی ہے؟ یہ تم افسردہ کیوں ہو رہے ہو؟"

"اس لئے کہ تمہیں آزادی دلا نہ سکا۔" میں نے کہا۔

"کتنا اچھا ہوتا تمہیں بھی اس زنجیر سے نجات مل جاتی۔ ہم دونوں ایک ساتھ فرار ہو جاتے۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں اکیلا بیچ منجدھار میں چھوڑ جاؤں۔"

"یہ وقت ان باتوں کو سوچنے کا نہیں ہے۔" شنکر نے کہا، تو اس کا لہجہ بڑا پُرجوش تھا۔

"جیسے ہی شوالا اندر آئے اس پر ٹوٹ پڑنا۔"

لیکن اس وقت میرا ذہن کہیں اور پرواز کر رہا تھا۔ شنکر نے مجھے جو مشورہ دیا تھا، اس پر عمل کرنا اتنا آسان نہیں تھا، جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔

شوالا نہ صرف مجھ سے زیادہ دراز قد تھا، بلکہ جسمانی طور پر مجھ سے بہت زیادہ قوی بھی تھا، اور پھر اس کے پاس تیز انی والا ایک لمبا سا نیزہ بھی تھا، جب کہ میں بالکل ہی نہتا بھی تھا۔ ایسی صورت میں ایک خوں خوار جنگلی قسم کے درندہ صفت انسان سے الجھنا موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا۔ اس کا میرا کیا مقابلہ تھا۔ میں تو اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجھے اس طرح ہٹاتا، جس طرح راستے میں پڑے پتھر کو لات مار کر ہٹا دیا جاتا ہے۔ اس لئے بھی مجھے سوچنا پڑ رہا تھا کہ مجھے اپنی زندگی عزیز تھی۔

ان غیریقینی حالات میں اپنی زندگی اور رہائی کے لئے یہی مناسب سمجھا کہ میں شنکر کی ذات کو بھول جاؤں، اور اپنی زندگی کی فکر کروں۔ اگر میں شنکر کو اپنے اس خودغرضانہ ارادے سے آگاہ کرتا تو عین ممکن تھا' کہ وہ طیش میں آ جاتا۔ مجھ سے اس طرح سے انتقام لیتا کہ وہ شوالا کو میری جانب سے ہوشیار کر دیتا۔ اس لئے میں نے فوری طور پر کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے۔ میں اس پر عمل کر کے دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔

"وہ کیا تدبیر ہے؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"تم میرا انتظار کرو۔" میں نے اس کے اور قریب ہو کر سرگوشیانہ انداز میں جواب دیا۔

"شوالا غار کے باہر کہیں پڑا گہری نیند سو رہا ہوگا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں اس کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر اسے دبوچ لوں؟"

"تم بے فکر ہو کر جاؤ۔" شنکر نے کہا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔ کاش! میں آزاد ہوتا اور ہم دونوں مل کر اسے موت کی بھینٹ چڑھا دیتے۔ وہ ایک موذی سانپ ہے، اس کا سر کچلنا بہت ضروری بھی ہے۔"

شنکر کی آواز میں ایسی امید اور التجا رچی ہوئی تھی' کہ پل بھر کے لئے مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی۔ میں اپنی نظروں میں گر گیا تھا، اور میں نے سوچا کہ میں اس قدر نیچ اور خود غرض کیوں ہو گیا ہوں، لیکن فوراً اپنی زندگی کا خوف اس شرمساری پر غالب آ گیا۔ پھر میں نے یہ سوچ کر دل بہلایا کہ اس میں سارا دوش شنکر کا ہے، نہ وہ خزانے کی ہوس کرتا اور نہ ہم نکلتے۔

میں بڑے محتاط انداز اور بے آواز قدموں سے دہانے کی طرف بڑھنے لگا۔ دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میرے کان جنگل کے پُرفضا سکوت پر جمے ہوئے تھے۔ ایک خوف بھی دامن گیر تھا، کہ کہیں اچانک شوالا غار میں آ جائے۔ معاً مجھے خیال آیا کہ میرے دہانے تک پہنچنے سے قبل ہی شمع کی روشنی سے دہانے کے باہر پڑنے والا میرا سایہ شوالا کو گڑبڑ کا احساس دلا دے گا، اور پھر وہ مجھے اس طرح سے مار دے گا، جس طرح ایک چوہے کو مارا جاتا ہے۔

اس خیال کے آتے ہی میں نے پھرتی کے ساتھ دونوں موم شمعوں کو گل کر دیا۔ غار میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ باہر کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں اور شوالا کے مغلظات بکنے کی آواز سنائی دی۔ اس وقت نہ جانے میرے بدن میں کہاں سے پھرتی اور توانائی عود کر آئی کہ میں ایک ہی جست میں غار سے نکلتا چلا گیا۔ چوں کہ میں نے موم شمعیں گل کرنے سے قبل ہی غار سے نکلنے کے راستے کا اندازہ کر لیا تھا اس لئے باہر پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

میں جوں ہی غار سے باہر پہنچا، یک دم سے ٹھٹک کر رک گیا تھا، کیوں کہ مجھے اپنے

داہنے پہلو پر قریب ہی شوالا کے دوڑتے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں، اور عین اسی وقت چھٹی حس کی ترغیب پر لیٹ گیا تھا، اگر ایسا نہ کرتا تو میری لاش خون میں رنگ جاتی اور میں اس سنسار سے آکاش پر چلا جاتا۔ شوالا کی جانب سے پھینکا ہوا نیزہ سنسناتا ہوا میرے جسم سے چند انچ اوپر سے گزر گیا۔ شاید اس نے تاریکی میں میرے سائے پر ہی بے خطا نشانہ لینے کی کوشش کی تھی، جو میری حاضر دماغی کے باعث ناکام ہو گیا تھا، لیکن اندھیرے میں اس کا اندازہ غضب کا تھا۔ اگر میں کھڑا ہوا ہوتا تو پھر نیزہ میرا کام تمام کر جاتا۔

شوالا کے اس قاتلانہ حملے کے بعد میں نے وہاں ایک لمحہ بھی رکنے کی حماقت نہیں کی تھی، بلکہ پیٹ اور کہنیوں کے بل رینگتا رہا۔ کیوں کہ اس وقت میں بری طرح خطرے میں گھرا ہوا تھا، اور میرے ذہن پر بس یک ہی دھن سوار تھی کہ آس پاس جو خچر موجود ہیں کسی طرح ان تک پہنچ جاؤں۔ کوشش شرط تھی۔

مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ خچر کس سمت ہوں گے؟ کیوں کہ گھپ اندھیرا تھا۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی سمت کا پتا کیسے اور کس طرح چلاؤں۔ یہ مشکل بھی حل ہو گئی۔ خچروں کی ہنہناہٹ نے سمت کے بارے میں میری رہنمائی کی اور میں تیزی سے اس سمت بڑھنے لگا۔ غار کے دہانے سے آتی ہوئی شوالا کی گونجیلی آوازوں سے پتا چلا کہ وہ میرے بارے میں شنکر سے تشدد آمیز باز پرس کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ غار پھر روشن نظر آنے لگا۔ شوالا نے پھر سے روشنی کر دی تھی۔

وہاں جو خچر موجود تھے' وہ تعداد میں کل تین ہی تھے۔ ان کے اگلے پیر رسیوں سے درخت سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ان پر زین تھی نہ لگام، لیکن یہ جزئیات اس وقت میرے لئے بے معنی تھیں۔ اس لئے کہ میں ہر قیمت پر جلد از جلد اس مقام سے نکل جانا چاہتا تھا۔ میرے لئے ایک ایک لمحہ بے حد قیمتی تھا۔ میں نے بڑی سرعت سے ایک خچر کو آزاد کیا، اور اچھل کر اس کی پشت سے جونک کی طرح چپک گیا۔ ظاہر ہے میں اور کیا کرتا۔ نہ زین تھی، اور نہ لگام۔ جان تو بچانی تھی۔

خچر ایک دو بار ہنہنا کر برح طرح بدکا اور پھر گھنے جنگل میں گھس پڑا۔ میرے کان پیچھے کی آہٹوں پر جمے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ شوالا میرے تعاقب میں نہیں آ رہا ہے، جو ایک طرح سے خلاف توقع بات تھی۔ وہ اندھیرے اور جنگل میں میرا تعاقب کس

طرح سے کرسکتا تھا۔ دن ہوتا تو وہ مجھے بخشتا نہیں۔ میرے تعاقب میں آ نکلتا۔ مجھے جانے نہیں دیتا۔

میرا خچر تھوڑی دیر تک وحشیانہ انداز سے اس طرح دوڑتا رہا، جیسے اسے کسی بات کا خوف و خطرہ ہو۔ پھر اس نے آپ ہی آپ اپنی رفتار سست کر لی، تو میری جان میں جان آئی۔ اس لئے کہ اس کے تیز دوڑنے سے میں کسی بھی لمحے گر سکتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اعتدال سے چل رہا تھا، اور پھر دشوار گزار پہاڑی جنگلات کے پُر پیچ نشیب و فراز پر ہموار رفتار سے دوڑنے لگا۔ راستہ بہت ناہموار اور کٹھن تھا، مگر وہ خچر جس اطمینان سے چلا جا رہا تھا۔ اس نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

مجھے سردار ساون کے الفاظ یاد آئے کہ خچر سدھائے ہوئے ہیں' اور وہ کہیں سے بھی چلیں اس کی بستی میں رکیں گے۔

میں نے خوفزدگی کی حالت میں کوئی دو تین مرتبہ اس خچر کا راستہ بدلنا چاہا تھا، لیکن وہ اس بری طرح بھڑکا کہ میں نے دہشت زدہ ہو کر خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ مرتا نہ کیا کرتا۔ اس کے سوا چارہ بھی تو نہ تھا۔

اس کے سموں سے اڑنے والے پتھروں کا ڈوبتا ہوا گونجیلا شور ظاہر کر رہا تھا کہ میں خوفناک کھائیوں کے درمیان سے گزر رہا ہوں۔ اس حالت میں نہ خچر کو مشتعل کرنے کی حماقت کی جا سکتی تھی، اور نہ ہی میرے لئے اس دوڑتے ہوئے وحشی خچر کی پشت سے کودنا ممکن تھا، کیوں کہ اندھیرے کی وجہ سے میں کود ہی نہیں سکتا تھا کہ جانے کہاں گر کر مر جاؤں گا۔

یہ پراسرار، خوفناک اور بے نام سفر جاری رہا۔ میں نے اس لمحے دل میں سوچا کہ کاش! مجھے ایسا کوئی منتر آتا، جس سے میں اس خچر کو اپنے شہر لے جاتا، پھر میں نے دل میں سوچا کہ زندگی رہی اور واپس گیا' تو کسی نہ کسی سادھو یا جادوگر سے کچھ منتر سیکھ لوں گا۔ اس لئے کہ زندگی میں پھر کبھی ایسا برا وقت آیا' تو منتروں سے کام لے سکوں۔

خاصی لمبی اور اذیت ناک مسافت طے کرنے کے بعد فضا جنگلی پرندوں سے گونج اٹھی اور نسیم سحری کے لطیف جھونکے آہستہ آہستہ ملگجے اجالے کے پیغام لانے لگے۔ پھر ہر طرف اجالے نے اپنی دبیز چادر تان لی تھی۔

روشنی پوری طرح پھیلنے پر میں نے جو جائزہ لیا، تو نہ صرف میرا رُواں رُواں بلکہ میری آتما بھی کانپ اٹھی۔ میری رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ میں نے جو دیکھا اور نظر آیا، وہ اس قدر ہولناک تھا کہ کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ میں نے پہلی بار دیکھا کہ وہ تنومند خچر خوفناک کھائیوں کے درمیان ایک چند فٹ چوڑی اور ناہموار سی چوٹی پر دوڑ رہا ہے۔ اس کے قدم بہکنے اور پھسلنے کی صورت میں تحت الثریٰ کی خوفناک کھائیاں جو بڑی گہری تھیں، وہ مجھے اپنے جبڑوں میں نگل لیتیں۔

میں یوں ہی سانس روکے خچر کی پشت سے چمٹا رہا، اور سورج کی نڈھال کرنوں کی روشنی میں یہ سفر جاری رہا۔ چند گھنٹے گزر جانے کے بعد خچر خوف ناک کھائیوں سے ایک سطح میدان میں اتر گیا۔ اترتے ہی یکا یک اس کی رفتار تیز ہوگئی۔ اس کی وجہ کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ اتنی لمبی مسافت طے کرنے کے بعد وہ تھک سا گیا تھا۔ اچانک اس نے اپنی رفتار تیز کیوں کر لی؟ کیا اس نے کوئی عفریت دیکھ لی ہے؟ لیکن اس کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ جب میں نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔ خاصے فاصلے پر آبادی دکھائی دی۔ اس میں مٹی سے اور تنکوں سے بنے ہوئے مکان، کھیت، باغ اور کنج بھی تھے۔ اس کی تیز رفتاری سے لحہ بہ لحہ بستی قریب آتی جا رہی تھی اور میرا دل اندر ہی اندر ڈوبتا جا رہا تھا کہ کہیں یہ سردار ساون کی بستی نہ ہو۔ خوفناک اندیشوں کے زہریلے سانپ مجھے ڈستے جا رہے تھے۔ میں جب بستی کے حدود میں داخل ہوا، میں نے کچھ ایسے نظارے دیکھے' جو ناقابل یقین سے تھے۔ اس سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ اس بستی میں جو قوم رہتی ہے، وہ تہذیب و تمدن سے ناآشنا ہے۔ انسانیت کے ابتدائی دور آج بھی ہیں۔ ان میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ میں نے دو ایک سیاحوں سے سنا تھا، جو راستہ بھٹک کر ادھر جا نکلے تھے، وہاں ایسی قوم رہتی ہے' جو مادر پدر آزاد ہیں۔ ہر طرح کے قیود سے آزاد، ابھی وہاں تہذیب اور انسانیت کی روشنی نہیں پہنچی۔

ایک یورپی سیاح نے مجھ سے کہا تھا کہ اس میں حیرت اور اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔ امریکی اور یورپی اقوام مہذب اور تہذیب و تمدن سے آشنا ہیں۔ اس کے باوجود ایسا لگتا ہے کہ وہ اس پس ماندہ قوم اور جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ نائٹ کلب، تفریح گاہیں، ساحل سمندر اور فلمیں، لندن اور امریکہ میں، کچھ جزیرے ایسے ہیں، جو تفریح گاہیں ہیں۔ ان جزیروں میں تفریح اور وقت گزاری کے لئے اس شرط پر داخل ہو سکتا ہے کہ وہ بے لباس ہو۔

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ کہیں یہ بستی یورپ یا امریکہ کا کوئی جزیرہ تو نہیں۔ امریکہ اور یورپ جو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک ہیں' ان میں انسانوں اور حیوانوں میں فرق نہیں۔ میسور کا جنگل دنیا کے ان چند جنگلوں میں شمار ہوتا تھا، جو بہت بڑے ہیں۔ دنیا میں شاید کوئی جنگل ایسا ہو' جہاں انسانی آبادی نہ ہو۔ میسور جنگل میں دور افتادہ مقام پر بھی آبادی تھی۔

آخر کار بستی سے باہر ہی میرے خچر کو گھیر کر روک لیا گیا تھا۔ خچر خاموشی سے رک گیا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ اس کے ذمے جو کام سونپا گیا تھا اس نے وہ بخوبی انجام دے دیا ہے۔

خچر کے رکتے ہی میں اس کی پشت پر سے اتر گیا۔ میرے چاروں طرف بے شمار نیم برہنہ نیزہ بردار قبائلی موجود تھے، جن کے گٹھے ہوئے گندمی جسموں پر رنگین مٹی کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے، اور ان کی خوں آشام نگاہیں مجھ پر مرکوز تھیں۔ ان کے عقب میں قدرے فاصلے پر کچھ لڑکیاں، عورتیں، بچے اور جوان لڑکے نیم برہنہ حالت میں تھے، لیکن ان کے جسم رنگین مٹی سے گندھے ہوئے نہیں تھے۔ وہ سب مجھے اس طرح دیکھ رہے تھے، جیسے تماشا دیکھ رہے ہوں۔

ان میں سردار ساون سب سے پیش پیش تھا۔ میں حیران تھا کہ ان قبائلیوں اور سردار ساون کو میری آمد کی پیشگی خبر کیسے ہوگئی؟ شاید سردار نے دور سے ہی مجھے آتا دیکھ لیا تھا۔ میں چونکہ بستی کے اندر اور باہر جو نظارے دیکھ رہا تھا، اس نے دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیا تھا۔ تاہم کوئی اور بات بھی ہوسکتی تھی، جس سے میں بے خبر تھا' یا پھر یہ سردار کوئی ایسا منتر جانتا تھا، جس کے زیر اثر یہ خچر تھے۔ وہ خوں خوار کتے بھی۔ جنگلوں میں جادوگر ہی نہیں جادوگرنیاں بھی ہوتی ہیں۔

اس وقت سردار ساون بڑا غضبناک ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ میں نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ وہ شاید دل میں حیران بھی تھا' کہ میں کس طرح سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا، اور اسے شاید یہ اندیشہ بھی ہوگا کہ کہیں میں نے شوالا کو ختم تو نہیں کر دیا؟ ہاں اگر شنکر ہوتا تو وہ یہیں کہتا کہ ہم دونوں نے مل کر شوالا پر قابو پا کر اسے موت کی نیند سلا دیا۔ پھر اس صورت میں نیزہ بردار کے تیروں سے ہمارے جسم چھلنی ہو جاتے، اور ہم موت کی نیند سو جاتے۔

سردار ساون کی بکھری ہوئی گھنی بھنوؤں کے نیچے اس کی سرخ آنکھیں جہنمی انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔

"تو ہے کون......؟" سردار ساون نے قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے غضبناک لہجے میں پوچھا۔

"تو کیوں پوچھ رہا ہے؟" میرے ذہن میں اچانک ایک منصوبہ آیا تھا، اس لئے میں نے قدرے تیز لہجے میں جواب دیا۔

"میں تیرے سردار سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں اس کو بتاؤں گا کہ میں کون ہوں۔ میں ہر ایرے غیرے کو بتاتا نہیں ہوں۔"

"تو سن میں اس بستی کا سردار ہوں۔" وہ ترش روئی سے بولا۔

"اس بستی اور اس پورے علاقے میں کسی اجنبی کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ اجنبیوں کے لئے یہاں کی زندگی نہ صرف سراب، بلکہ جہنم ہے، ایک دھوکا ہے۔ ہماری اجازت کے بغیر یہاں جس نے بھی قدم رکھا، وہ کبھی زندہ لوٹ کر نہیں گیا۔ اس کی لاش کتوں اور درندوں کی غذا بنتی رہی۔

"اچھا تو تم اس بستی کے سردار ہو۔" میں نے یک دم سے نرم آواز میں کہا۔ "محترم سردار! مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میں زندہ لوٹنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ میں اب اپنی ساری زندگی اس بستی میں گزارنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کس لئے......؟" سردار نے انجان بن کر تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"تو کسی مہذب دنیا کا باشندہ معلوم ہوتا ہے۔ ہم لوگ اس کے برعکس ہیں۔ تجھے اندازہ ہوگیا ہوگا۔ تمہاری دنیا کی زندگی، رنگینی اور حسن یہاں نہیں ہے۔ ہم جنگلی لوگ ہیں۔ جانوروں کی سی حالت میں رہتے ہیں۔ یہاں جو سردار ہوتا ہے، اس کا قانون چلتا ہے۔ میں چوں کہ سردار ہوں، اس لئے اب میرا یہاں قانون ہے۔ تو جلدی سے صاف بتا دے، ورنہ یہ نیزہ بردار تیرا جسم نیزوں سے چھلنی کر دیں گے۔"

"میں یہاں اپنی زندگی اور جان داؤ پر لگا کر آیا ہوں تاکہ چاندنی کو اپنی زندگی کا ساتھی بناؤں۔" میں نے جواب دیا۔

"چاندنی......؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اس کے بارے میں تجھے کیا پتا چلا اور کیا بتایا گیا؟''

''میں اس لڑکی کے تذکرے دوسرے قبائل سے سن کر آیا ہوں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی بے خوفی سے کہا۔

''تو نے کیا سنا......؟'' سردار ساون کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

''دیکھ جھوٹ بول کر دھوکا نہ دے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''میں نے یہ سنا کہ سردار کی بیٹی جس کا نام چاندنی ہے، اور وہ چاند سے بھی حسین ہے، اور وہ تیرے نطفے سے پیدا ہوئی ہے، جس کا اس بستی میں کوئی دعوے دار نہیں ہے۔''

میں نے کہا۔ ''کیا میں نے جو کچھ کہا ہے وہ غلط ہے؟''

اٹھے ہوئے نیزے گر گئے۔ کڑے تیور نرم پڑ گئے۔ ان کے چہروں اور آنکھوں میں جو نفرت اور انتقام کی سرخی تھی، اس کی جگہ حیرت نے لے لی۔ ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ان کے چہروں سے ایسا لگ رہا تھا، جیسے انہیں میری بات کا یقین نہیں آیا۔

''تو گویا......تو صرف چاندنی کے لئے یہاں آیا ہے؟''

اس وقت جو مجمع تھا، اس میں دبی دبی سرگوشیاں ہونے لگی تھیں۔ وہ سب ایک دوسرے کو کہنیاں مارنے لگے تھے۔

''چوں کہ تو اس کا دعوے دار ہے، اس لئے ہم ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔'' سردار نے کہا۔

''اب تیری ذات کو کوئی خطرہ نہیں؟''

''اس بدنصیب کو شاید دھوکا ہوا ہے۔ اس نے جو کچھ سنا' اور جس سے بھی سنا، اس نے غلط بیانی کی ہے۔''

''کیسا خوب صورت، وجیہ اور پیارا نوجوان ہے۔ اس پر تو ہماری بستی کی ہر عمر کی لڑکی اور عورت مر مٹے گی۔''

''اگر اس نے چاندنی کو دیکھ لیا تو وہ یہاں سے بھاگ جائے گا۔ یا پھر خودکشی کر لے گا، یا پھر چاندنی کو ختم کر دے گا۔''

مجھے ایک عورت کی آواز سرگوشی میں سنائی دی، جو نیزہ برداروں کے عقب میں کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بولی تھی۔

''چاندنی کتنی خوش نصیب ہے، اور یہ کتنا بدنصیب، ویسے میں کوشش کروں گی، اسے کسی دن اپنے گھر لے جاؤں۔''

یہ فقرے میرے لئے غیر متوقع نہیں تھے۔ سردار نے سنے یا نہیں اس کے چہرے سے اندازہ نہ ہو سکا۔ اگر اس نے سنے ہوں تو نظر انداز کر دیا ہوگا، کیوں کہ شکار جو جال میں پھنسا تھا، اب وہ بھاگ کر کہاں جا سکتا تھا۔ اب میں ایک پنچھی کی طرح قید ہو چکا تھا۔

سردار ساون کا چہرہ، جس پر نحوست برس رہی تھی، سامنے آتے ہی مجھے اپنی بدنصیبی کا یقین ہو گیا تھا۔ کیوں کہ یقینی طور پر چاندنی بدصورت یا شاید معذور، اپاہج لڑکی تھی۔ میں نے بستی والوں کے چہروں سے اندازہ کیا۔ ان کے دلوں میں میرے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے۔ وہ مجھے رحم آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

شوالا سے نجات حاصل کرنے کی دھن اور عجلت میں مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں نے فرار کے لئے سردار ساون ہی کے سدھائے ہوئے ایک خچر کا انتخاب کیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا، تیر کمان سے نکل چکا تھا، اور اب مجھے اپنی زندگی بچانے کی خاطر ہر صورت میں سردار ساون کے ہر حکم کی تعمیل کرنی تھی۔ شاید شوالا کو اطمینان تھا کہ اس خچر پر سوار ہو کر میں اس کے چنگل سے نکل نہ سکوں گا۔ اس لئے اس نے میرے تعاقب کی کوشش نہیں کی۔ مجھے تھوڑی دیر بعد ہی یہ خیال آ جاتا تو پھر میں خچر سے اتر جاتا۔ شاید کسی جگہ چھپ کر دن ہونے کا انتظار کرتا۔ بہرحال جو کوتاہی ہونی تھی، وہ ہو گئی تھی۔ اب پچھتانے سے کیا حاصل تھا۔

''تو......تو گویا چاندنی کا دعوے دار ہے؟'' سردار ساون نے مکارانہ لہجے میں پوچھا۔

''تو سچ کہہ رہا ہے؟''

''ہاں......'' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تجھے میری بات کا یقین کیوں نہیں آ رہا ہے۔ اگر یہاں کوئی اور سورما بھی چاندنی پر دعویٰ رکھتا ہے' تو میں اس بستی کی رسوم اور رواج کے مطابق اس سے مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔''

میں نے ٹھوس لہجے میں اس انداز سے کہا تھا کہ بستی کے لوگوں کو میری بات کا یقین آ جائے۔

''بولو...... جواب دو......تم میں سے کوئی اور دعوے دار ہے چاندنی کا......؟'' سردار

ساون نے چیخ کر پوچھا۔

وہ سب چور نظروں سے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے رہے۔ چند ثانیوں تک مجمع پر سکوت طاری رہا، پھر وہ سب سر لٹکائے خاموشی سے بستی کی طرف چل دیئے۔ کسی نے دعویٰ نہیں کیا۔

ان سب کے جانے کے بعد میں اور سردار اس جگہ رہ گئے۔ سردار خچر کو ایڑ لگا کر میرے قریب آ گیا۔

اس نے اپنے ہاتھ پر بیٹھا ہوا خوں خوار عقاب میرے حوالے کرتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔

"یہ عقاب اب تیرے پاس رہے گا۔ یہ میری بیٹی چاندنی کے دعوے دار کی نشانی ہے۔ تو اس بستی میں آزاد ہے۔ تجھے ہر بات کی آزادی اور اجازت ہے۔ کوئی عورت یا لڑکی پسند آتی ہے' چاہے وہ کسی کی بیوی، بہن، بیٹی اور ماں کیوں نہ ہو اور وہ تجھے اپنے ہاں مہمان رکھنا چاہیں تو رکھ سکتی ہیں۔ لیکن اس بات کی اجازت اور آزادی صرف تین دن کے لئے ہے۔ تجھے چاندنی کو اپنی ملکیت بنانے کے لئے تین دن انتظار کرنا ہوگا۔ اگر اس دوران کوئی نیا دعوے دار پیدا نہ ہوا تو تیسری شام چاندنی تیری ہوگی۔ ورنہ تجھے نئے دعوے دار سے مقابلہ کرنا ہوگا، اور چاندنی تیری نہیں بلکہ فاتح کی ملکیت ہوگی۔"

"مجھے یہ شرط منظور ہے۔" میں نے عقاب کو چمکارتے ہوئے کہا۔

"میں تین دن تک نئے دعوے دار کا انتظار کروں گا۔"

پھر سردار ساون اپنے جانثاروں کے ساتھ بستی کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں انہیں جاتا دیکھتا رہا۔

بہرحال اب میں اس بستی میں آ ہی چکا تھا۔ قیدی بن چکا تھا۔ مجھے ہر حالت میں چاندنی کی خاطر شنکر سے مقابلہ کرنا تھا، جو جلد یا بدیر اس بستی میں پہنچنے والا تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ سردار ساون نے مجھے جس بات کی آزادی اور اجازت دی ہے اس سے کیوں نہ فائدہ اٹھاؤں۔ کوئی حسین عورت یا لڑکی مہمان بناتی ہے، تو اس کی میزبانی قبول کر لوں۔ اس لئے میں بستی کی طرف بڑھ گیا' تاکہ کوئی نوجوان اور حسین میزبان مل جائے۔ میں نے اب تک جو لڑکیاں اور عورتیں دیکھی تھیں، ان سے یہ اندازہ ہوا تھا کہ یہاں بھی حسن اور شباب

موجود ہے۔

مٹی کے رنگین نقش و نگار میں چھپے ہوئے گندمی جسموں والے قبائلیوں کی یہ بستی بڑی عجیب تھی۔ ہر طرف مردوں اور بچوں کی چہل پہل تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ کسی لڑکی کا تو درکنار، کسی بھی عمر کی عورت کا سایہ تک نظر نہیں آیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مجھے دیکھتے ہی مردوں نے اپنی عورتوں کو گھروں میں قید کر دیا' اور باہر نکلنے کی ممانعت کر دی ہو کہ کہیں وہ مجھے مہمان نہ بنا لیں۔

گول چھت والے کچے مکانوں کی چھت پر جا بجا عقاب بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے' جو قبائلیوں سے خاصے مانوس نظر آتے تھے۔ گلیوں اور میدانوں میں اونچے قد اور پتلی کمر والے خوں خوار شکاری کتے آوارہ گردی کرتے پھر رہے تھے، اور ان میں سے ہر کتے کی کمر سے سیروں وزنی پتھر بندھے ہوئے تھے، جنہیں وہ بآسانی زمین پر کھینچتے پھر رہے تھے۔ ایسے شہ زور کتوں کو قابو میں رکھنے کے لئے نرالا ہی طریقہ اپنایا ہوا تھا۔

بستی میں داخل ہوتے ہی میں اپنے چہرے، مہرے، لباس اور وضع قطع کے اعتبار سے بچوں کے لئے توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ انہوں نے مجھے جیسے ایک تماشا بنا لیا تھا۔ انہوں نے شاید کوئی آدمی لباس میں نہیں دیکھا تھا۔ یہاں مرد اور عورتیں بھی لباس سے بے نیاز تھیں۔ ستر پوشی پتوں سے کی جاتی تھی۔

ان بچوں کی ایک ٹولی حیرت و تعجب کے ساتھ شور مچاتی میرے ساتھ گھوم رہی تھی۔ وہ بڑے معصوم تھے۔ انہوں نے میرے ساتھ کوئی بدتمیزی اور شرارت نہیں کی۔ ان کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ان میں سے بہت سارے بچے کسی قریبی بستی کے تھے، جو روزانہ یہاں کسی نہ کسی کام سے آتے رہتے تھے۔ اتفاق سے آج بھی آ گئے تھے۔ وہ سب کے سب ننگ دھڑنگ تھے۔ دوپہر سے ذرا پہلے سارے قبائلی مرد اپنے مکانوں سے نکل آئے تھے، لیکن ایک لڑکی اور عورت باہر نہیں آئی تھی۔ وہ سب کی سب گدھے کے سر کے سینگوں کی طرح غائب تھیں۔ یہ حیرت کی بات تھی۔

بچے اور مرد سیٹیاں بجا بجا کر اپنے اپنے مکانوں پر بیٹھے ہوئے عقابوں کو اڑانے لگے۔ ذرا سی دیر میں بے شمار عقابوں کا ایک غول آسمان کی طرف اٹھتا جنگل کی طرف نکل گیا، لیکن سردار ساون کا دیا ہوا بوڑھا عقاب میرے ہاتھ پر بیٹھا ہی رہا۔ مجھے راستے میں ایک تیس برس

کی عمر کا مرد اکیلا مل گیا تھا۔ میں نے اسے روک کر پوچھا۔

"کیا اس بستی میں لڑکیاں اور عورتیں نہیں ہیں؟ میں نے صبح بستی سے باہر دو ایک لڑکیاں اور عورتیں دیکھی تھیں' ان میں سے اور ان کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آ رہی ہیں۔"

"کیوں نہیں ہیں۔ بہت ساری موجود ہیں، بلکہ ان کے مقابلے میں مردوں کی تعداد بہت کم ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ہر گھر میں جہاں چھ سات لڑکیاں اور عورتیں ہیں، وہاں صرف ایک یا دو مرد ہوں گے۔ وہ اس لئے نظر نہیں آ رہی ہیں کہ تم جو آ گئے۔"

"میرے آنے سے کیوں......؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"اس لئے کہ یہاں جو لڑکیاں اور عورتیں ہیں' وہ بلا کی حسین ہیں، کہیں تم ان کے اسیر بن جاؤ اور چاندنی کو پسند نہ کرو۔" وہ بولا۔

"سردار ساون نہیں چاہتا کہ تم پر وہ لڑکیاں اپنا جادو چلا دیں۔"

"لیکن اس نے تو مجھ سے کہا تھا کہ جب تک تمہیں چاندنی نہیں مل جاتی، اس وقت تک تمہیں اس بات کی اجازت ہے' اور آزادی ہے کہ جو لڑکی اور عورت پسند آئے اس کے ساتھ رہو۔" میں نے اسے بتایا۔

"اس نے یہ بات تم سے اس لئے کہی ہوگی کہ تمہیں بے وقوف بنا سکے۔" اس نے کہا۔

"وہ جانتا ہے کہ تم اس وقت کسی عورت سے فائدہ اٹھاؤ گے، جب وہ گھر سے باہر نکلے گی۔ جب عورت گھر سے باہر ہی نہیں نکلے گی، اور نہ تمہیں ملے گی، تو تم کس طرح سے وقت گزار سکو گے۔ جب تک سردار نہیں چاہے گا کوئی عورت یا لڑکی باہر نہیں نکل سکتی۔"

"کیوں نہیں نکل سکتی......؟" میں نے سوال کیا۔

"اس لئے کہ سردار ایک ایسا منتر جانتا ہے کہ عورت اپنے گھر میں قید ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس نے ایسا ہی منتر پڑھ کر ان گھروں پر پھونک دیا' جس میں لڑکیاں اور عورتیں رہتی ہیں۔ اس لئے تمہیں ایک لڑکی اور عورت بھی نظر نہیں آئی۔ اس کا یہ منتر تین دن تک کسی لڑکی اور عورت کو گھر سے باہر آنے نہیں دے گا۔"

+++

"اچھا ایک اور بات بتا دو تو تمہاری بڑی کرپا ہوگی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا......؟" اس نے پلکیں جھپکائیں۔

"لیکن میں تمہیں وہی بات بتا سکتا ہوں، جو میں جانتا ہوں گا۔"

"سچ سچ بتانا۔" میں نے کہا۔

"وہ بات تم یقیناً جانتے ہو اس لئے کہ تم یہاں رہتے ہو' اور میں ایک اجنبی ہوں۔ مجھے یہاں آئے کتنی دیر ہوئی ہے یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا چاندنی واقعی بہت حسین ہے؟ کیا تم نے اسے دیکھا ہوا ہے؟"

"تم اپنے اس سوال کا جواب خود ہی اچھی طرح دے سکتے ہو۔" اس نے کہا۔

"اگر وہ حسین ہوتی تو کیا اسے کوئی اپنا نہیں لیتا؟ میرے یا کسی اور کے دیکھنے یا نہ دیکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ اس سے شادی کرنے کے لئے کوئی آگے کیوں نہیں بڑھ رہا ہے' یہ سیدھی سادی سی بات ہے۔ کیا اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی کہ یہاں ہر کسی نے اسے دیکھ رکھا ہے۔ وہ ہرگز ایسی نہیں ہے کہ کوئی مرد اسے اپنا لے۔ وہ حسین ہو یا بدصورت......تم فاتح بن جاؤ یا مفتوح......تم یہاں آ کر ساری زندگی کے لئے پھنس گئے۔ جس نے بھی چاندنی کے حسن کی تعریف کی' اس نے تمہیں دھوکا دیا۔ اب تم یہاں سے کسی قیمت پر جا نہیں سکتے۔ یہاں سے صرف موت ہی تمہیں نجات دلا سکتی ہے۔ اچھا اب مجھے جانے دو۔ سردار ساون یا اس کے کسی آدمی نے مجھے تم سے باتیں کرتے دیکھ لیا' تو میری شامت آ جائے گی۔ ویسے میری بہن، جو نہایت حسین ہے، اس بستی کی سب سے حسین

لڑکیوں میں شمار کی جاتی ہے، اور وہ صرف تیرہ برس کی دوشیزہ ہے۔ خواہش تھی کہ اس کے ساتھ تین دن نہ سہی ایک رات مہمان بن کر رہوں، لیکن سردار نے چوں کہ منتر پڑھ کر پھونکا ہوا ہے اس لئے اس کے کارن یہ ناممکن ہے۔''

''تم اور تمہاری بہن کس لئے ایسا چاہتی ہے؟'' میں نے استعجاب بھرے لہجے میں پوچھا۔

''اس لئے کہ وہ تمہارے بچے کی ماں بن جائے اور اسے لڑکا ہو جائے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اسے لڑکے کی بڑی آرزو ہے۔''

''یہاں شادی کو ملکیت کا نام دیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں ملکیت کو شادی بیاہ کہا جاتا ہے۔ شادی بیاہ مرد اور عورت کا بندھن ہوتا ہے۔ تم اپنی بہن کو کسی لڑکے یا مرد سے بیاہ دو...... اس کی ملکیت بنا دو، وہ کسی لڑکے کو شاید جنم دے دے۔'' میں نے کہا۔

''دو برس سے جس لڑکی یا عورت نے بھی بچے کو جنم دیا' وہ لڑکی نکلی، اور جانے کتنے برسوں تک لڑکیاں پیدا ہوتی رہیں گی۔'' وہ بولا۔

''کس لئے ایسا ہو رہا ہے؟ اور یہ سلسلہ کب تک کیوں جاری رہے گا؟'' میں نے سوال کیا۔

''یہ بھگوان کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے لڑکا دے، لڑکی دے، انسان مجبور و بے بس ہے۔ وہ جو چاہے ایسا نہیں ہوسکتا۔ ہمارے دیش میں بھی لڑکیاں بہت زیادہ پیدا ہوتی ہیں اور لڑکے آٹے میں نمک کے برابر...... بلکہ ساری دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ تم یہ خیال دل سے نکال دو کہ تمہاری بہن لڑکے کی ماں بنے گی۔''

''اس لئے ایسا ہو رہا ہے کہ سردار نہیں چاہتا کہ جب تک چاندنی کسی کی ملکیت بن کر لڑکے کو جنم نہ دے دے، اس وقت تک بستی کی ہر عورت لڑکیاں جنم دیتی رہیں۔'' وہ کہنے لگا۔

''دو برس پہلے ایسا نہیں تھا۔ اس لئے اس نے ہر لڑکی اور عورت کو آزادی اور اس بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ جس لڑکے اور مرد کے ساتھ چاہے رہ سکتی ہے' تاکہ لڑکا پیدا ہو، لیکن پھر بھی لڑکے زیادہ نہ ہوئے۔ دو برس کے بعد ایک لڑکا بھی جنم نہ لے سکا۔ سردار کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔''

''کیا سردار کوئی دیوتا ہے کہ وہ لڑکا ہونے نہیں دے رہا ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ تو سراسر ظلم ہے۔''

''وہ دیوتا تو نہیں ہے، لیکن اسے ایک دو ایسے منتر آتے ہیں' جس کے آگے بستی والے بے بس ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''وہ ہر اس لڑکی اور عورت پر منتر پڑھ کر پھونک دیتا ہے، جو امید سے ہو جاتی ہے۔''

''وہ کس لئے ایسا کرتا ہے۔ اس سے اسے کیا فائدہ ہوتا ہے؟'' میں نے نفرت کے انداز میں کہا۔

''اس لئے کہ اس بستی میں اس عورت کی بہت عزت کی جاتی ہے، جو لڑکے کو جنم دیتی ہے۔'' وہ بولا۔

''اس عورت کی کوئی عزت نہیں کی جاتی' جو لڑکی پیدا کرتی ہے۔ ایسا ہمارے ہاں باپ داداؤں سے چلا آتا ہے۔''

''اگر چاندنی نے کسی لڑکی کو پیدا کیا' تو پھر سردار کیا کرے گا؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''تمہیں اندازہ ہے؟''

''وہ شاید اپنے کسی منتر سے اس لڑکی کو لڑکا بنا دے' یا پھر اسے ختم کر دے۔'' اس نے جواب دیا۔

''چاندنی نے کسی لڑکی کو جنم دیا تو اس میں وہ اپنی سبکی اور ذلت محسوس کرے گا۔ اس نے لڑکا جنم دے دیا' تو پھر شاید وہ اپنے منتروں سے نجات دے دے۔''

وہ یہ بات کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اس نے جو کچھ بتایا اور انکشافات کئے وہ میرے لئے ناقابل فہم اور تعجب خیز تھے۔ سردار منتر جانتا تھا۔ شاید انہی منتروں کے باعث وہ اس بستی پر حکومت کر رہا تھا، اور خوں خوار کتے اس کے آگے بھیگی بلی بن جاتے تھے، اور معلوم نہیں وہ کیا کیا منتر جانتا تھا۔ اب تو وہ میرے لئے بہت خطرناک بن گیا تھا۔ اس سے ہشیار رہنے کی ضرورت تھی۔

میں دوپہر تک یوں ہی بے مقصد ٹہلتا رہا۔ اس کے سوا کرتا بھی کیا۔ وقت گزاری کے

لئے میرے پاس کوئی مصروفیت نہ تھی۔ سردار نے اپنے منتر سے بستی کی ساری لڑکیوں اور عورتوں اور نوخیز عمر کی لڑکیوں کو بھی نظر بند کر رکھا تھا۔ ورنہ میرے تین دن بڑے حسین اور رنگین گزرتے، اور میں کسی ساتھی عورت کو اعتماد میں لے کر فرار کا منصوبہ بناتا۔

اس آوارہ گردی کے دوران میں نے مٹی اور پتھروں سے بنی ہوئی ایک اونچی اور پرشکوہ عمارت دیکھی، جو بستی کے جنوبی سرے پر واقع تھی۔ اس کی چھت پر سرخ کپڑے کے پندرہ پرچم لہرا رہے تھے، جس سے لگا کہ یہ بستی کے کسی ایسے فرد کی رہائش گاہ ہے، جو بہت ہی اعلیٰ قسم کا ہے۔ اس کا منصب سردار سے بھی بڑا ہوگا۔ اس مکان کے علاوہ میں نے کسی اور مکان کی چھت پر ایک پرچم بھی لہراتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ یہ عزت واحترام صرف اسی کو حاصل تھا۔

میرے دل میں تجسس سا پیدا ہوا کہ یہ معلوم کروں کہ اس میں کون رہتا ہے۔ اتفاق سے ایک نوجوان لڑکا میری سمت آتا دکھائی دیا۔ وہی لڑکا اس عمارت کے بارے میں بتا سکتا تھا۔ کوئی اور نہیں تھا، جس سے میں اس عمارت کے بارے میں معلوم کرتا۔

جب وہ قریب سے گزرنے لگا، تو میں نے اس کا راستہ روک کر اس عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

’’یہ کس کا مکان ہے ......؟ اس میں کون رہتا ہے؟‘‘

’’مقدس کرونا کا مکان ہے۔‘‘ لڑکے نے جواب دیا۔

’’کیا تمہیں نہیں معلوم......؟ کیا سردار ساون نے بتایا نہیں؟‘‘

’’یہ مقدس کرونا کون ہے؟‘‘ میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

’’نہیں...... مجھے سردار ساون نے نہیں بتایا کہ یہ مسکن کس کا ہے۔ اگر بتایا ہوتا تو تم سے کیوں اور کس لئے پوچھتا۔ تم اس کے متعلق بتاؤ تو بڑی مہربانی ہوگی۔‘‘

’’یہ وہ عظیم اور مقدس عورت ہے، جس سے اب تک پندرہ لڑکے جنم لے چکے ہیں۔‘‘ وہ بتانے لگا۔ ’’اس بستی میں صدیوں سے کوئی بھی عورت دو لڑکوں سے زیادہ جنم نہیں دے سکی۔ یہ اس بستی اور جنگل کی تمام بستیوں کی واحد عورت ہے، جس کے بطن سے پندرہ لڑکے پیدا ہوئے۔‘‘

’’تو اس لئے اس عورت کو عظیم اور مقدس عورت کا درجہ دیا ہوا ہے؟‘‘ میں نے کہا۔

’’واقعی یہ بہت بڑی بات ہے کہ ایک عورت کے پندرہ بچے...... میں نے اب تک سنا

نہیں کہ کسی عورت نے صرف پندرہ لڑکے پیدا کئے۔ جس کسی عورت کے پندرہ، سولہ بچے ہوئے ہیں ان میں لڑکیاں بھی تھیں۔ اگر اس بستی میں اسے اس لئے عظیم اور مستحق سمجھا جاتا ہے، تو وہ واقعی اس کی مستحق ہے۔‘‘

’’کرونا کہتی ہے کہ وہ ابھی اور دس بچوں کو جنم دے گی۔‘‘ لڑکے نے کہا۔

’’اس عورت کی بڑی تمنا ہے کہ اس کے کل پچیس بچے ہوں، جو دس بچے ہوں گے وہ لڑکے ہی ہوں گے۔ بستی والوں کا خیال بھی یہی ہے۔ اس عمارت میں وہ پوجی جاتی ہے۔ یہاں اس کی تابع پراسرار قوتیں اس کی نگہبانی کرتی رہتی ہیں۔‘‘

’’اس کے شوہر کو وہ عزت اور مقام کیوں حاصل نہیں ہے جو اس عورت کو حاصل ہے؟‘‘ میں نے کہا۔

’’ایک شوہر سے اس کے پندرہ لڑکے نہیں ہوئے ہیں۔‘‘ لڑکا معنی خیز انداز سے مسکرایا۔

’’اس کے کتنے شوہر ہیں وہ خود نہیں جانتی ہے، نہ ہی وہ بتا سکتی ہے کس لڑکے کا باپ کون ہے؟ یہاں یہ کوئی بری یا معیوب بات نہیں ہے۔ اس بستی میں ایسی کوئی پابندی اور قانون نہیں ہے کہ عورت نے کسی اور کے شخص کے بچے کو جنم دیا ہے تو اسے معتوب کیا جائے۔ مرد کسی اور عورت سے بچے کا باپ بنتا ہے اسے سزا دی جائے۔ یہاں مرد اور عورت کو ہر طرح کی آزادی ہے۔ ہم لوگ بس یہ چاہتے ہیں کہ یہاں کی آبادی میں اضافہ ہو۔ اس سے کوئی غرض نہیں کہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ لیکن اس کے باوجود لڑکا ہونا عزت کی بات ہے۔‘‘

’’تمہاری باتوں سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ تم اس بستی کے باسی نہیں ہو؟‘‘ میں نے کہا۔

’’تم الگ تھلگ معلوم ہوتے ہو۔‘‘

’’میں نے دو برس میسور شہر میں ملازمت کی۔‘‘ وہ بولا۔

’’مجھے شہر اور وہاں کے لوگ پسند نہیں آئے اس لئے چلا آیا۔‘‘

اس لڑکے نے جو مقدس کرونا کے بارے میں بتایا، عجیب وغریب باتیں تھیں۔ میں گویا کسی جنگل کی بستی اور غیر مہذب، اجڈ، غیر متمدن انسانوں کی بستی میں نہیں آیا تھا، بلکہ ایک

پراسرار بستی میں آ گیا تھا۔ سردار ساون کو بہت سارے منتر آتے تھے۔ معلوم نہیں یہ مقدس کرونا جو عورت تھی، وہ بھی پراسرار تھی اور پراسرار قوتیں اس کی نگہبانی کرتی تھیں۔

دوپہر کے سرکتے لمحات میں، میں نے دیکھا کہ مختلف سمتوں سے عقابوں کی ٹکریاں واپس آ رہی ہیں۔ میں بڑے تجسس اور اشتیاق سے ان کا جائزہ لینے لگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہر عقاب اپنے اپنے مکان پر اترنے لگا۔ اس وقت ان کے مالک جو باہر نکل آئے تھے، وہ اپنے اپنے پرندوں کی چونچ اور پنجوں میں دبے ہوئے بے جان شکاری نکالنے لگے۔

شاید اس قبیلے والوں نے اپنے عقابوں کو اس مقصد کے لئے سدھایا ہوا تھا' کہ وہ وقت مقررہ پر جنگلات میں جا کر ان کے لئے شکار لائیں۔ یہ روزمرہ کا معمول تھا شاید۔ ان عقابوں کے پنجوں میں تیتر، بٹیر، مرغابیاں اور مچھلیاں بھی تھیں۔ ہر عقاب نے الگ الگ شکار کیا ہوا تھا۔ جسے جسے جو شکار ملا' وہ لیتا آیا تھا۔

اس وقت یکدم سے میری بھوک جاگ اٹھی۔ میں نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا ہوا تھا۔ کہاں سے اور کیسے کرتا؟ سردار نے میرے کھانے پینے کا کوئی بندوبست بھی نہیں کیا تھا، نہ ہی اسے اس بات کا خیال آیا تھا کہ میں بھوکا پیاسا ہوں۔ خودغرض آدمی تھا۔ مجھے اس پر سخت غصہ آیا۔ وہ میرے لئے کھانے پینے کا بندوبست ہی کر دیتا۔

میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں شکم سیر کہاں سے اور کیسے ہوں؟ کہاں جاؤں اور کس سے کہوں؟ کون میری رہنمائی کر سکتا ہے؟ پھر میں نے ایک مقامی راہ گیر کو روکا اور اس سے کہا۔

''میں کل دوپہر سے بھوکا پیاسا ہوں۔ اب تم بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ مجھے کھانے کو کہاں سے مل سکتا ہے؟''

''مجھے چاندنی کا فیصلہ ہونے تک کوئی سوکھی روٹی بھی نہ دے گا۔'' اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

''تجھے تین دن تک بھوکا پیاسا رہنا پڑے گا۔''

''تین دن......؟'' میں بوکھلا گیا۔

''میں تین دن کیا، تین گھنٹے بھی بھوکا نہیں رہ سکتا۔ میرا بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔ میں تو اس طرح بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤں گا۔ میرے لئے تین دن تین صدیوں

کے برابر ہیں۔''

''ایک ہی صورت ہے جس سے تیرا پیٹ بھر سکتا ہے، اور کھانے کو مل سکتا ہے۔'' وہ بولا۔

''اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے۔''

''وہ کیا صورت ہے؟ مجھے جلدی سے بتاؤ۔'' میں نے کہا۔

''میں ہر صورت کے لئے تیار ہوں۔ اس پر عمل کروں گا۔''

''تو ایسا کر سردار ساون کے پاس جا' اور اس سے اجازت لے کر پگوڈا چلا جا۔ شاید تجھ پر مقدس کرونا کو رحم آ جائے اور تجھے کھانے کو مل جائے یا اجازت دے دے تو پھر...... تو کسی بھی گھر سے کھا سکے گا۔''

''کیا سردار ساون مجھے کھانے کو کچھ نہیں دے گا؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں...... وہ مقدس کرونا کے حکم کے بغیر کسی بھی اجنبی کو کھانا نہیں دے سکتا۔ ورنہ وہ تجھے پہلے ہی کھلا دیتا۔''

''پگوڈا کدھر ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تم مجھے اس جگہ کا پتا بتا دو۔''

''وہ مقدس کرونا کا گھر ہے' جو پندرہ لڑکوں کو جنم دے چکی ہے۔ تو نے بستی میں سردار ساون کی لڑکی پر دعویٰ کر کے اس کی عزت بچائی ہے۔ وہ اتنا بے مروت اور خودغرض نہیں ہے کہ تجھے اس کے گھر تک نہ پہنچائے۔'' اس نے کہا۔

''اچھا یہ بتا دو کہ سردار ساون کہاں رہتا ہے؟ مجھے اس کا گھر نہیں معلوم ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ سامنے جو لکڑی کے عقاب والا گھر ہے اس کا ہے۔'' اس نے مخالف سمت اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

پھر میں سردار ساون کے مکان کی طرف تیزی سے چل پڑا۔ ایک مکان کے سامنے سے گزرتا ہوا رک گیا۔ اس مکان کی کھڑکی کا ایک پٹ کھولا ہوا تھا۔ میری نگاہ کھڑکی سے اندر گئی۔ میں نے دیکھا فرش پر چار لڑکیاں، جن کی عمریں چودہ برس سے اٹھارہ برس کے درمیان ہوں گی' گہری نیند سو رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ سردار ساون کے منتر نے انہیں بے ہوش کیا ہوا

ہے۔ گو کہ یہ نظارہ ہیجان خیز تھا، لیکن چوں کہ بھوک سے برا حال تھا، اس لئے میں سردار ساون کے مکان کی طرف چل دیا۔ وہ چاروں لڑکیاں بلاشبہ نہایت حسین اور پرکشش تھیں۔ اس لئے اس خبیث سردار نے اپنے منتر سے انہیں بے ہوشی کی نیند سلا دیا تھا۔

کافی اونچائی پر ایک اڑتا ہوا چوبی عقاب اس مکان پر نصب تھا۔ سردار ساون کے مکان کے باہر دس بارہ خوں خوار کتے، جو شکاری معلوم ہوتے تھے، وزنی پتھروں کو گھسیٹتے ہوئے ٹہل رہے تھے۔ ان کی ہیبت کے باعث میں ان کے قریب جانے کی ہمت نہیں کر سکا۔ میں سوچنے لگا کہ میں کس طرح سے سردار ساون کو اپنی آمد سے آگاہ کروں۔

میں خوف اور تذبذب کے عالم میں اس جگہ کھڑا ہوا تھا کہ میرے ہاتھ پر بیٹھا ہوا عقاب ایک ہلکی سی چیخ مار کر فضا میں سردار ساون کے مکان کی طرف پرواز کرتا بڑھتا چلا گیا۔ اس کی چیخ سنتے ہی سارے کتے چوکنا ہو گئے، اور پھر خوفزدہ انداز میں یوں دبک کر بیٹھ گئے جیسے وہ عقاب انہیں چیڑ پھاڑ کر کھا جائے گا۔ پھر وہ عقاب ایک کھلی کھڑکی سے گزر کر اندر گھستا چلا گیا۔ چند ثانیوں کے بعد وہ عقاب واپس آ کر میرے کندھے پر بیٹھ گیا، اور اس کے پیچھے پیچھے سردار ساون اپنے مکان سے باہر آیا، اور اس کے چہرے پر تحیر کے آثار تھے۔

''تو کیا چاہتا ہے اجنبی؟'' اس نے دور ہی سے پوچھا۔

''تو یہاں کیوں اور کس لئے آیا ہے؟''

''اس لئے کہ سردار! میں سخت بھوکا ہوں۔'' میں نے عاجزی سے کہا۔

''مجھے کھانے کے لئے کچھ دے دو۔''

''جب تک تو چاندنی کو جیت کر اس بستی کا باشندہ نہیں بن جاتا، تجھے کھانا پلانا ہم سب کے لئے حرام ہے۔'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''لیکن میں اس دن کے لئے زندہ کہاں رہوں گا۔ بھوک سے میرا برا حال ہے اور میں کہیں بھوک سے مر نہ جاؤں۔''

''اگر یہ بات ہے تو میں تجھے پگوڈا بھیج سکتا ہوں۔ شاید مقدس کرونا کو تجھ پر رحم آ جائے۔'' وہ بولا۔

''لیکن ایک شرط پر......''

''کیسی شرط......؟'' میں نے چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''لیکن اس شرط پر کہ اس کی بھنک کسی کے کان میں نہ پڑے کہ میں نے تجھے زبردستی پھانسا ہے، تاکہ چاندنی کو تیری ملکیت بنا دوں۔ تو یہ بات مقدس کرونا کو نہیں بتائے گا۔ اگر تو نے کسی کو بھی بتایا تو مجھے اس کا علم میرے منتر سے ہو جائے گا۔ پھر کوئی نادیدہ تیر تیرا فیصلہ کر دے گا۔ میرے جانثار ہر لحظہ تیرے تعاقب میں رہیں گے۔''

سردار ساون نے اپنی بات ختم کر کے ایک شکاری کتے کو اشارہ کیا، تو وہ حلق سے دبی دبی آوازیں نکالتا اس کے قریب آ گیا۔ سردار ساون نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے منہ سے چند عجیب وغریب آوازیں نکالیں، تو وہ کتا اپنی دم ہلاتا ہوا ایک طرف ہو لیا۔

''یہ تجھے پگوڈا تک پہنچا دے گا۔'' سردار نے کہا۔

''تو بے خوف اس کے پیچھے پیچھے چلا جا۔ یہ کچھ نہیں کہے گا۔''

یہ کہہ کر سردار ساون اپنے مکان کی طرف بڑھ گیا۔

میں آہستہ آہستہ اس کتے کے تعاقب میں چل پڑا۔ اس کی رفتار تیز ہو گئی، تو مجھے دوڑنا پڑا۔

مجھے تھوڑی ہی دیر میں اس بستی کے جنوبی سرے پر بنا ہوا پگوڈا نما مکان نظر آنے لگا۔ جس پر سرخ پندرہ پرچم لہرا رہے تھے۔ میں اسے تھوڑی دیر قبل دیکھ چکا تھا۔ اس بستی کے آدمی نے مجھے مقدس کرونا کے بارے میں بتا دیا تھا۔ بہرحال میں انجان بن کر سردار سے ملا تھا۔ میں اس مکان کے پتھریلے دروازے پر رکا ہی تھا کہ وہ خوں خوار شکاری کتا پلٹ کر غرایا۔ جیسے اندر جانے کے لئے کہہ رہا ہو، اور پھر میں خوف زدہ حالت میں سرعت سے اس کے قریب سے گزر کر عمارت میں داخل ہو گیا، اور کتا وہیں سے واپس چلا گیا۔ میری پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی۔ میں نے ہاتھ کی پشت سے پیشانی کا پسینہ پونچھا۔

میں نے اپنے آپ کو ایک وسیع وعریض ہال کے وسط میں کھڑے ہوئے پایا، جس کے ماحول میں ایک عجیب سی پراسراریت رچی ہوئی تھی۔ فضا خوفناک اور وحشت سے بھری ہوئی تھی۔ میں اس ہال کا جائزہ لے رہا تھا کہ دبا دبا سا ایک نقرئی قہقہہ ابھرا۔ ایسا لگا جیسے کوئی ساز بج اٹھا ہو۔ میں سراسیمہ سا ہو کر دیکھنے لگا کہ یہ مدھری آواز کہاں سے آئی؟ لیکن پتھریلی دیواروں اور چھال کی بنی ہوئی چھت والے جھونپڑے میں کوئی نظر نہ آیا۔

''مقدس کرونا! تجھے خوش آمدید کہتی ہے اجنبی۔'' اس ڈوبتے ہوئے قہقہے میں سے ایک

نہایت دل کش آواز نکلی، تو ایسا لگا کوئی سر بول اٹھا۔ آواز اتنی خوب صورت بھی ہوگی، یقین نہیں آیا۔

اس یقین نہ آنے کی وجہ یہ تھی کہ میرے تصور میں ایک ایسی عورت تھی، جو بوڑھی ہو گی، اس کی عمر اسیّ برس سے کم نہ ہوگی، اس کے سر کے بال برف کے گالوں کی طرح سفید ہوں گے، چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا ہوگا۔ اس کی رنگت سیاہ ہوگی۔ اس کے دانت بھی شاید ہی ہوں، کیوں کہ اس نے پندرہ لڑکوں کو جنم دیا تھا۔ اس کی جوانی اور جسم ڈھل چکا ہوگا۔ اس عمر میں ایک عورت کی آواز کوفت اور بھونڈی ہو جاتی ہے۔ وہ کسی چڑیل کی طرح دکھائی دیتی ہے، لیکن آواز سے وہ ایک نوجوان دوشیزہ محسوس ہوئی تھی۔ پھر خیال آیا کہ وہ ایک پراسرار عورت ہے، جادوگرنی ہے، اس نے اپنے کسی منتر سے اپنی آواز کو خوب صورت بنا لیا ہے۔ جس عورت کی پراسرار قوتیں نگہبانی کرتی رہتی ہوں، وہ اپنی آواز خوب صورت کیوں نہیں کر سکتی۔ منتر آخر منتر ہوتا ہے۔ اس میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔

"پگوڈا کے آخری سرے پر مٹی کا جو چبوترہ ہے اس پر تازہ پھل اور ہرن کا گوشت تیرا منتظر ہے۔" پھر آواز لہرائی۔

میں ڈرتے ڈرتے آگے بڑھنے لگا۔ اس بلند جھونپڑے کے آخری سرے پر ایک چبوترہ تھا۔ ایک بہت بڑی چاندی کی رکابی میں بہت سے تازہ پھلوں کا انبار تھا۔ ان میں سیب، انار، ناشپاتی اور امرود تھے۔ ہر پھل کلو ڈیڑھ کلو کا ہوگا۔ دوسری چاندی کی رکابی میں ہرن کے گوشت کے پارچے تھے۔ وہ دو کلو ہوں گے، انہیں سیخ پر بھونا ہوا تھا۔

میں نے ایک پارچہ اٹھایا۔ اسے کھانے لگا۔ اس میں بڑا ذائقہ تھا۔ یہ کالے ہرن کا گوشت تھا۔ میں چوں کہ کل سے بھوکا تھا' اس لئے اپنا ہاتھ روک نہ سکا۔ میں نے رکابی صاف کر ڈالی۔ پھر سیب اٹھایا، وہ تازہ اور لذیذ تھا۔ وہ پھل کھاتے ہی میں نے اپنے جسم میں بے پناہ طاقت اور توانائی محسوس کی۔ اس پھل میں ایسی تاثیر تھی، اس نے مجھے ایک بھرپور طاقتور مرد بنا دیا۔ میری ساری تھکن اور کمزوری کا جسم کے کسی حصے میں نام و نشان نہیں تھا، پھر میں دوسرا پھل اٹھا کر ندیدوں کی طرح کھانے لگا۔ میں حیران تھا کہ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں اس طرح کیوں کھا رہا ہوں۔

میں آخری ٹکڑا حلق سے اتارنے کے بعد مڑنے والا ہی تھا، کہ میں نے اپنی گردن پر

کسی کی گرم گرم سانسیں محسوس کیں۔

اس لمحے جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ کہیں یہ سانسیں مقدس کرونا کی تو نہیں ہیں؟ وہ میری پشت پر خاموشی سے آ کھڑی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں کیوں ایک ان نجانے خوف کی لہر اٹھی۔ میں بڑی سرعت سے مڑا تو میری چیخ نکل گئی۔

ایک خوفناک قسم کا جنگلی بھیڑیا نہایت اطمینان سے میرا جسم سونگھ رہا تھا۔

اس کی پشت پر کسی بھیڑیے کی کھال میں ملبوس ایک جوان سال عورت بڑے پروقار انداز اور تمکنت سے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے چشم تصور میں مقدس کرونا کا جو بہروپ دیکھا، یہ اس کے قطعی برعکس تھی۔ نظروں کو یقین نہ آیا۔

وہ بھیڑیے کی کھال کے لباس میں ملبوس تھی۔ بڑا نامناسب سا اور بے حد مختصر سا لباس تھا۔ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہی تھا۔ میں جو اس بھیڑیے کو دیکھ کر دہشت زدہ سا ہو کر چیخیں مارنے لگا، تو وہ میری مسلسل چیخوں کو سن کر بولی، تو اس کے لہجے میں مٹھاس تھی۔

"اجنبی! مقدس کرونا کے سامنے درندے، کیڑے مکوڑوں کی طرح ہوتے ہیں۔ تم پریشان نہ ہو، میرے حکم کے بغیر یہ بھیڑیا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اپنی جگہ آرام سے کھڑے رہو۔"

جس وقت وہ یہ جملے کہہ رہی تھی، میں نے اس دوران اس کا ناقدانہ نظروں سے جائزہ لیا۔

حقیقت یہ تھی کہ وہ اس قدر حسین تھی' کہ اس کے حسن کی تعریف الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس کا جسم چھریرا اور متناسب تھا۔ وہ پندرہ کیا دو بچوں کی ماں بھی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ وہ پرشباب گداز کی دراز قد عورت تھی۔ اس میں ایک عجیب سا سحر تھا، جس نے مجھے اسیر بنا لیا تھا۔ میں بڑی محویت سے اسے دیکھ رہا تھا، جن کی کرشمہ سازیاں واضح تھیں۔ انگ انگ سے مستی ابل پڑتی تھی۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایسا حسین تراشیدہ پیکر قبائلی بستی میں بھی ہو سکتا تھا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے اپنے کسی جادو منتر سے اپنے آپ کو اس قدر حسین دوشیزہ کا روپ دے لیا ہو۔

"شاید تم یہ سوچ رہے ہو کہ میں اس قدر حسین اور دوشیزہ جو لگ رہی ہوں، وہ کسی جادو

منتر کی وجہ سے ہے۔'' اس نے اپنی شیریں آواز میں کہا۔

''نہیں اجنبی ایسا نہیں ہے۔ میری عمر ساٹھ برس کی ہے، لیکن میں سولہ برس کی دوشیزہ جو لگ رہی ہوں وہ ایک راز ہے۔ میرے ہاتھ سدا بہار جوانی کا نسخہ اس وقت لگا تھا، جب میں سولہ برس کی تھی۔ اس نسخہ کی بدولت میں سولہ برس کی دکھائی دیتی ہوں۔ میں پندرہ بچوں کی ماں ہوں، یعنی پندرہ لڑکوں کی، میری خواہش اور دلی تمنا ہے کہ میں اور مزید دس لڑکوں کی ماں بنوں۔ وہ دن دور نہیں، جب میں واقعی پچیس لڑکوں کی ماں ہوں گی۔''

''سچ تو یہ ہے کہ آپ ایک بچے کی ماں جسمانی اور عمر کے لحاظ سے معلوم نہیں ہوتی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہماری دنیا بہت بڑی ہے۔ ایک سے ایک حسین اور پرکشش عورت موجود ہے، لیکن میں نے آپ جیسی عورت زندگی میں نہیں دیکھی۔''

''اور میں نے تم جیسا خوب صورت اور وجیہہ مرد نہیں دیکھا۔ میری زندگی میں ان گنت مرد آئے لیکن ان میں تم جیسا کوئی مرد نہیں۔ تم میرے خوابوں کے شہزادے کی طرح ہو۔ میرا دل ہو، میری آرزو۔''

''لیکن میں کتنا بدنصیب ہوں کہ میں یہاں آکر پھنس گیا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''کیا تم مجھے یہاں سے نکال سکتی ہو؟''

''میں تمہیں یہاں سے نکال تو نہیں سکتی ہوں، لیکن خطرات سے آگاہ کر سکتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''لیکن تمہیں میری ایک شرط پوری کرنی ہوگی، یہ شرط بہت آسان ہے، اسے پوری کرنا تمہارے بس میں ہے۔''

''کیا شرط ہے وہ......؟'' میرا دل ایک انجانے خوف اور احساس سے دھڑک اٹھا۔ یہ ساحرہ تھی۔ اس نے میرے دل کا حال پڑھ لیا تھا، اور اس نے تردید کر دی تھی کہ وہ کسی جادو منتر سے حسین اور نوجوان نہیں ہوئی۔

''تم دو راتیں میرے مہمان رہو گے، راز داری کے ساتھ۔'' وہ کہنے لگی۔

''میں یہ چاہتی ہوں کہ تم میرے سولہویں بچے کے باپ بنو۔ تم دن ڈوبنے کے بعد میرے مکان کے عقبی حصے میں آؤ گے، اور صبح ہونے سے پہلے چلے جاؤ گے۔''

''لیکن یہ خوف اور راز داری کیوں اور کس لئے؟'' میں نے کہا۔

''تم اس بستی کی ایک مقدس ہستی ہو۔ تمہاری زندگی میں ان گنت مرد آئے۔ میرے ایک کے آنے سے ڈر خوف کس بات کا؟ اور پھر اس بستی کے لوگ تمہاری پوجا کرتے ہیں۔''

''دراصل سردار ساون نہیں چاہتا ہے کہ چاندنی کے دعوے دار کے ساتھ میں اور اس بستی کی کوئی لڑکی اور عورت ساتھ رہے۔ اس لئے اس نے اپنے منتر سے بستی کی تمام لڑکیوں اور عورتوں کو ان کے گھروں میں نظر بند کر دیا ہے۔ اس لئے میں راز داری کے لئے کہہ رہی ہوں۔ سردار ساون کو بھنک بھی نہیں پڑے گی۔''

''میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''وہ کیا خطرات ہیں، جس سے تم مجھے آگاہ کرنا چاہتی ہو؟''

''میری بات ذرا غور اور پوری توجہ سے سنو۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس بستی کے سروں پر خون منڈلا رہا ہے۔''

''کیا وہ چاہتے ہیں کہ مجھے قتل کر دیں؟'' میں نے کہا۔

''جب کہ میرا کیا قصور ہے؟ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟''

''جب سے تم اس بستی میں آئے ہو، بہت سے مرد میرے پاس آئے تھے، اور تمہارے قتل کا میرے سامنے عہد کر کے گئے ہیں۔''

''تو کیا میں سردار ساون سے کہہ دوں تاکہ وہ میری جان کی حفاظت کر سکے۔'' میں نے کہا۔

''اس لئے کہ میں اس کی بیٹی کا دعوے دار ہوں۔''

''تم پریشان اور خوف زدہ بالکل نہ ہو۔'' مقدس کرونا نے مجھے دلاسا دیا۔

''وہ خود تمہیں نہیں ماریں گے، لیکن تمہاری جان ہر وقت خطرے میں ہے۔ یہ اس بستی کی روایت ہے کہ مقدس کرونا اجنبیوں کو بے خبری میں مرنے نہیں دیتی ہے، اور نہ مارنے والوں کو روک سکتی ہے۔ تم نے چاندنی پر دعویٰ کر کے بستی والوں کی غیرت کو للکارا ہے۔ وہ تیرے رقیب تو نہیں بن سکتے، لیکن وہ تمہیں اس آسانی سے چاندنی پر غالب آنے نہیں دیں گے۔''

''مگر میرا قصور مقدس کرونا؟'' میں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر سابقہ سوال دہرایا۔

"چاندنی اس بستی کے مردوں کی ٹھکرائی ہوئی ہے۔ اس کی بدنصیبی جب اس نے بارہ برس کی عمر کی دہلیز پر قدم رکھا، اسے ایک پہاڑی ریچھ اٹھا کر لے گیا تھا۔ ریچھ کو عورتوں سے بڑی رغبت ہوتی ہے۔ پھر وہ ایک روز پہاڑی غاروں میں بڑی ابتر حالت میں ملی تھی۔ سات مہینے کے بعد اس ریچھ کے نطفے سے چاندنی نے ایک مردہ حیوان عجوبے کو جنم دیا۔ اس لئے اب اس بستی کا کوئی مرد اسے اپنانا نہیں چاہتا ہے۔"

"جب وہ ریچھ چاندنی کو اٹھا کر لے گیا تھا، تب کیا اسے تلاش نہیں کیا گیا تھا؟" میں نے دریافت کیا۔

"جب چاندنی اچانک بستی سے غائب ہوگئی، تو یہ سمجھا گیا تھا کہ وہ کسی لڑکے یا مرد کے ساتھ وقت گزارنے چلی گئی۔ لیکن اس کا اس طرح غائب ہونا معمہ بن گیا تھا۔ کیوں کہ مرد اور عورت کے تعلقات پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ ایک روز اس کا باپ اس کی تلاش میں پہاڑوں پر گیا، تو چاندنی بے ہوشی کی حالت میں ملی تھی۔ چار دن بعد، چاندنی نے ہوش میں آ کر سارا قصہ سنایا۔ سردار نے اس ریچھ کو تلاش کر کے اس کے ٹکڑے کر دیئے۔

سردار ساون کے لئے ایک تذلیل ہے، کھلی ہوئی بے عزتی، اگر تم آ کر اس کے دعوے دار نہ بنتے تو سردار کو اپنی سرداری سے ہاتھ دھونا پڑتا، اور ایک عام آدمی کی طرح اسے زندگی بسر کرنی پڑتی، لیکن اب وہی مرتے دم تک اس بستی کا سردار رہے گا۔ اسے کوئی اس مقام سے ہٹا نہیں سکتا۔ تم نے اس پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔"

"حیرت کی بات ہے کہ بستی کا کوئی شخص آگے نہیں بڑھ رہا ہے کہ چاندنی کو اپنا لے۔" میں نے کہا۔

"اب کوئی دعوے دار پیدا ہو گیا ہے، تو اسے قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ آخر کیوں؟ کیا تم وضاحت کر سکتی ہو؟"

"ہاں یہ عجیب سی بات ہے کہ بستی والے نہ تو خود چاندنی کو اپنانا چاہتے ہیں، اور نہ انہیں گوارا ہے کہ کوئی اجنبی سردار کی بیٹی پر دعویٰ کر کے ان کی مردانگی کو چیلنج کرے۔ شاید اس طرح وہ سردار اور چاندنی کو دکھ اور اذیت پہنچانا چاہتے ہیں۔" مقدس کرونا ایک ہی سانس میں بول اٹھی۔

ایک سناٹا سا چھا گیا۔ میرے دل میں آیا کہ مقدس کرونا کو بتاؤں کہ میرے اور میرے

ساتھیوں کے ساتھ کیا ہوا؟ ہم خزانے کی تلاش میں نکلے تھے۔ راستے میں سردار کا ساتھی شوالا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ادھر آیا۔ میں اور میرا دوست اس کے جال میں پھنس گئے۔ باقی چار ساتھیوں کو جانے دے دیا گیا۔ اس لئے کہ اسے صرف دو دعوے دار کی ضرورت تھی۔ پھر غار میں لا کر قید کر دیا گیا۔ میں غار سے کسی نہ کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں سردار کے سدھائے خچر پر سوار ہوا تو اس نے یہاں پہنچا دیا۔ سردار نے غار میں تاکید کی، اور دھمکی دی کہ اس کے منصوبے کے بارے میں کسی کو بھنک نہ پڑے۔

مجھے اپنی مظلومیت کی کہانی سنانے کی نوبت نہیں آ سکی، کیوں کہ اس وقت ایک گمنام تیر سنسناتا ہوا میرے قدموں کے بالکل قریب ہی زمین میں پیوست ہو گیا۔ میں ایک دم سے اچھل پڑا۔

"ایسے تیر ہر وقت تمہارے تعاقب میں رہیں گے اجنبی۔" مقدس کرونا نے پر یقین لہجے میں کہا۔ تو میں اسے دہشت زدہ نظروں سے گھورنے لگا۔ اس کے چہرے پر ایک چمک سی ابھری۔ "تم ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہنا۔"

مجھے یقین ہو گیا کہ یہ تیر سردار ساون کے کسی نمک خوار نے چلایا تھا۔ محض یہ بات یاد دلانے کے لئے میں نے بستی میں کسی کو بھی یہ بتانے کی کوشش کی کہ مجھے چاندنی کا دعوے دار بنانے کے لئے سردار ساون نے مجبور کیا تھا۔ مجھ پر اس مقصد کے لئے زبردستی کی گئی ہے۔ اگر یہ راز افشا ہوا تو مجھے موت کی نیند سلا دیا جائے گا۔

"تیرا شکریہ مقدس کرونا کہ تو نے مجھے بہت بڑے خطرے سے آگاہ کیا۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اچھا...... اب میں جا رہی ہوں۔ تو میری باتیں یاد رکھنا۔ اسے بھولنا نہیں۔" مقدس کرونا نے کہا۔

یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ میں رات کے وقت اس کے مکان میں آ کر اس کا مہمان رہوں۔ یہ بات نہیں بھولوں۔"

مقدس کرونا کی باتوں کی روشنی میں پگوڈا میرے لئے مقبرہ ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لئے میں نے جلد از جلد یہاں سے نکل کر کھلی فضا میں آنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں ابھی باہر جانے کے لئے سوچ رہا تھا، کہ مقدس کرونا نے اپنے بھیڑیے کو اشارہ کیا تو وہ ایک دروازے سے گزر

کر اندر کی طرف روپوش ہو گیا۔ لیکن مجھے اس بات کا یقین تھا کہ سردار ساون کے وفادار مجھے بے بسی کے عالم میں مرنے نہیں دیں گے۔ اس لئے کہ میں سردار ساون کی عزت ہوں' اور اس کی بیٹی کا دعوے دار۔ چوں کہ ان حالات میں کھلی فضا ہی میرے لئے بہتر تھی، اور زیادہ سلامتی کا باعث تھی۔ جہاں میں بہتر طور پر اپنا بچاؤ کر سکتا تھا۔ یہاں دشمن چھپ کر مجھ پر حملہ کر سکتا تھا۔ میرے کچھ دشمن پیدا ہو گئے تھے۔

میں پگوڈا سے نکل کر مقدس کرونا کے تصور میں کھویا بستی کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ اور سنسنی خیز سراپا جس نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔ اس نے مجھے رات کے وقت مدعو کیا تھا۔ بھلا میں ایسی دعوت کو کیسے قبول نہیں کرتا۔ یہ بڑی عجیب سی بستی تھی۔ اس بستی کے لوگ بھی بڑے عجیب تھے۔ سب سے بڑھ کر مقدس کرونا، جو اس عمر میں ایک نوجوان اور حسین دوشیزہ...... میں اس کی عمر، اس کے پندرہ بچوں اور اس کے حسن و شباب میں اتنا کھویا تھا کہ مجھے کتے کے تعاقب کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ میں اس وقت چونکا' جب تیز سانسوں کی آواز اور پھر ایک غراہٹ سنائی دی تھی۔ میں نے فوراً ہی مڑ کے دیکھا' تو ایک دیوہیکل خوں خوار شکاری کتا پھر وغیرہ کی قید سے آزاد ہانپتا ہوا تیزی سے میری طرف آ رہا تھا۔

میں اس سے قبل کہ اس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر کرتا اور سوچتا، کتے نے غرا کر مجھ پر جست لگائی' اور سیدھا میرے سینے پر چڑھ آیا۔ میں بدحواسی کے عالم میں چیختا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا،' اور عین اس وقت میرے عقاب نے چیخ مار کر کتے کے منہ پر حملہ کر دیا۔ یہ مصیبت کتے کے لئے اچانک اور غیر متوقع تھی۔ وہ پل بھر کے لئے مجھے چھوڑ کر غصے سے بھونکتا ہوا پیچھے ہٹا، تو میں پھرتی کے ساتھ زمین سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس دوران میں وہ خونی عقاب فضا میں ایک چکر کاٹ کر دوبارہ اس کتے پر ٹوٹ پڑا، اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے اپنی چونچ اور پنجوں سے کتے کی ایک آنکھ نوچ ڈالی اور فضا کتے کی تیز غراہٹوں سے گونج گئی۔

میں ایک طرف کھڑا ہوا اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا، ادھر وہ عقاب پہلو بدل بدل کر اس خوفناک کتے کا بدن اور چہرہ ادھیڑتا رہا۔ معاً کسی سمت سے ایک سنسناتا ہوا تیر آیا' اور کتے کا جسم چھیدتا ہوا آر پار نکل گیا۔ کتے کے حلق سے ایک آخری کرب ناک چیخ نکلی، اور وہ بے جان ہو کر نیچے گر گیا۔

سردار ساون کے دیئے ہوئے عقاب نے فضا میں ایک لمبا چکر لگایا، اور دوبارہ میرے شانے پر آ کر بیٹھ گیا۔

اس وقت پہلی بار میرے دل میں عقاب کے لئے محبت کے جذبات پیدا ہوئے۔ یقین نہ آیا کہ عقاب بھی اس قدر وفادار اور جانثار ہوتا ہے۔ بہترین محافظ بھی۔ اور میں اس کی ہمراہی میں تقویت کے ساتھ دوبارہ بستی کی طرف بڑھنے لگا۔

مجھ پر پہلا قاتلانہ حملہ ناکام ہو چکا تھا، اور یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ وفادار عقاب کے علاوہ سردار ساون کا کوئی شخص میری نظروں سے پوشیدہ رہ کر میری حفاظت کر رہا ہے، مگر ان جانے خطرات اپنی جگہ پر موجود تھے۔ میں غفلت برتنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے یہ بہت ضروری تھا کہ میں جتنا محتاط اور ہشیار رہ سکتا ہوں، رہوں۔

جب دن ڈوب کر شام کا اندھیرا پھیلنے اور گہرا ہونے لگا تو مجھے شب بسری کی فکر ہوئی۔ مقدس کرونا نے مجھے بلایا تھا، لیکن میرا اس کے ہاں جانا اس لئے مشکل تھا کہ ایک تو عقاب ساتھ تھا، اور دوسرا کوئی نادیدہ محافظ بھی تھا۔ اس لئے میں بستی سے ملحق ایک کھلے میدان میں وہاں جا بیٹھا' جہاں نرم نرم گھاس تھی۔ جہاں سے میں ہر طرف نظر رکھ سکتا تھا۔

مجھے مقدس کرونا کے الفاظ یاد تھے کہ بستی والے خود تو مجھے نہیں ماریں گے، مگر میری جان ہر وقت خطرے میں رہے گی۔ اس کا مطلب یہی نکلتا تھا کہ بستی کے لوگ چاندنی کے امیدوار سے براہ راست تو نہیں الجھیں گے، مگر وہ کسی اور ذریعے سے مجھے ختم کرنے کی کوشش کریں گے، اور اس کا مجھے تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔

مقدس کرونا کے ہاں کیسے جاؤں؟ میں ایک عجیب مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ نہ جاؤں تو مقدس کرونا ناراض ہو جاتی تھی۔ وہ سولہویں بچے کی ماں بننے کے لئے مجھ پر مہربان ہونا چاہتی تھی۔ کوئی ضروری نہیں تھا کہ میرے بچوں کی ماں بن جائے۔ اس کے حسن کی حشر سامانیاں مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ اس نے جو حسن و شباب، سراپا اور نوجوانی اور دوشیزگی پائی تھی، وہ بے مثال تھی۔ اس نے مجھ پر قیامت ڈھا دی تھی۔

دوسری طرف اس نے رازداری کے لئے بھی کہا تھا، جو میرے لئے مشکل تھی۔ وہ بے زبان پرندہ صبح سے ہی بھوکا پیاسا تھا۔ میرے ساتھ تھا اور رات کے اندھیرے میں بار بار چونک کر اطراف میں دیکھتا تھا کہ کوئی نادیدہ دشمن کسی سمت سے حملہ کرنے تو نہیں آ رہا ہے۔

وہ ایک مستعد سپاہی کی طرح جائزہ لے رہا تھا، جیسے محاذ پر لیا جاتا ہے، اور پھر ایک نادیدہ محافظ بھی میری نگرانی اور حفاظت کے لئے سردار ساون نے مقرر کر رکھا تھا۔ شاید اس خیال سے بھی کہ میں فرار نہ ہو جاؤں۔ وہ پوشیدہ جگہ سے میری نگرانی کر رہا تھا۔ ایسی صورت حال میں، میں مقدس کرونا کے پاس کیسے جا سکتا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ان باتوں کا مقدس کرونا نے سوچا ہوگا۔ اسے میری مجبوری اور افشاء راز کا احساس ہوگا، تو پھر وہ میرا انتظار نہیں کرے گی۔ میں نے دل پر جبر کا پتھر رکھ لیا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔

مجھے یک لخت خیال آیا کہ میں نے مقدس کرونا کے ہاں پھل اور گوشت کھاتے وقت کچھ گوشت اور پھل دو جیبوں میں رکھ لیا تھا۔ اس خیال سے کہ رات کے وقت کھاؤں گا۔ میں بالکل بھول گیا تھا۔ میری جیب میں پھل اور گوشت ہے۔ میں نے ایک جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے پھل نکل آیا، جو آدھا کلو کے قریب تھا۔ وہ میں نے عقاب کی طرف بڑھا دیا۔ وہ پھل لے کر مجھے دیکھتا رہا، جیسے پوچھ رہا ہو تم کیا کھاؤ گے؟ جب میں نے جیب سے گوشت کا ٹکڑا نکالا اور کھانے لگا، تو اس نے بھی پھل کھانا شروع کر دیا۔

میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ مجھے یہ پہلی رات سخت بے چینی اور بے آرامی سے گزارنی ہوگی۔ گو کہ سردار ساون کے عقاب کی وجہ سے میرا حوصلہ خاصا بلند تھا، مجھے رات جاگ کر گزارنی ہوگی' اور میں کسی لمحے پلک جھپکا نہیں سکتا۔ یہ کیفیت مجھ پر طاری رہی۔

تھوڑی دیر بعد اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ عقاب گہری نیند سو گیا ہے۔ پھر مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ نیند کی آغوش میں نہ جاؤں، لیکن اس کا غلبہ ایسا تھا کہ میری ہر کوشش بے سود ہو گئی۔ میں نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک لمبی چوڑی اور شان دار قسم کی مسہری کے نرم و گداز بستر پر لیٹا ہوا ہوں۔ کمرے میں بہت ساری اور بڑی بڑی مومی شمعیں جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی اس قدر تیز تھی کہ دن کے اجالے کا دھوکا ہوتا تھا۔ ہر چیز صاف اور واضح تھی۔

پھر میں نے مقدس کرونا کو دیکھا، جو مسکراتی اور مہکتی کھڑی مجھے خود سپردگی کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ رات میں عورت اور حسین ہو جاتی ہے۔ وہ کسی رانی کی طرح لگ رہی

تھی۔ وہ میز کے پاس کھڑی تھی۔ اس میز پر طرح طرح کے پھل اور کھانا چنا ہوا تھا۔ کھانے میں ہرن اور پرندوں کا بھونا ہوا گوشت تھا۔ اس کے علاوہ شراب سے بھرے دو بڑے بڑے گلاس تھے۔

میں ایک دم سے ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ میں حیران تھا کہ میں یہاں کیسے اور کیوں کر آیا۔ مقدس کرونا کی طرف دیکھنے لگا۔

"خوش آمدید اجنبی!"

اس نے مجھے اپنی نظروں میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

"تم حیران نہ ہو۔ تمہیں یہاں میری تابع قوت لے کر آئی ہے تاکہ میں تمہارے ساتھ سہاگ رات منا سکوں۔ تم بہت بھوکے ہو، پہلے طعام کر لو، پھر ہم جشن منائیں گے۔"

+++

جب میں بیدار ہوا تو پو پھٹ رہی تھی۔ میں بستر پر نہیں گھاس پر لیٹا ہوا تھا۔ عقاب، جو گہری نیند سو رہا تھا' وہ تھوڑی دیر بعد بیدار ہو گیا۔ میرے ذہن پر پرانی شراب کا خمار چھایا ہوا تھا۔ رات کے واقعات میری نظروں کے سامنے فلم کے مناظر کی طرح گھومنے لگے۔ کیا میں نے رات کوئی حسین اور رنگین سپنا دیکھا تھا؟ کیا وہ واقعی سپنا تھا؟ کیا سپنے ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے؟

اگر میرے پاس پھل اور گوشت کے پارچے نہ پڑے ہوتے، تو میں اسے خواب ہی سمجھتا۔ میں رات واقعی مقدس کرونا کا مہمان رہا تھا۔ رات جو گزری تھی' وہ بڑی حسین اور یادگار تھی۔ ایسی رات میری زندگی میں پہلی بار آئی تھی۔

جب سورج طلوع ہو رہا تھا' میں نے اور عقاب نے پھل اور گوشت کھائے۔ عقاب حیران تھا کہ یہ کہاں سے آئے؟ وہ بے زبان نہ ہوتا تو سوال کرتا، لیکن اس کی آنکھوں میں حیرت اور سوال تھے۔ میں نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

''دوست یہ کہاں سے آئے اور کون لایا؟ یہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ آم کھانے سے مطلب ہونا چاہئے۔''

میں اور عقاب اس کھانے سے سیر ہو گئے تھے۔ جب دن چڑھ آیا، تو میں صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے بستی میں داخل ہو گیا۔ وہ عقاب بدستور میرے کندھے پر سوار تھا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ بستی کے لوگوں میں میرے لئے کیا جذبات ہیں۔ بستی میں سخت اشتعال اور جوش و خروش پھیلا ہوا تھا۔ وہ سب مجھے نفرت اور حقارت بھری نظروں سے گھور رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان کا بس چلے تو وہ مجھے نیزوں سے چھلنی کر کے میرا خون پی جائیں، پھر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دیں۔

لیکن میں ان میں سے کسی سے بات کرنے اور اس نفرت کا سبب دریافت کرنے کی ہمت نہ کر سکا تھا۔ جب میں نے ایک سے پوچھنا چاہا، تو وہ نفرت سے منہ پھیر کر چل دیا۔ میں حیران تھا کہ آج ان لوگوں کو کیا ہو گیا؟ کل تک تو میں نے ان میں ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی تھی۔ وہ مجھ سے ہمدردی کے جذبات رکھتے تھے۔ ان کے خیال میں میرے ساتھ دھوکا ہوا تھا۔

جب میں نے ایک بارہ برس کے لڑکے سے بات کی، اور اس سے پوچھا، تو اس اشتعال کا سبب واضح ہو گیا تھا۔

''پچھلی رات ایک اور اجنبی بستی میں داخل ہوا ہے، اور اس نے بھی سردار ساون کی بیٹی چاندنی پر اپنا حق جتلایا ہے۔'' وہ بتانے لگا۔

''اس نے ساری بستی کے لوگوں سے کہا کہ کوئی سورما ہے تو اس سے مقابلہ کرے۔''

یہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ آنے والا شنکر داس ہی ہے۔ اب اس کا اور میرا مقابلہ ناگزیر ہو چکا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے یہ فکر لاحق ہو گئی کہ میں پہاڑی غار سے اسے کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ کر فرار ہونے کا کیا جواز پیش کروں گا؟ کافی دیر تک سوچ بچار کرنے کے بعد میں نے شنکر سے ملنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ وحشی قبائلیوں کی اس بستی میں ہم دونوں کا وجود ایک دوسرے کے لئے بڑا سہارا تھا، اور مجھے اس بات کی قوی امید تھی کہ شنکر میرے فرار کی کوئی بھی معقول تاویل قبول کر لے گا۔

اب اسے تلاش کرنا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں ہو گا؟ تلاش کرنے پر وہ دوپہر کے قریب نظر آ گیا۔ میری توقع کے برعکس اس نے مجھے بڑی محبت اور گرم جوشی سے میرا استقبال کیا۔

''یار اجیت!...... کیسے ہو؟''

''مجھے پہلے ہی شبہ تھا میرے دوست!'' وہ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''شوالا بہت مکار اور ذلیل قسم کا شخص ہے۔ اس کی نظروں سے بچ نکلنا' اور اسے زک دینا بڑا مشکل کام ہے۔ تم نے واقعی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔''

میں حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا۔ اس لئے کہ اس کے لہجے سے نفرت کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"شوالا نے مجھے خود ہی بتایا تھا کہ...... اس نے تمہیں فرار ہوتے ہوئے دیکھا تھا' اور پھر اس نے تمہیں بے بس کر کے ایک خچر پر سوار کروایا اور پھر تمہیں بستی کی طرف روانہ کر دیا۔ اس نے بڑے دعوے سے یہ بات کہی تھی' کہ خچران کے سدھائے ہوئے ہیں۔ تمہیں وہ بستی پہنچائیں گے۔ تم بستی کے علاوہ کہیں اور جا بھی نہیں سکتے۔ اس نے یہ بات غلط نہیں کہی' اور میں یہ کہتا ہوں کہ ان درندوں کو جانور سدھانے میں بڑا ملکہ حاصل ہے۔ اس لئے یہ خوں خوار شکاری کتے ان کے محافظ ہیں۔ ان کے عقابوں کو دیکھو وہ ان کے لئے دور دراز سے شکار لاتے ہیں' اور وہ خچر بھگوان کی سوگند اجیت! وہ شاید بدروحیں ہیں۔ میں نے دو تین مرتبہ راستہ بدلنا چاہا' مگر میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میں نے جبر و زبردستی کی اور تشدد کیا' تو اس نے وہ اچھل کود شروع کی کہ خوفناک راستوں پر جان کے لالے پڑ گئے۔ پھر میں نے ان کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس لئے کہ میں کوئی اور کوشش کرتا' تو وہ شاید مجھے کسی خوفناک کھائی میں گرا دیتا۔"

"تمہارا پتھر کیسے کھلا؟" میں نے سانس لیتے ہوئے موضوع بدلا۔

"میرے جانے کے کتنی دیر بعد تم نے پتھر کھول لیا؟"

"پتھر میں نے نہیں' بلکہ شوالا نے کھولا' اور اس نے خود ہی مجھے خچر پر سوار کرایا۔" وہ بے خیالی میں اپنی کمر ٹٹولتے ہوئے بولا۔

"شاید اب ہمیں ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھانے ہی پڑیں گے۔" میں نے رازدارانہ لہجے میں اس کے قریب ہو کر سوال کیا۔

"تمہیں معاہدہ یاد ہے نا جو سردار نے کیا تھا۔ اور اس پر عمل کرنا اشد ضروری بھی ہے۔"

"ہماری عافیت اس میں ہے کہ مقابلہ فیصلہ کن نہ ہو۔" شنکر نے بڑی فکر مندی سے کہا۔

"آخر وہ ہمیں کتنے دنوں تک لڑائے گا؟ آخر ایک نہ ایک دن تو ہمیں سچ مچ کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ سردار یا شوالا ہرگز بے وقوف نہیں ہیں۔ یہ مت کہو کہ وہ جنگلی ہیں' اور ان کی کھوپڑی میں بھس بھرا ہوا ہے۔ وہ مہذب دنیا کے لوگوں سے کہیں ذہین ہیں۔"

"ہاں...... یہ بات تو ہے۔" میں نے تائیدی لہجے میں کہا۔

"ہمیں کوئی نہ کوئی ایسی تدبیر سوچنا ہوگی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

ہم دونوں ہی بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ اس سے نجات پانے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے۔"

"ان وحشیوں کی روایات بھی بڑی عجیب و غریب اور ناقابل فہم ہیں۔" شنکر کہنے لگا۔

"ایک تو یہاں مرد اور عورت کو، چاہے وہ شادی شدہ ہی کیوں نہ ہوں انہیں یہ آزادی اور اجازت ہے کہ ایک دوسرے سے تعلقات رکھیں' لیکن دوسری طرف اگر ایک لڑکی کے دو امیدوار ہوں تو انہیں اس لڑکی کو اپنی ملکیت بنانے کے لئے آپس میں جان توڑ مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ رقیبوں کی جنگ بڑی ہولناک ہوتی ہے۔ اس کوشش میں وہ یا تو فاتح بن کر لڑکی کو جیت لیتے ہیں' یا پھر اپنے رقیب کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔

یہاں یہ بات کسی کو یاد نہیں کہ کوئی امیدوار بازی ہار کر زندہ رہا ہو۔ ویسے ان کا دستور ہے کہ مقابلہ ہار کر زندہ رہنے والے بزدل کی سزا کے طور پر سردار انہیں مرضی سے بستی کی ان لڑکیوں میں کسی کی ذمہ داری سونپ دیتا ہے' جن کی عمر اٹھارہ برس کی ہوتی ہے' جس کا کوئی امیدوار نہیں ہوتا ہے۔ وہ لڑکی نہ صرف بدصورت اور بے کشش ہوتی ہے' اس طرح اس لڑکی کی قسمت کھل جاتی ہے۔ اسے یہ لڑکی ہر صورت میں قبول کرنا پڑتی ہے' ورنہ اسے موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔"

"تم نے صرف چند گھنٹوں میں کافی باتیں معلوم کر لی ہیں۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"حالانکہ میں یہاں کل صبح سے موجود ہوں' لیکن یہ باتیں مجھے معلوم نہ ہو سکیں۔ شاید اس لئے کہ میں نے معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔"

"مجھے یہ تمام باتیں اس لئے معلوم ہوئیں کہ تمہارے فرار کی ناکام کوشش کے بعد شوالا سارا وقت غار میں مجھ سے باتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے ہر پہلو اور ہر موضوع پر بات کی' پھر اس نے لڑکیوں کے بارے میں بھی بتایا کہ یہاں کی لڑکیاں اپنی خوب صورتی کا اندازہ صرف اس بات سے لگاتی ہیں کہ بستی میں ان کے کتنے پروانے موجود ہیں۔"

"مجھے تو حیرت ہے کہ ان کی نسل کیسے جاری ہے۔ مرد تو اس طرح آپس میں مقابلہ کر کے مارے جاتے ہیں۔ عورتیں بوڑھی ہو کر مر جانے کے لئے زندہ رہتی ہیں۔ اس لئے تو یہاں عورتوں کا تناسب بہت زیادہ ہے۔"

"نہیں......" شنکر نے پُر زور لہجے میں کہا۔

"اصل بات کیا ہے میں تمہیں بتاتا ہوں۔ یہ بات تو درست ہے کہ عورتوں کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ لیکن یہاں عورتوں کے معاملات مختلف ہیں۔ جب تک لڑکی کی عمر تیرہ برس تک نہیں پہنچتی، اس وقت تک اس پر کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا' کیوں کہ یہاں لڑکی تیرہ برس کی عمر میں سیانی ہو جاتی ہے' لیکن گیارہ برس کی عمر سے اس کی جسمانی نشوونما ہونے لگتی ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں اس کی اٹھان ایک بھرپور عورت کی سی ہو جاتی ہے۔ اس میں ایسی دلکشی' کشش اور جاذبیت پیدا ہو جاتی ہے' اس کی صحت اور حسن قابلِ رشک ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کے سیانی ہوتے ہی اس کے دعوے دار پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اس لڑکی کے سیانی ہوتے ہی اس کے گھر والے اپنے گھر کی چھت پر ایک سبز پرچم لہرا دیتے ہیں' جو دس دنوں تک لہراتا رہتا ہے۔

پہلا رقیب صرف تین دن تک اپنے کسی رقیب کے چیلنج کا انتظار کرتا ہے۔ اگر وہ بلا مقابلہ کامیاب ہو جاتا ہے تو تیسری شام گندم کی خشک بالیں لے کر لڑکی کے گھر پہنچتا ہے' اور ایک خاص رسم کے بعد لڑکی کو لبادوں میں چھپا کر اپنے گھر لے آتا ہے۔ اگر کوئی رقیب پیدا ہو جائے' تو پوری بستی کے مردوں کے سامنے مقابلہ ہوتا ہے۔ اور یہ معرکہ لڑکی کے گھر کے سامنے ہی ہوتا ہے۔ جو ہار جاتا ہے، وہ موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے' بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو زخمی ہو جاتے ہیں یا اپنی ہار مان لیتے ہیں' لیکن اس کی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ وہ ہار جائے۔ یہ اس کے لئے تذلیل اور تضحیک ہوتی ہے۔ وہ موت کی پروا کئے بغیر لڑتا رہتا ہے۔ جب وہ موت کے منہ میں چلا جاتا ہے تو خوں خوار شکاری کتے اسے چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں' اور لڑکی کے والدین اسے سخت پردے میں لا کر فاتح کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔

جس لڑکی کا اٹھارہ برس تک کوئی امیدوار نہ ہو' وہ بدنصیب اور منحوس قرار دے دی جاتی ہے۔

وہ مزید دو برس تک کسی ہارے ہوئے امیدوار کے انتظار میں زندہ رکھی جاتی ہے' پھر بیس برس کی عمر پوری ہونے پر پوجا کے تہوار پر ایسی تمام منحوس لڑکیاں بھوکے کتوں اور شکاری عقابوں کے درمیان چھوڑ دی جاتی ہیں۔ جب کوئی اجنبی بستی میں آتا ہے' تو لڑکیوں اور

عورتوں کو سخت پردے میں رہنے کا حکم دیا جاتا ہے' یا پھر سردار جو ایک طرح سے جادوگر ہے' وہ تمام لڑکیوں اور عورتوں کو منتر سے گھر میں نظر بند کر دیتا ہے' کیوں کہ یہ لڑکیاں چاہتی ہیں کہ اجنبی انہیں پسند کر لے۔ آٹھ نو برس کی عمر تک کی لڑکیاں بے پردہ گھر سے نکل سکتی ہیں' اس کے بعد سخت پردے میں چلی جاتی ہیں۔ ان میں تین برس میں تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ نوجوان لڑکے بڑی بوڑھی عورتوں کی زبانی لطف آرائی کی بنیاد پر امیدوار بنتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی عورت جو شادی شدہ ہوتی ہے' انہیں گھر سے نکلنے کی اور ہر بات کی آزادی ہوتی ہے۔ اس لئے بھی کہ وہ شاید کسی مرد سے لڑکا پیدا ہو جائے۔"

شنکر نے جو کچھ بتایا، اسے سن کر میں سر سے پیر تک لرز گیا۔ مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ یقین نہیں آیا تھا کہ بدنصیب لڑکیوں کو درندوں اور خونی پرندوں کا نوالہ بنا دیا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر شقی القلبی کیا ہو سکتی تھی۔ شاید میرا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ اس بات کو شنکر نے محسوس کر لیا تھا۔ خاصی دیر تک میری زبان کھل نہ سکی۔ میں گنگ سا ہو کر رہ گیا تھا۔

شنکر نے، جو مجھے، استہزائیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا' وہ سفاکانہ انداز سے ہنس پڑا۔ اس میں تمسخر بھی تھا۔

"ہم وحشیوں کے شکنجے میں کسے جا چکے ہیں۔ جاؤ کل شام تک اس بستی میں اچھی طرح گھوم پھر لو۔ شاید ایسی کوئی شادی شدہ عورت بستی کے کسی ویرانے میں مل جائے' جو لڑکیوں کی ماں ہو۔ اسے لڑکے کی خواہش ہو۔ وہ تم پر مہربان ہو جائے۔ اب ہمیں سردار' شوالا اور بستی والوں کو دکھانے کے لئے دشمن بنے رہنا ہے۔ شوالا نے مجھے بتایا کہ سردار ساون دنیا کا ذہین ترین شخص ہے۔ کہیں اسے ہم پر کسی سازش کا شبہ نہ ہو جائے' اور کوئی نادیدہ تیر ہمارے سینے چھید نہ دے۔ اس لئے بہتر ہے کہ اب ہم ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔"

میں نے اس کی بات کا جواب نہ دیا۔ ساکت سا اپنی جگہ کھڑا رہا۔ شنکر بے پروائی کے انداز سے مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"سنو!......" اچانک مجھے ایک خیال آیا' تو میں نے اسے آواز دی۔ وہ فوراً ہی رک کر میری طرف گھوم گیا۔

"کیا سردار ساون نے تمہیں چاندنی کی امیدواری کی کوئی نشانی وغیرہ نہیں دی؟" میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ اپنا سب سے بہترین تربیت یافتہ عقاب تمہیں دے چکا تھا' اس لئے اس نے مجھے پتھریلی مالا دی ہے۔" شنکر نے اپنے گلے میں پڑے ہوئے ہار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا' جو ابھی تک میری نظروں میں نہ آ سکا تھا۔

پھر وہ مخالف سمت بڑھ گیا' اور میں نے اپنی راہ لے لی۔ میں اسے اس وقت تک دیکھتا رہا' جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ اس نے مجھے بتایا نہیں کہ وہ کہاں رہے گا؟ اس نے اپنا ٹھکانہ کہاں بنایا ہوا ہے؟

مجھ سے کسی نے کہا تھا کہ سردار ساون نے اپنے منتر سے بستی کی لڑکیوں اور عورتوں کو ان کے گھروں میں نظر بند کر دیا ہے' اور میں نے کچھ لڑکیوں کو ان کے گھر میں غشی کی حالت میں دیکھا تھا۔ ان تمام باتوں سے ہٹ کر شنکر کی زبانی ان لوگوں کے رسم و رواج کا علم ہو جانے کے بعد سردار ساون کے انتہائی اقدامات کا جواز اب میری سمجھ میں آیا تھا' اور ان باتوں نے میرے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ سردار ساون نے اپنے کسی نہ کسی آدمی کو یقیناً شنکر کی حفاظت کے لئے مامور کیا ہو گا۔

اس لئے سردار ساون نے اسے اپنے گلے کی پتھریلی مالا' جو دی تھی وہ اس کی حفاظت کے لئے ہی تھی۔ شاید بستی کے تمام خون خوار کتے سردار کی بو سے مانوس تھے۔ ایسی صورت میں شنکر پر حملے کے لئے بھیجا جانے والا ہر کتا اس مالا میں بسی ہوئی سردار کی بو پا کر شنکر کے قدموں میں لوٹنے لگتا۔

سردار ساون نے مجھے حفاظت کے لئے عقاب دیا ہوا تھا۔ اگر یہ تربیت یافتہ عقاب نہ ہوتا' تو وہ کتا مجھے چیر پھاڑ کے کھا چکا ہوتا۔ یہ بستی کے کسی دشمن کی حرکت تھی۔ عقاب کا ہر وقت میرے ساتھ ہونا میرے لئے بہتر تھا۔

رات آئی' اس رات میں وہی ہوا' جو پہلی رات ہوا تھا۔ جب مجھے نیند نے آغوش میں لیا' اور بیدار ہوا تو میں مقدس کرونا کے ہاں تھا۔ اس نے پہلی رات کی طرح میری سیوا ایسی کی تھی' جیسے وہ میری بیوی ہو...... داسی ہو...... وہ مقدس کرونا نہیں صرف ایک عورت تھی۔ ایک عام سی عورت۔ اس نے جس محبت و گرم جوشی اور خود سپردگی کا اظہار کیا تھا' اس نے اس رات کو بھی یادگار اور ناقابل فراموش بنا دیا تھا۔ یہ دوسری رات تھی اور تیسری آخری رات

تھی۔ وہ بھی مقدس کرونا کے ساتھ گزارنی تھی۔ مقدس کرونا نے مجھ سے کہا تھا کہ چاندنی تمہاری زندگی میں آنے کے بعد شاید میں اس صورت میں تمہیں کسی رات اپنا مہمان بناؤں گی۔ میں امید سے نہ ہونے کی صورت میں...... میں خود بھی چاہتا تھا کہ میری راتیں اس کے ساتھ اس وقت بسر ہوتی رہیں' تاوقتیکہ وہ امید سے نہیں ہو جاتی۔ پھر اسے کسی دن اعتماد میں لے کر التجا کروں کہ وہ جو پراسرار قوتوں کی مالک ہے' یا وہ طاقتیں' جو اس کی مالک ہیں ان کی مدد سے مجھے اس بستی سے نکال کر مجھے میرے گھر پہنچا دے۔ میں نے اس سے اس وقت جب ہم دونوں شراب پی رہے تھے' تب میں نے اس سے پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔

"میری جان! میری پیاری مقدس کرونا! یہ بتاؤ کہ آخر مجھے کب تک تمہاری خدمت میں حاضر ہونا پڑے گا؟"

"تم مجھے میری جان! پیاری تو کہہ سکتے ہو اور کبھی' مقدس کرونا نہیں۔ صرف جان دل کرونا کہہ کر اس تنہائی میں مخاطب کرو۔ دنیا والوں اور بستی والوں کے سامنے مجھے مقدس کرونا ادب و احترام سے مخاطب کرنا۔"

"وہ کس لئے؟" میں نے شراب کا گھونٹ لے کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اس لئے کہ میں ایک عورت ہوں' عورت محبت کی اور محبت بھرے الفاظ کی بھوکی ہوتی ہے۔ میری زندگی میں اتنے مرد آئے' جن کی تعداد مجھے یاد نہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی مجھے عورت نہیں کھلونا ہی کہا۔ ایک نے بھی مجھے میری جان نہیں کہا' اور نہ ہی ایک محبت بھرا لفظ کہا۔ بس انہیں میرے حسن و شباب اور بدن کی دلکشی سے دلچسپی رہی۔ تم پہلے مرد ہو جس نے کل کی رات اور آج کی رات مجھے صرف عورت کہا۔ مجھ سے محبت بھری باتیں کیں' اور میرے کانوں میں محبت کا رس انڈیلتے رہے۔ میں نے کبھی ایسے محبت بھرے الفاظ نہیں سنے۔ میں ان سے ناآشنا رہی۔ جب سے نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھا' میری زندگی میں مرد آتے رہے۔ ایک کمی اور خلا سا محسوس ہوتا رہا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی' اور نہ سمجھ سکی تھی کہ یہ کیسی کمی ہے' اور کیسا خلا ہے' جو میں محسوس کرتی ہوں۔ گو مردوں کے قرب سے جذبات کی تسکین ہو جاتی تھی۔ پیاس بجھ جاتی تھی' لیکن میری آتما بے چین' بے قرار اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتی تھی۔ کل رات میں نے محسوس کیا میرا خلا پُر ہو گیا ہے۔ میری کمی دور ہو گئی ہے۔ اس لئے کہ میں محبت کی بھوکی تھی۔ پیار بھرے الفاظ کی۔ تم نے میرا ادھورا پن دور کر

دیا۔ کاش! میں ایسا کر سکتی کہ تمہیں سدا کے لئے اپنے ساتھ رکھ لوں' لیکن میں یہاں کی رسم و رواج کی وجہ سے مجبور ہوں۔ میں ایک اجنبی سے نہ تو محبت کر سکتی ہوں' اور نہ ساتھ رہ سکتی ہوں' اور نہ ہی تعلقات۔ بس اب تم سے خفیہ ملاقاتیں رہیں گی۔ اس وقت تک جب تک میں تمہارے تین بچوں کی ماں نہیں بن جاتی۔ بستی میں کسی کو کبھی یہ معلوم نہ ہو سکے' نہ سردار ساون کو اور نہ شوالا کو' اور نہ ان مردوں کو۔ میں بستی والوں کو بتانے کے لئے کہ ان بچوں کی ماں بنوں گی، جواب ہر سال جنوں گی۔ وہ یہ کہیں گے کہ میں ان میں سے کسی کے بچوں کی ماں ہوں۔ مجھے بستی والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا پڑے گا۔''

میں اس کی جذباتی اور فلسفیانہ باتیں سن کر بڑا حیران ہوا۔ وہ ایک مہذب دنیا کی پڑھی لکھی عورت کی بولی تھی۔

''تم نے یہ جو باتیں کی ہیں وہ بڑی فلسفیانہ ہیں' اور اس کے علاوہ تم نے کبھی تم سے بھی مخاطب کیا' اور تو سے بھی؟'' میں نے کہا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟'' وہ دل کش انداز سے مسکرائی۔ ''تو سے مخاطب کرنے میں خلوص اور محبت جھلکتی ہے۔ ایک اپنائیت سی ہوتی ہے۔ یہ جو میں نے تو سے تمہیں مخاطب کیا یہ میری محبت کا ثبوت ہے۔ بستی کے اور ان لوگوں کو جو راتوں کو آتے ہیں میں انہیں تو سے مخاطب کرتی ہوں اس میں عزت اور محبت نہیں تحقیر ہوتی ہے۔ تو...... میری جان ہے پیارے۔''

''اس میں حیرت کی بات اس لئے ہے کہ ایسی باتیں اور لب و لہجہ شہر کی پڑھی لکھی عورتوں کا ہوتا ہے جبکہ تم......؟''

میں نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ مسکرائی' پھر اس نے اپنا گلاس بھرا، جو خالی ہو گیا تھا' پھر کہنے لگی۔

''تجھے راز کی بات بتا ہی دوں۔ اپنی کہانی سنا دوں۔ میرا باپ ایک جادوگر تھا۔ وہ میسور شہر میں رہتا تھا۔'' مقدس کرونا کہنے لگی۔

''میں گیارہ برس کی عمر میں سیانی ہو گئی تھی۔ میں ایک سکول میں پڑھتی تھی۔ میرا باپ چاہتا تھا کہ میں پڑھ لکھ جاؤں۔ اس زمانے میں لڑکیاں کہاں پڑھتی تھیں۔ بہت کم پڑھتی تھیں۔ وہ دور انگریزوں کا تھا۔ میں انگریز لڑکیوں سے کہیں حسین اور پرکشش تھی۔ انگریز

لڑکیاں ہندوستانی مرد اور عورتوں سے نفرت کرتی تھیں۔ انہیں کالا کہتی تھیں۔ نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھتی تھیں۔ چوں کہ میں سفید چمڑی کی تھی' میرے آگے ان کا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ اس لئے میں ان کی دوست سمجھی جاتی تھی۔ وہ مجھے بیوٹی پرنس کہتی تھیں۔ بیوٹی کوئین...... مجھے اپنی سہیلی بنانے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ سکول اور کلاس میں لڑکے بھی ساتھ پڑھتے تھے۔ وہ میرے آگے پیچھے پالتو کتوں کی طرح گھومتے تھے۔ میں انہیں گھاس نہیں ڈالتی تھی' جس پر انہیں بڑا غصہ آتا' اور ذلت کا احساس ہوتا تھا۔ ان دنوں ہندوستان اور میسور میں بھی انگریزوں کے خلاف ہندوستانی قومیں آزادی اور ان کی غلامی سے نجات پانے کی کوشش اور جدوجہد کر رہی تھیں۔ ان سے صرف نفرت کی نہیں بلکہ اسلحے کی جنگ بھی جاری تھی۔ نفرت روز بروز پروان چڑھ رہی تھی۔

میں جس سکول میں زیر تعلیم تھی اس میں وہ ہندوستانی لڑکیاں اور لڑکے بھی پڑھتے تھے' جو بے حد دولت مند' انگریزوں کے غلام اور پٹھو تھے اور بے غیرت بھی۔ انگریز قوم میں بے حیائی اور بے راہ روی بہت تھی۔ وہ ہندوستانی دولت مندوں کا دل بہلاتی تھیں' اور ان کی بیویاں ترقی' دولت اور خوشنودی کے لئے اپنے آپ کو انگریزوں سے میلا کرتی تھیں۔ یہ سب کتوں سے بھی بدتر تھے۔ اس سکول کی فیس صرف دولت مند ہی ادا کر سکتے تھے۔ میرے باپ کو ایک ایسا منتر آتا تھا' جس نے اسے دولت مند بنا دیا تھا۔ وہ اپنے منتر سے انگریزوں کی رقمیں اڑا لیتا تھا۔ اس طرح سے کہ انہیں محسوس نہیں ہوتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی رقم...... وہ بڑی ہو جاتی تھی۔ جن کی رقم چوری ہوتی تھی' وہ یہ کہتے تھے کہ شاید انہوں نے کہیں خرچ کر ڈالی ہے۔

سکول اور کالج میں ہی انگریز لڑکیوں میں بڑی بے راہ روی دیکھی۔ بہت ساری لڑکیاں کلی سے پھول بن چکی تھیں۔ وہ یہ بات بڑے فخر سے بتاتی تھیں' کہ اس کے دوست لڑکے بہت زیادہ ہیں۔ کالج میں بہت سارے نوجوان لڑکے میرے قرب اور دوستی کے خواہاں تھے۔ مگر میں نے انہیں کبھی گھاس نہیں ڈالی۔ وہ چاہتے تھے کہ میں کسی پکے آم کی طرح ان کی جھولی میں گر جاؤں۔ یہ انگریز لڑکے بہت خوبصورت تھے۔ میرے من کو بھاتے تھے۔ چوں کہ میرا باپ اور میں بھی ان سے شدید نفرت کرتے تھے' اس لئے اس نفرت نے مجھے ان سے دور رکھا تھا۔ ایک روز ایک انگریز لڑکی، جو میری ہم جماعت تھی' اس نے اپنی

تیرہویں سالگرہ پر مجھے اپنی کوٹھی میں مدعو کیا۔ اس پارٹی میں بہت سارے لڑکے بھی شریک تھے۔ اس لڑکی کے والدین دہلی شہر کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ اس لئے شراب کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ کیک کے کاٹنے کے بعد کھانا ہوا' رقص اور شراب کا دور چلا' پھر کچھ لڑکے اور لڑکیاں کمروں اور باغ میں چلے گئے۔ ایک لڑکے نے مجھ سے کہا کہ میں شراب پیوں اور رقص کروں۔ میں نے انکار کیا۔ اس نے مجھے زبردستی لے جانے کی کوشش کی' میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ اس نے نفرت اور غصے سے کہا کہ تو نہیں جانتی کہ میں کون ہوں؟ میرا باپ جرنیل ہے۔ تو نے مجھ پر نہیں بلکہ فوج اور پوری انگریز قوم کے منہ پر تھوکا ہے۔ میں تجھے اس کی سزا دوں گا۔

پھر وہ اور اس کے دوست مجھے اٹھا کر کوٹھی کے ایک کمرے میں لے گئے۔ بارہ لڑکے موجود تھے۔ رات بڑی اذیت ناک اور ذلت آمیز گزری۔ جب میں گھر پہنچی تھی' گھر پر میرا باپ تھا۔ میری ماں تو اس وقت مرگئی تھی' جب میں سات برس کی تھی۔ میں نے باپ کو آہوں اور سسکیوں میں سارا واقعہ سنایا۔ دوسرے دن وہ بارہ کے بارہ لڑکے اپنے گھروں میں مردہ حالت میں پائے گئے' جنہوں نے مجھے تباہ و برباد کیا۔ انہیں ایک زہریلی ناگن نے ڈسا تھا۔ میرے باپ نے اپنے منتر سے ناگن سے ڈسوایا تھا۔

ان کی موت نے انگریزوں اور فوجیوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پھر میرا باپ مجھے اس بستی میں لے آیا۔ اس نے مجھے پراسرار قوتوں کے زیر اثر کر دیا' اور مجھ سے کہا کہ یہ قوتیں نہ صرف میری زیر اثر رہیں گی' بلکہ میری حفاظت بھی کرتی رہیں گی۔ میں ان سے مخصوص کام لے سکتی ہوں' اور پھر اس نے مجھ پر ایک منتر پڑھ کر پھونکا اور کہا کہ...... تو سدا بہار رہے گی۔ تیرا حسن و شباب' جوانی اور بدن بھی' تیری عمر ایک سو دس برس کی ہوگی۔ تو تیس بچے تک جن سکتی ہے۔

میرے باپ کو تین مہینے کے بعد ایک ناگ نے ڈس لیا۔ میں نے نو ماہ کے بعد ایک لڑکے کو جنم دیا۔ میں نے اس کا گلا گھونٹ کر مار کر یہ کہہ دیا کہ وہ طبعی موت مرا ہے۔ میں نے اس لڑکے کو اس لئے ختم کیا تھا کہ وہ اس اذیتناک رات کی نشانی تھا۔ انگریز کا خون تھا۔ پھر اس بستی کے ایک موجودہ سردار سے میرے تین لڑکے ہوئے۔ کوئی دس برس بعد بستی میں جشن منایا گیا۔ مجھے مقدس کا خطاب دیا گیا۔ سردار نے مجھ سے کہا تھا کہ اس بستی کو لڑکوں کی

ضرورت ہے۔ ان کا باپ کوئی بھی ہو، اس سے کوئی غرض نہیں' پھر میں نے بستی کے خوب صورت اور وجیہ مردوں سے محبت کی۔ اس بستی کے بہت سارے مرد اس لئے مارے گئے' اور ان کے مرنے کا سلسلہ اس لئے جاری ہے کہ یہاں عجیب وغریب قسم کا رسم و رواج ہے۔ اس کا علم تمہیں ہو گیا ہوگا۔''

گو رات مقدس کرونا کی معیت میں بڑی حسین' پرکیف اور سہانی گزری تھی' لیکن صبح ہوتے ہی میں نے دن سخت تناؤ کی حالت میں گزارا۔ کیوں کہ آئندہ کے حالات غیر یقینی تھے۔ مقدس کرونا نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ چاندنی کے معاملات میں مدد کرنے سے قاصر ہے' کیوں کہ سردار ساون شاید اپنے کسی جادو منتر سے پتا چلا لے' وہ کچھ جادو منتر جانتا ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ اسے اس بستی سے نکال دیا جائے' کیوں کہ اسے یہ عزت اور احترام اور عیش کسی اور بستی میں نہیں مل سکتا۔

مجھے اندیشہ تھا کہ میری اور شنکر کی منصوبہ بندی کے باوجود مقابلہ فیصلہ کن بنا دیا جائے گا' اور پھر سردار کو اس کا شبہ ہوتے ہی اس کے کسی آدمی کی طرف سے چلائے گئے تیر میرے اور شنکر کو موت کی نیند سلا دیں گے۔

تیسرے روز ڈھلتی دوپہر میں کئی سمتوں سے خچر پر سوار قبائلی دھول اڑاتے ہوئے آگئے۔ آتے ہی انہوں نے مجھے حصار میں لے لیا۔ ان کے رنگے ہوئے مضحکہ خیز چہروں پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی' اور ان کی آنکھوں سے سفاکی جھانک رہی تھی۔ جس سے ایسا لگتا تھا کہ وہ مجھے ختم کرنے آئے ہیں۔ شاید انہیں مقدس کرونا کے ہاں میری آمد و رفت کا پتہ چل گیا ہے۔

''سردار ساون کے جھونپڑے کے سامنے ایک نیزہ تیرا منتظر ہے۔'' ان میں سے ایک شخص نے بڑے نفرت بھرے لہجے میں تحکمانہ انداز میں مجھ سے کہا۔

''تو چل یہ سردار ساون کا حکم ہے' جو تجھے سنایا گیا ہے۔''

میں اس وقت ایک خچر کی پشت پر سوار ہو کر ان کے ساتھ ہولیا۔ میں اس حکم کی سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔

سردار ساون کے جھونپڑے کے سامنے ایک بہت بڑے کھلے میدان میں وحشی قبائلیوں کا ایک پرجوش' بلکہ بری طرح بپھرا ہوا ہجوم نقاروں سمیت موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر اس ہجوم میں

سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔

انہوں نے دائرے کی شکل میں ایک مسند کو گھیرا ہوا تھا۔ ہجوم نقاروں سمیت موجود تھا۔ ان میں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔

اس مسند پر شنکر کھڑا ہوا تھا۔ جوں ہی میں ان کے درمیان اس مسند پر چڑھا، نقاروں پر بیک وقت بڑے زور کی چوٹ پڑی' اور پھر ہجوم کے وحشیانہ نعروں سے فضا لرز اٹھی۔

شاید وہ لوگ اپنی روایات سے مجبور ہو کر نقارے پیٹ رہے تھے' اور نعرے بھی لگا رہے تھے' ورنہ ان کے بشروں پر نفرت کی کھلی علامت جو تھی وہ نمایاں تھی' اور ان کی آنکھوں سے حقارت جھانک رہی تھی۔ ان کے چہروں پر نفرت اور درندگی تھی' اس سے صاف ظاہر تھا کہ موقع پاتے ہی ہم دونوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دیں گے۔

وہ ایک طرف اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی اجنبی ان کی بستی کی کسی لڑکی کو ملکیت بنا لے۔ دوسری طرف وہ خود بھی ملکیت بنانے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ عجیب سی بات تھی۔ وہ اس لئے چاندنی کو ملکیت بنانا نہیں چاہتے تھے۔ اس بستی کی سب سے بدصورت تھی' اور اس نے ایک ریچھ کے نطفے سے بچہ جنا تھا۔ یہ ان کے لئے اور اس بدنصیب چاندنی کے لئے حسرت انگیز تھا۔ انہیں اس کی خوشی عزیز نہ تھی۔ وہ اس لئے خاموش تھے کہ چاندنی سردار کی بیٹی ہے' اور پھر سردار دو دعوے داروں کی حفاظت بھی کر رہا تھا۔ انہوں نے مجھے اور شاید شنکر کو بھی نشانہ بنانے کی کوشش کی ہو گی' لیکن ناکام رہے۔

وہ ناکامی کا ردعمل تھا' جو ان کے چہروں اور آنکھوں سے عیاں تھا۔ چاندنی جیسی بھی تھی اس کے حصول کے لئے مجھے اور شنکر کو مقابلہ کرنا تھا۔ ہم دونوں میں سے صرف ایک زندہ رہ سکتا تھا۔

اس مسند کے عقب میں سردار ساون...... شوالا کے ساتھ کھڑا ہوا تھا' اور مسند پر چمکیلی نوکوں والے بھالے رکھے تھے۔ انہیں بڑے اہتمام سے سجا کر رکھا ہوا تھا' جیسے یہ کوئی انمول ہوں۔

چوں کہ میں چاندنی کا پہلا دعوے دار تھا' اس لئے مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں ان میں سے کوئی نیزہ اٹھا لوں۔ میں نے ان دونوں نیزوں کا جائزہ لیا۔ دونوں ایک جیسے ہی تھے۔ ان میں ذرا برابر بھی فرق نہیں تھا۔

میں نے ایک نیزہ اٹھایا اور اس کی انی فضا میں اٹھا کر پورے مجمع کا جائزہ لیا' اور وہاں یک بیک گہرا سکوت چھا گیا۔ ایسا لگ رہا تھا اس میدان میں ایک شخص بھی موجود نہیں ہے۔ وہ بالکل خالی پڑا ہوا ہے۔ اگر ایک پتہ بھی کھڑکتا تو اس کی آواز صاف سنائی دے جاتی۔ مجمع میں کوئی سانس بھی نہیں لے رہا تھا۔

مجھے غار میں سردار ساون نے بتا دیا تھا کہ مقابلے کے وقت مجھے مجمع کے سامنے کیا کہنا ہے' اور شنکر کو بھی۔ مجھے وہ الفاظ یاد تھے۔

''تو نے ایک عورت کو اپنی بانہوں میں ملایا اور اس نے تیرے نطفے سے ایک ریچھ والی کو جنم دیا۔'' میں نے سردار ساون سے مخاطب ہو کر اس بستی کی روایت کے مطابق اپنے حق کا کھلا اعلان کیا۔ ''اب بھی اس ریچھ والی کو اپنی آغوش میں لوں گا۔ تو دیکھے گا کہ وہ زندہ سلامت نر بچہ جنے گی۔ یہاں کوئی ایسا ہے جو چاندنی کے حصول کے لئے میرے مقابل آئے؟''

اب شنکر کی باری تھی۔ میرا چیلنج سن کر اس کی آنکھوں میں ایک چمک کوند گئی' اور چہرہ سرخ ہو گیا۔

اس نے جھک کر پھرتی کے ساتھ دوسرا نیزہ اٹھایا' اور اس کی انی کو چوم کر فضا میں بلند کیا' پھر اس نے میرے مقابل کھڑے ہو کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے تحقیر آمیز لہجے میں مخاطب کیا۔

''اجنبی راستوں نے تجھے یہ موقع دیا ہے کہ تو نے میرے بجائے پہلے دعویٰ کیا ہے' مگر تو کان کھول کر سن لے چاندنی میری ہے...... صرف میری ہے...... تو ہشیار ہو جا کہ میں تیرے بدن کو لہو سے نہلا دوں گا۔ تیرے اپنے لہو سے...... پھر میں تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بستی کے خوں خوار شکاری کتوں کو لذیذ غذا فراہم کروں گا۔ انسان کا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے' جسے جانور بڑی رغبت سے کھاتے ہیں۔''

شنکر کے وحشیانہ فقرے شاید بستی والوں کو بہت پسند آئے تھے۔ شنکر نے فلم کے انداز سے مکالمے کہے تھے۔ یہ انداز بستی والوں کے لئے نیا' انوکھا اور دلچسپ تھا۔ انہوں نے یہ انداز اور مکالمے سنے ہوں گے' وہ سنتے ہی رہ گئے تھے۔

جب شنکر داس نے اپنی بات ختم کی تو انہوں نے نقاروں کی چوٹ پر کھل کر اور اچھل

اچھل کر بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔ میرے لئے شنکر کا یہ انداز غیر متوقع تھا۔ اس نے فضا اور مجمع کو گرما دیا تھا۔ اس نے بستی والوں کے جذبات اور ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان کا دل خوش کر دیا تھا۔ وہ اسے ستائشی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے مجمع کی ہمدردیاں حاصل کر لی تھیں۔ شاید اس لئے کہ مجمع مقابلے کے دوران اس کا حوصلہ بڑھاتا رہے۔

میری چھٹی حس مجھے ایک انجانے خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ شنکر سردار سے مل چکا ہے‘ اور میرے خلاف ساز باز کر چکے ہیں‘ اور شاید مجھے غفلت میں ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنا لیا گیا ہے‘ اور پھر جب میں نے ان دونوں کے چہرے باری باری دیکھے تو میرے شک کو تقویت سی ہوئی۔ میری چھٹی حس نے مجھے جو خبر دی تھی‘ وہ غلط نہ تھی۔

اس وقت سردار ساون اور تخت پر ہم دونوں کے درمیان آ گیا تو نقاروں کا شور موقوف ہو گیا۔

”تم چاندنی کے دعوے دار ہو......؟“ سردار ساون نے کرخت اور اونچی آواز میں پوچھا۔

”ہاں......“ ہم دونوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بیک وقت جواب دیا۔

”مگر اجنبی!“ سردار ساون کا انداز غرانے کا سا تھا۔

”یہ بات سن لو کہ تم میں سے جیتنے والے کی ملکیت ضرور ہو گی‘ لیکن یہ بات یاد رکھو کہ تم اسے بستی سے لے جا نہ سکو گے۔ جیتنے والے کو چاندنی کے ساتھ اس بستی والوں کے ساتھ رہنا ہو گا۔ جینا مرنا ہو گا‘ اور یہاں سے فرار کی سزا موت ہو گی۔ آنے کو تو آ گئے ہو......لیکن اب واپس جانا ناممکن ہے۔“

میں نے قدرے جھکتے اور تذبذب سے مگر شنکر نے بڑی خوشی سے اثبات میں سر ہلا کر اپنی رضامندی ظاہر کی۔

پھر سردار ساون نے شنکر سے اپنی دی ہوئی پتھریلی مالا واپس لی اور اسے لے کر خود پہن لیا۔

ہم دونوں تخت سے اتر کر میدان کے وسط میں آ گئے‘ تا کہ مقابلہ شروع کیا جائے۔ یہ جگہ مقابلے کے لئے مخصوص تھی۔

میں نے ایک بار غور سے شنکر کی طرف دیکھا‘ تو بڑی حیرت ہوئی۔ یقین نہ آیا‘ کیوں

کہ اس کے چہرے پر خودغرضی اور لاتعلقی چھائی ہوئی تھی۔ ہم دونوں نے اپنے نیزے ٹکرائے اور اس کے ساتھ اس نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ میرے سینے پر وار کیا۔

اس کا یہ جملہ بڑا سفاکانہ اور جارحانہ انداز لیا ہوا تھا۔ اگر میں نے بجلی کی سی سرعت سے جھکائی دے کر خود کو بچا نہ لیا ہوتا تو اس کا نیزہ میرے سینے میں دل کی جگہ اتر گیا ہوتا۔ میں بال بال بچ گیا تھا۔

میرے سنبھلتے سنبھلتے شنکر نے ایک اور مہلک وار کیا تھا۔ اس نے مجھے پوری طرح سنبھلنے کی مہلت بھی نہیں دی تھی‘ لیکن میں یہ وار بھی بچا گیا تھا۔ فضا نقاروں اور انسانوں کے شور سے گونج اٹھی۔ مجمع نے اس کے حملے کو سراہا تھا۔

شاید یہ مقابلہ ان کی توقع سے کہیں بڑھ کر سنسنی خیز طریقے پر شروع ہوا تھا‘ جس کی انہیں توقع نہیں تھی۔ یہ درندہ صفت قبائل، جو انسانیت پر یقین نہیں رکھتے تھے‘ انہیں اس قسم کے خونی مقابلے بہت پسند ہوتے ہیں۔

شنکر کی حالت اس وقت ایک پیشہ ور سفاک قاتل کی سی ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا‘ اور اس کے چہرے پر درندگی ابھر آئی تھی۔ میں دل میں حیران تھا کہ شنکر پر یہ شیطانیت کیوں سوار ہو گئی ہے۔ میں اس کا دوست ہوں۔ ہم دونوں میں کبھی دشمنی نہیں رہی‘ جس کا بدلہ وہ مجھ سے لینے پر تل گیا ہو۔ میری جان لینے کے درپے ہو رہا تھا۔

مجھ پر خوف اور سراسیمگی طاری تھی۔ اس لئے میں اس پر ایک بار بھی حملہ نہ کر سکا۔ اپنا دفاع کر رہا تھا۔ وہ بڑھ بڑھ کر مجھ پر دلیرانہ انداز سے حملے کر رہا تھا۔ شنکر کا دباؤ مجھ پر مسلسل بڑھ رہا تھا‘ اور وہ مجھ پر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔ میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ اس کے تابڑ توڑ حملوں سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹتا جاؤں۔ میرے دل کے کسی کونے میں یہ خیال آیا کہ اسے یک بیک جو جنون سوار ہو گیا ہے‘ کہیں ایسا تو نہیں کہ سردار ساون کو اس سے ہمدردی ہو گئی ہو۔ اس نے مجھ پر ایسا کوئی منتر پڑھ کر پھونک دیا ہے، جس کے باعث میں اس سے مقابلہ نہیں کر پا رہا ہوں‘ اور پھر خود کو بچانا بھی بہت مشکل ہو رہا ہے۔ میرے ذہن میں ایسی کوئی تدبیر خود کو بچانے کی نہیں آ رہی تھی۔ مجھے چند لمحوں کی مہلت درکار تھی‘ لیکن اس وقت لحظہ کی مہلت بھی دور کی بات تھی۔

میرے جسم پر اب تک کئی لمبی لمبی خراشیں پڑ چکی تھیں۔ میرا لباس ہی نہیں بلکہ شنکر کا

نیزہ بھی خون آلود ہو چکا تھا' لیکن میرے نیزے کی انی ابھی تک یوں ہی چمک رہی تھی۔ اس پر ایک بوند لہو کی بھی نہ تھی۔

پھر اچانک یہ ہوا کہ شنکر نے مجھ پر حملہ کیا تھا' وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا تھا۔ یک دم سے اس کا پیر پھسلا تو وہ زمین پر گر گیا۔ پھر مجھے اسے قابو کرنے اور نرغے میں لینے کا موقع مل گیا۔ میں نے اس کا قصہ ختم کرنے کی نیت سے اس کے بائیں پہلو میں نیزہ پیوست کرنا چاہا' لیکن وہ لڑھکتا ہوا میرے نیزے کی زد سے نکل گیا۔ جب وہ سنبھل کر دوبارہ میرے سامنے آیا' تو اس کے بائیں بازو سے تازہ تازہ خون رس رہا تھا۔ نیزہ پیوست تو نہ ہو سکا تھا' البتہ اس نے زخم ضرور لگا دیا تھا۔

اس دوران میں بستی کے پرشوق تماشائی روشن مشعلیں لے آئے' جب کہ ابھی دن تھا۔ ان مشعلوں کا کوئی کام نہ تھا۔ وہ چیخ چیخ کر ہم دونوں کو ایک دوسرے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے پر اکسانے لگے تھے' لیکن ایسا کرنا آسان نہ تھا۔

شنکر کے زخمی ہونے کے بعد اس کا انداز جارحانہ نہیں رہا تھا۔ اب اس کی شیطانیت اور جنون ختم ہو چکا تھا۔ وہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے پر ناکام وار آزماتے تقریباً وسط میں آ چکے تھے کہ اچانک شنکر نے سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔

''اجیت! کیا تم معاہدے کو بھول نہیں رہے ہو؟ پلیز یار! اسے یاد تو کرو۔''

اس کی آواز میں ایسا درد اور ایسی تاثیر تھی کہ مجھے اپنے حملوں کا زور کم کرنا پڑا۔ ہم دونوں ایک دوسرے پر اوٹ پٹانگ انداز میں حملے کر کے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔

بستی کے لوگ اتنے بے وقوف نہ تھے کہ وہ ہمارے اس ڈرامے کو سمجھتے نہ۔ مقابلہ کا زور ٹوٹتا دیکھ کر بستی والوں نے ہم پر لعن طعن شروع کر دی' اور شور مچانا شروع کر دیا' جیسے ٹکٹ خرید کر تماشا دیکھنے آئے تھے۔ پھر نقارے پیٹ کر جوش دلانے کی کوشش کرنے لگے' لیکن ہم محتاط رہے' کچھ جوش و خروش دکھایا تو تھا' لیکن وہ اسی انداز کا تھا۔

چوں کہ ایک بار غلط فہمی دور ہو چکی تھی' اس لئے میں شنکر کا خون اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔ ہاں اگر اس کی نیت پر اب بھی شبہ ہو جاتا تو میں جان توڑ اس کا مقابلہ کرتا' اور پھر اسے ٹھکانے لگانے سے دریغ نہ کرتا۔ اس مقابلے میں خاصا وقت لگ گیا تھا۔ ہم دونوں نے

سہ پہر سے شام کر دی تھی۔ جب مجمع نے دیکھا کہ مقابلے کا فیصلہ نہیں ہو رہا ہے تو لوگ مشعلیں زمین پر گاڑ کر آہستہ آہستہ وہاں سے سرکنے لگے۔ آخر کار وہاں صرف شوالا رہ گیا تھا۔ سردار ساون نہ جانے کب اٹھا اور بیزار ہو کر چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کی خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔ ہم سمجھے تھے کہ وہ موجود ہے۔

''یہ مکاری اور چالاکی زیادہ دیر تک چلے گی۔'' میدان صاف دیکھ کر شوالا برہمی انداز میں غرایا۔

''اس کی سزا یہ ہے کہ فیصلہ ہونے تک بھوکا پیاسا کرنا ہوگا۔ تم نے فیصلہ نہ کیا تو بھوک اور نقاہت تمہارا فیصلہ کر دے گی۔ تم دونوں حقیر کیڑوں کی طرح زمین پر پڑے سسکتے رہو گے' اور پھر زندہ بچ جانے والا فاتح قرار پائے گا۔ ایک ایسی حسین لڑکی، جس کا ثانی دنیا میں کوئی نہیں۔ ایسی حسین لڑکی، جو ساری زندگی حسین رہے گی' اور خوش بھی کرتی رہے گی' جو ہر لحاظ سے انمول اور نایاب ہیرے کی مانند زندگی اور جوانی کو پرکیف بنانا ہے تو اسے ہر قیمت پر حاصل کر لو۔''

میرے دل میں آیا کہ اس کمینے اور چھوٹے اور فریبی سے کہوں کہ تم ہم دونوں کو بے وقوف کیوں بنا رہے ہو۔ چاندنی کی حقیقت کیا ہے میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر وہ واقعی حسین ہوتی تو گاؤں کا کوئی بھی نوجوان اسے ابھی تک اپنا چکا ہوتا۔ بستی میں ایک سے ایک حسین اور غیر متمول لڑکی موجود ہے۔ سب سے بدصورت چاندنی ہے۔ مجھے چاندنی کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔ تم اور تمہارے کمینے اور حرام زادے سردار نے اس لئے ہمیں پھانسا ہے کہ اس سے کوئی شادی نہ کرنے کی صورت میں اسے درندوں' کتوں اور عقابوں کے سامنے نہ ڈال دیا جائے۔ لمحے کے لئے دل میں آیا کہ نیزہ اس کے سینے میں ترازو کر دوں' لیکن میں جانتا تھا کہ ایسا کرنے کی صورت میں میرا کیا حشر ہوگا۔ میں ابھی یہاں زندہ رہنا چاہتا تھا۔ تاوقتیکہ فرار نہ ہو جاؤں۔ اس لئے میں نے اپنے ارادے پر عمل نہیں کیا۔

''اب تمہیں ہمدردی جتانے کا کوئی حق نہیں۔'' میں نے بدستور شنکر سے مقابلہ کرتے ہوئے تیز و تند لہجے میں کہا۔

''میرے نزدیک تم دونوں ذلیل اور کمینے ہو۔'' اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

''مگر میں نہیں چاہتا کہ حسین و جمیل چاندنی کا نرم و نازک ہاتھ کسی دم توڑتے ہوئے

فاتح کے ہاتھ میں دیا جائے۔ اس غریب کی حسرتیں بھی دم توڑ دیں گی۔"

"اس لئے تو ہم احتیاط سے لڑ رہے ہیں۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تاکہ اس حسین و جمیل لڑکی کی پہلی رات ہی آہوں اور سسکیوں میں بدل جائے۔ فاتح زخمی ہو تو اس کے ساتھ محبت بھری باتیں بھی تو نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہم ایک دوسرے کا براہ راست نشانہ لے رہے ہیں تاکہ نیزہ سیدھے دل میں اتر جائے۔ کیا تمہیں اس بات سے اندازہ نہیں ہو رہا ہے کہ ہم دونوں ہی زخمی ہو چکے ہیں۔ کیا زخمی ہونا اچھی بات ہے۔"

"سنو! میں تم دونوں سے پھر کہہ رہا ہوں کہ چاندنی بے حد حسین ہے۔" وہ غصہ اور مجبوری کے عالم میں بولا۔

"اسے دیکھ کر تمہارے دلوں کی دھڑکن رک جائے گی۔ اسے دیوتا نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا' اور ایک ہیرے کی طرح پیکر تراشا ہے۔"

"وہ اتنی حسین ہے تو اب تک بستی کے کسی نوجوان نے اس کا نرم و نازک ہاتھ کیوں نہیں تھاما؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"تم نے ہم دونوں کو کس لئے اس کے لئے پھانسا اور ہماری جان کے دشمن ہو گئے ہو۔"

اس بستی کے مرد لوگ یہاں کے رسم و رواج اور روایات سے ڈرتے ہیں۔ ورنہ ہر ایک اس کے حسن و شباب اور گداز بدن کی دلکشی کا شیدائی ہے۔ اگر تم دونوں راہ راست پر نہ آئے تو میں عہد کرتا ہوں کہ جان پر کھیل کر چوری چھپے اسے یہاں لے آؤں گا' اور تم دونوں رقابت میں اندھے ہو کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑو گے اور میں اس معصوم بچی کی خاطر کسی روایت کی پروا نہیں کروں گا۔ میں اس بچی کی زندگی اور مستقبل بنانے کے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں۔"

میں اس سے پہلے کہ اس سے کچھ کہتا' وہ طیش کے عالم میں وہاں سے چلا گیا۔ میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ تم ہمیں کیا بے وقوف اور احمق سمجھتے ہو۔ لوگ چاندنی سے شادی کرنے سے، روایات سے نہیں' بلکہ اس کی بدصورتی سے ڈرتے ہیں۔ تم اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے ہو تاکہ ہم تمہاری باتوں میں لڑ مریں۔"

اب ہم دونوں بے حد تھک چکے تھے' اس لئے میدان صاف ملتے ہی ایک جگہ کھڑے

ہو کر دکھاوے کے طور پر نیزوں کو لہرانے اور لڑانے لگے تاکہ دور سے دیکھنے پر کسی کو مقابلہ بند ہو جانے کا شبہ نہ ہو سکے۔

اس دوران شنکر نے مجھے بتایا کہ ابتدا میں اس نے اس لئے پھرتی دکھائی' اور جارحانہ انداز سے وار کئے کہ لوگ اس مقابلے پر شبہ نہ کر سکیں۔ ورنہ اس کا کوئی ارادہ زک پہنچانے کا نہیں تھا۔

ہم مصنوعی مقابلے کے ساتھ ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔ شوالا جس طرح گیا تھا' اس نے ہمیں کچھ پریشان کر دیا تھا۔ ہم ایسی تدبیر سوچ رہے تھے کہ کسی طرح سردار ساون اور شوالا پر اس مقابلے کو سچا ظاہر کریں' اور پھر اس مقابلے کو دو ایک دن ٹال کر فرار کا منصوبہ بنائیں۔ وہ یوں کہ شنکر دن کی روشنی میں سفر کرتا ہوا آیا تھا' اس لئے اس نے کچھ راستے ذہن نشین کر لئے تھے۔ حفاظت کے لئے یہ نیزے ساتھ لے کر چلیں گے۔ کسی شکاری کتے نے حملہ کیا تو ہم دونوں مل کر اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ عقابوں سے بھی نمٹ سکتے ہیں۔

شنکر کی تجویز مناسب اور قابل عمل بھی تھی۔ نیزہ ہماری حفاظت اور درندوں سے مقابلے کے لئے مہلک ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا' اور پھر ہم دونوں تھے' رات کے اندھیرے میں سفر کرنے کے بجائے پو پھٹتے ہی نکل جانے کا منصوبہ بنانے لگے۔

ان باتوں کے دوران مخالف سمت نگاہ پڑتے ہی میں اس طرح سے اچھلا جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ میرا دل اچھل کر حلق میں دھڑکنے لگا۔ رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ نظروں کو یقین نہیں آیا۔ میں نے شنکر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی مخالف سمت خوف و دہشت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ دھلی سفید چادر کی طرح ہو رہا تھا۔ لہو کی ایک بوند بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میری حالت ایسی ہو رہی تھی' کہ جیسے میں بے ہوش کر گر جاؤں گا' تاہم میں نے بہ وقت تمام خود کو سنبھالا۔

شوالا ہماری طرف تیزی سے آتا دکھائی دیا۔ اس کا یہ انداز بڑا جارحانہ تھا۔ اس کا اندازہ اس کی چال سے ہو رہا تھا۔ اگر وہ اکیلا ہوتا' تو اس میں خوف و دہشت کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس کے ساتھ خوں خوار شکاری کتوں کا ایک پورا غول تھا' جو غراہٹوں کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔ ان کی زبانیں باہر نکلی پڑ رہی تھیں' اور خوف ناک آنکھیں چمک رہی تھیں۔

خود پر قابو پانے کے باوجود میں لرز رہا تھا' اور شنکر کا بند بند کانپ رہا تھا۔ میں نے اسے

سنبھالا ہوا نہ ہوتا تو وہ غش کھا جاتا۔

شوالا کن عزائم سے آ رہا تھا' کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے شاید سردار ساون کو بتایا ہوگا کہ ہم دونوں مقابلہ کر رہے ہیں' اور بے وقوف بنا رہے ہیں۔ سردار ساون نے اس سے کہہ دیا ہوگا' کہ ہمیں شکاری کتوں کی غذا بنا دیں۔ کتے ہم پر چھوڑ دیں۔ اس لئے وہ کتوں کا غول لئے چلا آ رہا ہے۔ وہ سخت طیش کی حالت میں دکھائی دیتا تھا۔

''اجیت!'' شنکر نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

''ایسا لگتا ہے کہ ہم پر کتے چھوڑ دے گا' تمہارا کیا خیال ہے؟''

''مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔'' میں نے پھنسی پھنسی آواز میں جواب دیا۔

''ہماری موت ہمارے سامنے آ رہی ہے۔''

''ان کتوں سے بچنا ناممکن ہے۔'' شنکر بولا۔

''سردار ساون کو شاید شک ہو گیا تھا، اس لئے اس نے مجھ سے پتھریلی مالا لے لی۔ اگر وہ ہوتی تو ہمارا بال تک بیکا نہیں ہوتا۔ یہ خونی شکاری کتے ہیں' چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے۔''

''اب ہم موت سے کسی صورت میں بچ نہیں سکتے۔'' میں نے کہا۔

''ہم لحظہ بہ لحظہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔''

''آؤ چلیں...... بھاگ چلیں......'' شنکر نے کہا۔

''اس کے سوا چارہ بھی نہیں ہے۔''

''لیکن تم یہ بھول رہے ہو کہ وہ شکاری کتے ہیں ہمیں آ لیں گے۔'' میں نے کہا۔

''ہم ان کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے؟''

''ہم دونوں کے پاس نیزے جو ہیں...... ان نیزوں سے کتوں کا مقابلہ کریں گے۔'' شنکر نے کہا۔

''بے وقوف آدمی تمہاری مت ماری گئی ہے۔ وہ کوئی عام کتے نہیں ہیں' اور نہ دو ایک ہیں' بلکہ دس بارہ ہیں۔'' میں نے کہا۔

''تم...... تم ٹھیک کہتے ہو......'' اس نے کہا۔

''کیوں نہ ہم سچ مچ کے انداز سے مقابلہ شروع کر دیں؟''

+++

شوالا اور ان خوں خوار شکاری کتوں کے قریب آنے پر میں نے ایک عجیب سی بات محسوس کی۔

ان کتوں کے حصار میں سیاہ کپڑے میں چھپا ہوا کوئی بے ہنگم سا چوپایہ چلا آیا تھا' جس کے اگلے پیر سے بندھی ہوئی رسی شوالا کے ہاتھ میں تھی۔ ہم دونوں کے قریب آ کر شوالا اپنے وحشی غول سمیت رک گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا' اور اس کی آنکھیں چنگاریاں برسا رہی تھیں۔

''میں چاندنی کو لے کر آیا ہوں نامردو......'' وہ غصے سے ہانپتے ہوئے بولا۔

''تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ تم یہ سمجھے کہ میں نے چاندنی کی جھوٹی تعریف کی ہے۔ تمہارے خیال میں وہ بدصورت لڑکی ہے۔ لو اب اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو' تاکہ تمہیں میری بات کی سچائی کا یقین آ جائے۔ میں نے صرف تم دونوں کی خاطر یہاں کی روایات سے بغاوت کی ہے۔''

اس وقت زمین پر بیٹھے ہوئے چوپایہ نے کھڑے ہو کر سیاہ کپڑا اپنے جسم پر کھینچ کر زمین پر ایک طرف پھینک دیا۔

مجھے یوں محسوس ہوا کہ آسمان کے سیاہ بادلوں کی اوٹ سے چودھویں کا چاند زمین پر اتر آیا ہو۔

شکاری کتوں کے حصار میں زمین پر ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی خوف زدہ انداز میں کھڑی پلکیں جھپکا رہی تھی۔ اس کے داہنے خوب صورت مرمریں اور سڈول ہاتھ میں جو رسی بندھی ہوئی تھی' اس کا دوسرا سرا شوالا کے ہاتھ میں تھا۔

وہ بے لباس کھڑی تھی۔ ان جنگیوں کے ہاں شرم و حیا اور ستر پوشی کا کوئی تصور تھا' نہ

رواج۔ شوالا نے اسے بے لباسی کی حالت میں اس لئے پیش کیا تھا کہ ہمیں اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ صرف اس کا چہرہ چاند جیسا نہیں ہے‘ اس کا بدن غیر معمولی جاذبیت لئے ہوئے اور کشش کے خزانوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی حربہ تھا۔ میں تو اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا تھا۔ نگاہیں اس پر جیسے منجمد ہو گئی تھیں‘ اور ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

دوسرے لمحے میں نے چونک اور اس دوشیزہ کے سحر سے نکل کر شنکر کی طرف دیکھا۔ اس پل یہ خیال آیا کہ اس کے من اور توبہ شکن جسم نے اس ریچھ کو سحر زدہ کیا تھا‘ اس لئے وہ اسے اٹھا کر لے گیا تھا۔ میری اور شنکر کی نگاہیں چار ہوئیں۔

”اجیت!“ اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”چاندنی میری صرف میری ہوگی۔ تمہیں یہ مقابلہ ہر صورت میں ہارنا ہوگا۔“

اس سے قبل کہ میں شنکر کی بات کا جواب دیتا۔ شوالا نے چاندنی کو اشارہ کیا‘ تو اس نے زمین پر سے سیاہ کپڑا جو چادر نما تھا‘ اٹھا کر اس میں اپنے آپ کو چھپا لیا۔ چودھویں کا چاند جیسے کالے بادلوں کی آغوش میں چلا گیا۔ اس نے دل پر قیامت ڈھا دی تھی۔ میری نس نس میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ پرانی شراب کا خمار ذہن پر چھا گیا تھا۔ کیا حسن تھا......؟ کیا پُرشباب گداز بدن تھا......؟ کیا جوانی تھی؟ کیا کرشمہ سازیاں تھیں......؟ اس نے بجلیاں گرا کر میرے وجود کو جیسے خاکستر کر دیا تھا۔

چاندنی نے پھر وہی چوپایہ کا سا انداز اختیار کر لیا۔ پھر وہ شوالا اور کتوں کی سمت بستی کی طرف چل دی۔

”میں اس کا پہلا دعوے دار ہوں شنکر!“ میں نے خواب ناک‘ لیکن مضبوط لہجے میں کہا۔

”تم میرے حق میں دستبردار ہو جاؤ تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم زندہ رہو گے۔ میں تمہیں معذور بھی نہیں کروں گا‘ تاکہ تم زندگی گزار سکو۔“

”زندگی......؟“ شنکر نے تلخ اور حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

”تم کیا زندگی دو گے......؟ میں اپنی زندگی کا مالک ہوں۔ البتہ تم اپنی زندگی کی خیر مناؤ‘ جو تھوڑی دیر کی مہمان ہے۔ وہ میرے ہاتھوں انجام کو پہنچے گی۔“

اتنا کہہ کر شنکر نے اچانک ہی نیزہ میرے سینے میں پیوست کرنا چاہا تھا۔ میں چوکنا نہ

ہوتا‘ تو وہ میرے دل کی جگہ ترازو ہو جاتا۔ میں بڑی سرعت سے ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کا نیزہ زمین میں پیوست ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا نیزہ نکالتا‘ میں نے اپنے بھالے کو لاٹھی کی طرح پوری قوت سے گھما کر اس کی پنڈلیوں پر دے مارا‘ اور وہ بری طرح کراہتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

اس بھرپور حملے کے باعث میرا بھالا میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس لئے میں اس سے لپٹ پڑا۔ شنکر نے فحش گالیاں بکتے ہوئے میرا گلا دبوچنا چاہا‘ لیکن میں نے اس کی پسلیوں پر گھونسوں سے دو تین ضربیں لگا کر اسے نڈھال کر دیا۔ اس نے جھلا کر میرے سینے پر کاٹ لیا۔ یہ تکلیف میرے لئے ناقابل برداشت تھی۔ میرے منہ سے ایک کراہ نکل گئی۔ میں نے اس کے پیٹ میں پوری قوت سے گھٹنا رسید کیا‘ تو اس کی اذیت سے مجھے نجات مل گئی۔ پھر میں نے اس کا نرخرا دبوچ لیا۔

یہ صورت حال پیدا ہوتے ہی‘ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلنے لگیں‘ جو میری انگلیوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ میں معدوم ہو گئیں۔ وہ میرے نیچے دبا ہوا ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں‘ اور زبان دانتوں سے باہر تک آ گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی سانس کسی بھی لمحے اکھڑ سکتی ہے۔

لیکن اسے کیا‘ ہر کسی کو اپنی زندگی پیاری ہوتی ہے۔ زندہ رہنے اور چاندنی کے حصول کی آس نے اس میں طاقت پیدا کی۔ اس نے کسی بجھتے ہوئے چراغ کی طرح سنبھالا لیا۔ اور پھر اپنی جمع کی ہوئی پوری قوت سے سینے پر سے اتار کر پھینکنے میں کامیاب ہو گیا۔

گرتے گراتے میرے ہاتھ میں میرا اپنا نیزہ آ گیا‘ اور جب میں پھرتی کے ساتھ کھڑا ہوا تو میرے پاس نیزہ موجود تھا۔ اِدھر شنکر اب نہتا اور میرے رحم و کرم پر تھا۔ اس کی بے چین نگاہیں بار بار زمین میں پیوست اپنے نیزے کی طرف جا رہی تھیں‘ اور وہ رہ رہ کر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا‘ اور اس کے چہرے پر مایوسی چھا رہی تھی۔

اس وقت شنکر کے چہرے پر خوف و دہشت ابھر آئی‘ اور اس کی آنکھوں سے ہولناک چمک کوند رہی تھی۔ وہ اس تاک میں تھا کہ اسے جیسے ہی موقع ملے گا‘ وہ میری جان لے کر رہے گا۔ وہ ایک مارِ آستین کی طرح تھا‘ اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے اپنا چمک دار نیزہ اس کی نظروں کے سامنے لہرایا‘ تو وہ اپنے خشک ہونٹوں پر

زبان پھیرتا غیر محسوس انداز سے ایک طرف کھسکنے لگا۔ میں فاتحانہ انداز سے اسے دہشت زدہ کرتا ہوا مسلسل آگے سرک رہا تھا۔ اس کے پہلو میں آئے ہوئے زخم سے ابھی تک تازہ خون رس رہا تھا۔ اس کا سارا جسم مٹی میں لتھڑا ہوا تھا۔

پیشانی پر بکھرے ہوئے بے ترتیب بالوں کے نیچے دہکتی آنکھیں قہر اور نفرت کے چراغوں کی طرح نمایاں تھیں' اور وہ بڑی بے تابی اور کسی امید پر بار بار اِدھر اُدھر جائزہ لے رہی تھیں' کہ شاید اسے کوئی ایسی چیز ہاتھ لگ جائے' جو اس کے لئے ہتھیار بن جائے۔

''اجیت! اب میں تیرا خون پی جاؤں گا۔'' اس نے ہانپتے ہوئے نفرت اور غصے سے بھرے لہجے میں کہا۔

''میں نے زندگی میں پہلی بار کسی کو پسند کیا ہے' اور اس معاملے میں تو کسی بھی قیمت پر مجھ سے بازی نہ لے جا سکے گا۔''

''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا...... اس کا فیصلہ ابھی ہوا جاتا ہے۔'' میں نے تلخ لہجے میں اس کے انداز میں جواب دیا۔

''تو انتہائی کمینہ شخص ہے۔ تیری بیوی نہ صرف بہت حسین اور نوجوان ہے' بلکہ دو بچوں کی ماں ہے۔ وہ تجھ سے بے انتہا محبت بھی کرتی ہے۔ تیری بیوی اور بچے روز تیری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔ تو ان کا تو خیال کر' لیکن تو کتنا خودغرض اور کمینہ ہے کہ اپنی پیاری پتنی اور بچوں کو ایک لڑکی پر ترجیح دے رہا ہے۔ تجھے شرم آنی چاہئے۔''

''میری پتنی......'' اس نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ کبھی میری پسند کی اور میری پتنی نہیں رہی' بلکہ وہ ایک طرح سے تمہاری پتنی رہی ہے۔ تمہاری میرے گھر میں آمد ورفت بلاوجہ نہیں تھی۔ دونوں بچے میرے نہیں تمہارے نطفے سے ہیں۔ ان کی شکلیں اس لئے تم سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ میں نے رات سوچا تو آٹھ برسوں کے بعد خیال آیا کہ تم دونوں مل کر میری آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے۔ تم نے اس لئے شادی نہیں کی تھی بازار میں جب دودھ ملتا ہے' تو گھر میں بکری باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور وہ تمہاری بہت تعریفیں کرتی رہتی تھی۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں ماروں گا نہیں' بعد میں حالات دیکھ کر تمہیں فرار کرا دوں گا۔ ہمارے دوستوں نے اسے گھنے جنگلات میں میری گم شدگی کی خبر پہنچا دی ہوگی۔ پھر تم جا کر اس کے ساتھ عیش کر زندگی گزارنا۔''

''شنکر! بکواس بند کر اور اپنی زبان کو لگام دے۔ تو ایک پارسا عورت پر گھناؤنا الزام لگا رہا ہے۔ تیرا مر جانا ہی بہتر ہے۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تو اس پر ہر قسم کے الزامات لگا رہا ہے۔ دراصل تو چاندنی کو ایک بے نیام تلوار کی صورت میں دیکھ کر اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ تو یہ بات سن اور سمجھ لے کہ چاندنی ایک جنگلی پھول ہے۔ اسے پا کر تو کبھی بھی شہری زندگی کی طرف لوٹ نہ سکے گا۔ چند ہی دن میں یہاں کی زندگی اور یکسانیت سے اکتا جائے گا۔ حسین اور نوجوان ایک نشہ ہوتا ہے۔ دنیا کا ہر نشہ اترتا ہے۔ یہ نشہ بھی اترتا چلا جائے گا۔ تو اپنی نہیں تو اپنی بیوی اور بچوں پر رحم کر۔''

''تو میری فکر نہ کر۔ میری پتنی کی فکر کر جو تیرے لئے تڑپ رہی ہوگی...... مر رہی ہوگی۔'' وہ دھاڑا۔

''وہ کم حسین نہیں ہے۔ وہ تیری ہر طرح سیوا کرے گی۔ اس کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ یہ تو...... اچھی طرح جانتا ہے۔''

میں نے نفرت اور غصے کی حالت میں اس کے سینے کا نشانہ لے کر فضا میں بھالا اچھالا۔ اس نے اس پارسا' معصوم اور پوتر عورت پر جو گھناؤنے' شرمناک الزامات لگائے تھے' اس نے مجھے اندر ہی اندر بری طرح تپا دیا تھا۔ اس نے شنکر کے لئے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ جب وہ تین برس تک بے روزگار رہا تو ملازمت کر کے گھر چلاتی رہی تھی۔ وہ ایک شوہر پرست عورت تھی' اور پھر اس نے مجھے بھی غلاظت کے دلدل میں دھکیل دیا تھا۔ جب میں نے اس پر وار کیا' تو وہ اس کی زد سے بچ نہ سکا۔ اس کی چمکیلی نوک اس کی پسلیوں کو چیرتی داہنے پہلو سے آر پار نکل گئی۔ وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس نے گرنے سے پہلے ایک کریہہ چیخ ماری تھی' جس نے فضا کو دہلا دیا تھا۔

میں لپک کر اس کے قریب پہنچا۔ میرے دل میں یک بیک اس کے لئے ہمدردی کے جذبات امڈ آئے۔ پندرہ برس کی دوستی یوں پل بھر میں خون میں نہا گئی تھی۔ میں شاید اس پر قاتلانہ حملہ نہیں کرتا' لیکن اس نے مجھ پر جو تہمت لگائی تھی، اس نے مجھے مشتعل کر دیا تھا۔ میں نے اس کی پتنی کو ہمیشہ ایک بہن کی طرح سمجھا تھا۔ وہ مجھے ایک بھائی کی طرح چاہتی تھی' کیوں کہ اس کا کوئی بھائی نہیں تھا۔

مجھے ساری زندگی' اس بات کا رنج اور ملال رہے گا' میرا ایک دیرینہ دوست میرے

ہاتھوں سے مارا گیا۔ میں نے اس کے رخسار کو تھپتھپاتے ہوئے فرط جذبات سے کانپتی آواز میں کہا۔

"شنکر! کاش! تم نے مجھ پر اتنی بڑی تہمت نہ لگائی ہوتی۔ اس کے باوجود مجھے تمہاری موت کا ساری زندگی بہت افسوس رہے گا۔"

اس نے اپنی جلتی ہوئی قہر بار آنکھوں سے مجھے گھورا' اور پھر نفرت سے میرے منہ پر تھوک دیا' پھر وہ اذیت میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولا۔

"فریب نہ دو اجیت! میں صرف زخمی ہوا ہوں۔ یوں آسانی سے مروں گا نہیں۔ تم بہت ذلیل شخص ہو۔ میں نے تم دونوں کو کئی بار محبت بھرے انداز سے باتیں کرتے اور ہنستے ہوئے دیکھا ہے۔"

میں نے اس کی بکواس کی پروا کئے بغیر اس کے داہنے پہلو سے نیزہ باہر نکالنا چاہا' لیکن وہ بری طرح تڑپ اٹھا' تو میں بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ مجھ سے اس کی حالت اور اس کا خون دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

پھر اس وقت شنکر نے شوالا اور بستی والوں کو چیخ چیخ کر بلانا شروع کر دیا۔ رات کے سناٹے میں اس کی دردناک آواز گونجتی رہی۔

"کیا بات ہے شنکر؟ کیا بات ہے مجھ سے بولو......" میں نے ہڑبڑا کر پوچھا۔

جواب میں اس کے کرب سے بھینچے ہوئے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں بری طرح زخمی ہوں۔ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکوں گا' لیکن مرتے مرتے تیری اور سردار کی سادھی بناتا جاؤں گا۔"

اس کے الفاظ پورے ہونے سے قبل ہی میں اس کے لہجے اور آنکھوں کی وحشیانہ چمک سے اس کا مفہوم سمجھ چکا تھا' اور اس نے ایک بار پھر پوری قوت سے بستی والوں کو پکارنا شروع کیا۔ اس کی آوازیں...... چیخیں...... خاموشی کا سینہ چیرتی ہوئی فضا میں ہولناک بن کر بستی کے لوگوں میں گونجی تھیں۔ اس کی آواز کے جواب میں آبادی کی جانب سے بہت سارے ہیولے دوڑتے ہوئے ہماری جانب آنے لگے تھے۔ یوں تو میدان میں بہت ساری مشعلیں گڑھی ہوئی تھیں' پھر دو ایک نے مشعلیں تھام رکھی تھیں۔

آنے والوں کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ اس طرح بھاگتے ہوئے آ رہے تھے' جیسے کوئی عفریت ان کے تعاقب میں ہو۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا۔ اس مختصر سے وقت میں انتہائی اہم فیصلہ کرنا تھا۔ فیصلہ نہ کرنے کی صورت میں میں سلامت نہیں رہ سکتا تھا۔ میرے پورے وجود میں ایک عجب سی سنسنی اور ہیجانی کیفیت ہو گئی۔ میرا دل اندر ہی اندر خوف سے لرزنے لگا تھا۔

شنکر مرتے مرتے مجھ سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اس لئے تو وہ پوری قوت سے چیخ چیخ کر بستی والوں کو بلا رہا تھا۔ میرے علاوہ وہ سردار کو ذلت اور عبرت کا نشان بنانا چاہتا تھا۔ بستی والوں کو جمع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ بستی والوں کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ اسے اور مجھے ان کے سردار نے جبر و زیادتی سے چاندنی کے دعوے دار بنایا' اور مجبور کیا۔ عمل نہ کرنے کی صورت میں اس بات کی دھمکی دی کہ نیزوں اور تیروں سے چھلنی کر کے موت کی نیند سلا دیا جائے گا۔

یہ انکشاف ہونے کے بعد سردار ساون کی سرداری چھین لی جاتی۔ اس کے علاوہ اسے ذلیل و رسوا کیا جاتا۔ اس سازش کے جرم میں شریک ہونے کی وجہ سے ہم دونوں کو بستی والے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔

"سنو...... تمہارا سردار فریبی' مکار اور دغا باز ہے۔ وہ بہت ذلیل اور کمینہ بھی ہے۔ اس نے کیا کیا میں بتاتا ہوں۔"

ابھی آنے والے قدرے دور ہی تھے کہ شنکر ہذیانی لہجے میں چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ پھر اس نے مزید کہا۔

"تمہارے سردار ساون کے کہنے پر شوالا نے مجھے اور میرے ساتھی کو......"

یہ میری زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔ میں نے فوراً ہی جھپٹ کر زمین میں پیوست شنکر کا بھالا نکالا' اور اسے بات جاری رکھنے کا موقع دیئے بغیر اس کے سینے میں دل کی جگہ اتار دیا۔ بڑی بے رحمی اور سفاکی سے...... اس کے سینے سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ اس کے منہ سے نکلتے آخری الفاظ' آخری ہچکیوں میں بدل گئے۔ اس کا پورا جسم تیزی سے لرز کر ساکت ہو گیا۔

اس کی جان لینے سے ایک طرف دکھ تھا' تو دوسری طرف دل کو ایک سکون اور اطمینان سا ہوا کہ میری جان بچ گئی۔ میں چند لمحوں کی تاخیر کرتا' تو پھر میں زندہ نہ بچتا۔ گاؤں والے

مجھے شکاری کتوں کے آگے ڈال دیتے۔

اور اس وقت بستی سے تیزی سے دوڑ کر آنے والوں نے جب شنکر کی لاش خون میں لت پت دیکھی، تو مجھے والہانہ انداز میں کندھوں پر اٹھا لیا' اور شور و غل مچا مچا کر شنکر کی خون میں نہائی ہوئی لاش کے گرد ناچنے لگے۔ ان میں سے بعض آدمیوں نے جو مشعلیں سنبھالی ہوئی تھیں' انہیں فضا میں لہرا رہے تھے۔ پھر انہوں نے مخصوص انداز سے سیٹی بجانا شروع کیا' اور پھر کچھ نے زمین میں گڑی ہوئی مشعلیں نکال لیں۔ ایک جشن کا سا سماں بندھ گیا تھا۔ شنکر کی موت نے انہیں سرشار کر دیا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ان کے پالتو خون خوار عقاب سروں پر منڈلانے لگے' اور ان کے سرکش کتے پتھروں کو کھینچتے ان کے درمیان آ گئے۔

اس دوران سردار ساون بھی آ پہنچا تھا' اور اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا' اور اس کی آنکھوں میں ان گنت دیئے، جیسے جل اٹھے تھے۔ اور وہ خود بھی دونوں ہاتھ فضا میں اچھال اچھال کر چیخ رہا تھا۔ شوالا بھی جو آ گیا تھا' اس نے سردار ساون کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ چونک کر اس طرح وہاں سے چل دیا' جیسے شوالا نے اسے کوئی بھولی بات یاد دلا دی ہو۔

وہ جنگلی بدستور مجھے اپنے شانوں پر اٹھائے جشن منا رہے تھے' کہ سردار ساون جھونپڑے سے واپس آتا نظر آیا۔

لیکن وہ اس مرتبہ تنہا نہیں تھا۔ بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں' کیوں کہ سردار ساون کے ساتھ آنے والا انسانی ہیولا گو چیتے کی کھال میں چھپا ہوا تھا' لیکن اس کی چال میں سبک جوانی انداز نمایاں تھا۔

اچانک شوالا مسند پر جا چڑھا' اور اس نے زور سے چیخ کر کہا۔

"اپنے اپنے کتوں کو ایک طرف کر لو۔ فضا میں اڑتے ہوئے بھوکے عقابوں کو اپنے پاس بلا لو۔ سردار ساون اپنی خوش نصیب بیٹی کے ساتھ آ رہا ہے' اور اب تم سب کے سامنے فاتح کا حق اس کے قدموں میں ڈالنے کی مقدس رسم ادا کی جائے گی۔ لہٰذا ادب سے ایک طرف اور خاموشی سے کھڑے رہو۔"

شوالا کی آواز سن کر سبھی سنبھل گئے' اور نیم دائرے کی شکل میں شنکر کی لاش کے گرد

پھیلنے لگے۔ ان کے اشاروں پر کتوں نے سر جھکا لئے' اور جہاں تھے، وہیں رک گئے۔ فضا میں اڑتے ہوئے عقاب اپنے اپنے مالکوں کے پاس پہنچ گئے۔ اور میں مسند کے قریب کھڑا رہ گیا۔ میں حیرت اور خوشی سے سردار ساون کو دیکھ رہا تھا' جو اپنی حسین و جمیل بیٹی کے ساتھ میری سمت آ رہا تھا۔

سردار ساون باوقار انداز میں اس ہیولے کو لئے میرے قریب پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وفور جذبات سے اس بوڑھے کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیر رہی تھی۔ ظاہر تھا' یہ خوشی کے آنسو تھے۔ اس کا دل اس خیال سے بھر آیا تھا کہ اس کی بیٹی کے لئے یہ مبارک دن ہے کہ خوشی اور زندگی کا ہم سفر مل گیا۔ جس کے لئے اس نے یہ سارا کھیل کھیلا تھا۔ وہ اس میں کامیاب رہا۔

لیکن میں نے بہت کچھ پانے کے بعد ایک اچھے دوست کو کھو دیا تھا۔ حیرت اور دکھ اس بات کا تھا کہ شنکر نے کبھی مجھ پر شک نہیں کیا تھا کہ اس کی بیوی اور میرے درمیان تعلقات ہیں' اگر اسے شک ہو گیا ہوتا' تو ہماری دوستی کبھی کی ٹوٹ چکی ہوتی۔ یہ اچانک اسے کیا ہو گیا تھا۔ کیا اس کا ذہنی توازن برقرار نہیں رہا تھا' لیکن یہ سب سوچنے کا وقت نہیں تھا۔

"اجنبی فاتح!......"

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں مجھے مخاطب کیا۔

"تیری امانت ان سب گواہوں کے سامنے تیرے قدموں میں ڈالتا ہوں۔ جس پر تو اپنا حق مقابلہ جیت کر ثابت کر چکا ہے۔"

اتنا کہہ کر سردار ساون نے اپنے ساتھ والے ہیولے کو میرے قدموں میں جھکا دیا' اور اپنی بستی والوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں تم سب کے سامنے اپنا فرض اور ذمے داری پوری کر چکا ہوں۔ آج سے چاندنی سے میرا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ وہ اس اجنبی کی ملکیت ہے' اور ہاں اب تمہیں اس بات کی اجازت اور آزادی ہے' کہ اپنے کتوں اور عقابوں کو ہارنے والے کی لاش پر چھوڑ دو۔ اس وقت لاش کا گوشت بہت گرم ہے۔ گرم گوشت انہیں ذائقہ اور لذت دے گا۔"

"ٹھہرو سردار!" میں فوراً ہی بول اٹھا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہارے وحشی کتے اس لاش کی بے حرمتی نہ کریں۔"

اس وقت میں نے اپنے پیروں پر کسی کے دہکتے ہوئے ہاتھوں کا نرم نرم دباؤ محسوس

کیا۔

"یہ کتے انسانی خون کے پیاسے ہیں' مگر ہماری حفاظت کرتے ہیں۔" سردار سپاٹ اور جذبات سے عاری لہجے میں بولا۔ "یہ عقاب بھی آدم خور ہیں...... مگر دشوار گزار جنگلوں سے ہمارے لئے شکار لاتے ہیں۔" اس کی آواز بھاری ہوگئی تھی۔

"یہ لاش ان کا حق ہے۔ اب نہ تو چاندنی تجھ سے واپس لی جاسکتی ہے' اور نہ ہی ان بے زبانوں سے لاش بچائی جاسکتی ہے۔"

میں سردار ساون کی بات سن کر دل مسوس کر رہ گیا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ اس کی چتا تیار کی جائے' اور اپنے دھرم کی آخری رسومات ادا کی جائیں۔ وہ جو بھی تھا' جیسا بھی تھا' آخر میرا دوست تھا۔ اس نے مجھ پر جو تہمت لگائی تھی' اس کی وجہ اب سمجھ میں آئی تھی۔ وہ مجھے مشتعل کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ میں اشتعال میں ٹھیک سے مقابلہ نہ کرسکوں گا۔ اس نے نفسیاتی حربہ آزمایا تھا۔

مجھ سے بات ختم کرنے کے بعد سردار ساون نے خونی شکاری کتوں کو ہنکارا' تو وہ بڑے غضب ناک انداز میں غراتے ہوئے بدبخت شنکر کی خون آلود لاش پر جارحانہ انداز سے ٹوٹ پڑے۔ یہ تازہ شکار تھا۔ انسانی گوشت سے زیادہ لذیذ کسی بھی جان دار کا نہیں ہوتا تھا۔ وہ یہ بات جانتے تھے' اور پھر فضا ان جنگلی قبائلیوں کے شور سے گونج اٹھی۔ اس ہجوم میں سے ایک شخص تلوار لے کر آیا' اور لاش کی طرف بڑھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ لاش کو دو حصوں میں تقسیم کررہا ہے' تاکہ ایک حصہ عقابوں کی نذر کیا جائے۔

شور سن کر میں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں' اور آنکھیں موند لیں۔ میں شنکر کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا' نہ ہی ان خونی کتوں اور عقابوں کی غذا بنتے...... تھوڑی دیر تک فضا انسانوں کے وحشیانہ شور وغل...... عقابوں کی خون آشام چیخوں اور کتوں کی غضبناک غراہٹوں سے گونجتی رہی' اور میری آتما اور جسم کا بند بند کانپتا رہا تھا۔

جب سکوت ہوا تو میں نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں۔ اس وقت میرے اعصاب بڑے کشیدہ ہورہے تھے۔

میں نے دیکھا کہ شنکر کی لاش کی جگہ اب زمین پر اِدھر اُدھر استخوانی اعضاء بے ترتیبی سے بکھرے پڑے ہوئے تھے۔ ان کے پالتو جانوروں نے صرف تھوڑی ہی دیر میں لاش کا

صفایا کردیا تھا' اور کتے اب آسودہ انداز میں اپنا منہ چاٹ رہے تھے۔

میں نے چاندنی کی طرف دیکھا۔ سردار ساون کی حسین وجمیل نوجوان بیٹی چاندنی ابھی تک میرے قدموں میں سکڑی سمٹی' اور گٹھڑی بنی بیٹھی تھی۔ بے حس وحرکت اور جامد سی۔ اس کا چہرہ اور جسم ابھی تک ڈھکا اور چھپا ہوا تھا۔

میرا دل بڑا بوجھل تھا' دکھی تھا۔ شنکر کا جو انجام اور حشر ہوا تھا' اس نے مجھے بڑا دل گرفتہ کردیا تھا۔ میں نے سوچا جب مجھے قسمت اپنی دنیا میں لے جائے گی' اس کی بیوی کو کیا بتاؤں گا......؟ کیا جواب دوں گا......؟ میں نے سوچا کہ اس سے کہوں گا کہ مجھے کچھ خبر نہیں' شاید وہ کسی درندے کے ہاتھوں شکار ہوگیا ہوگا۔ زندہ ہوتا تو لوٹ آتا۔

پھر میں نے سوچا کہ جو ہونا تھا' وہ ہوچکا۔ اب غم اور افسوس کرنے سے کیا حاصل؟ اب مجھے ایک نئی اور حسین اور رنگین زندگی کا آغاز کرنا ہے۔ دنیا کی حسین ترین لڑکی کے سنگ زندگی گزاروں...... ایک ڈیڑھ گھنٹہ قبل میں نے چاندنی کو جس حالت میں دیکھا تھا' اس چشم تصور نے شنکر کی المناک موت کو بھلا دیا' اور میں جلد سے جلد اس کے قرب کے لئے بے تاب سا ہوگیا۔

میں نے بوجھل دل کے ساتھ نیچے جھک کر اس کی بغلوں میں سہارا دے کر اسے اٹھایا' تو وہ کسی سہمی ہوئی ہرنی کی طرح میرے پہلو میں دبک کر کھڑی ہوگئی۔ سردار ساون کے چہرے پر خوشی پھوٹ رہی تھی' ادھر شوالا بھی خوش خوش دکھائی دیا تھا۔

اس وقت رات کی گھور سیاہی میں صبح صادق کا ملگجی سا اجالا غالب آتا جارہا تھا۔ موسم بھی بڑا خوشگوار اور سہانا ہوگیا تھا۔ فرحت بخش ہوا کے جھونکوں نے میرے جسم میں تازگی اور فرحت دوڑا دی تھی۔ اب کسی تھکن کا اثر نہیں رہا تھا۔

میں اب اس میدان سے کسی گوشہ تنہائی میں جتنا جلد ہوسکے پہنچنا چاہتا تھا' لیکن اسے کہاں لے جاؤں......؟ میرے پاس کوئی سر چھپانے کی جگہ نہیں تھی۔ اس کا انتظام سردار ہی کرسکتا تھا۔ اسے ہی کرنا بھی تھا۔

"سردار ساون!" آخر میں نے قدرے اونچی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

"چاندنی اب سدا کے لئے میری ملکیت بن چکی ہے اور میں اب تمہارے قبیلے کا فرد بن چکا ہوں۔ کیا میں کھلے آسمان کے نیچے جانوروں کی طرح تمہاری بیٹی کے ساتھ زندگی

گزاروں......؟ میں ایسی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس لئے مجھے سر چھپانے کی جگہ تو دو۔"

"تو اس قدر فکر مند اور پریشان کیوں ہو رہا ہے؟ تجھے یہاں سب کچھ ملے گا۔" سردار نے مجھے جیسے دلاسا دیا۔

"نہ صرف تجھے سر چھپانے کی بہترین جگہ ملے گی' بلکہ محافظ کتے اور عقاب...... یہ سب کچھ تجھے یہاں کے رسم و رواج اور روایات کے مطابق ملے گا۔ چاندنی کسی عام شخص کی نہیں' بلکہ ایک معزز سردار کی بیٹی ہے۔ تجھے ایک رسم ادا کرنا ہے۔"

"کیسی رسم سردار ساون......؟" میں نے حیرت بھری نظروں سے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"چاندنی کو اپنے ٹھکانے پر لے جانے سے قبل پگوڈا میں جا کر مقدس کرونا کے قدموں کو چوم کر اس سے یہ عہد کرنا ہوگا' کہ آج سے تو ہم میں ہی سدا رہے گا' اور کبھی فریب دے کر بھاگے گا نہیں۔"

میں دل ہی دل میں ہنسا۔ اپنے دل میں سردار ساون کو مخاطب کر کے استہزائیہ انداز میں بولا۔

"سردار ساون...... تو کیا جانتا ہے......؟ تجھے کیا معلوم......؟ تیری بستی کی یہ مقدس کرونا نہ صرف میرے ہاتھ میرے قدم تھام کر کئی بار چوم کر مجھ سے محبت کا عہد کر چکی ہے......وہ میری منکوحہ ہے۔ اب بھی اس نے اور ہماری محبت نے ایک عہد اور کیا ہے۔ میں اس وقت تک اس کے سنگ زندگی گزاروں گا' تاوقتیکہ وہ میرے تین لڑکوں کی ماں نہ بن جائے' اور ہاں اس نے ایک اور حیرت انگیز بات بتائی ہے۔ جب اس کی کوکھ میں کوئی جنم لیتا ہے' تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ لڑکی ہے یا لڑکا۔ لڑکی ہوئی تو وہ اپنے منتر سے اس کی جنس تبدیل کر لیتی ہے۔ اگر چاندنی کی کوکھ میں لڑکی ہوئی' تو میں اس سے کہہ کر اس کی جنس تبدیل کر دوں گا' لیکن تو ایک بات میری سمجھ لے...... بظاہر تو میں یہ اقرار کروں گا' کہ یہاں سے فرار ہو کر نہیں جاؤں گا' فریب نہیں دوں گا' فریب کیوں نہیں دوں گا۔ تو نے بھی تو فریب دے کر مجھے' اور میرے دوست کو پھانسا ہے۔ مجھے اپنے دوست سے محروم کیا ہے۔ میں یہاں سے بھاگوں گا' تو تیری بیٹی کو ساتھ لے جا کر اسے تجھ سے محروم کر دوں گا۔

"تو کیا سوچ رہا ہے......؟ تو نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟" سردار نے تیز لہجے

میں پوچھا۔

"میں ہر عہد خوشی سے پورا کروں گا۔" میں نے چونک کر جواب دیا۔

"مقدس کرونا میرے لئے بھی اتنی ہی مقدس ہے' جتنی تم لوگوں کے لئے۔"

میری بات سن کر سردار ساون اور شوالا کا چہرہ دمک اٹھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی' پھر سردار ساون نے مجھ سے کہا۔

"مجھے تجھ سے یہی امید تھی۔ کچھ دنوں کے بعد تجھے انعامات دوں گا۔ یہ ہیرے جواہرات ہوں گے...... میں تجھے اس بستی کا سردار بھی بناؤں گا۔ اس صورت میں کہ تو مقدس کرونا کو خوش رکھے' اور مقدس کرونا تجھ سے خوش ہو کر سردار بنانے کی اجازت دے دے۔ جب کبھی بھی مقدس کرونا تجھے کسی کام سے طلب کرے انکار نہ کرنا' اور ہاں تو اس کی جتنی سیوا کر سکتا ہے کرنا...... یہ مت بھولنا کہ مقدس کرونا اس بستی کی بہت ہی عزت دار ہستی ہے۔"

میں اسے کیا بتاتا کہ میں دو تین راتوں سے مقدس کردنا کو' اور کرونا مجھے خوش کرتی آ رہی ہے۔ وہ مجھ پر کس قدر مہربان ہے' وہ راتوں کو سیوا کرتی رہی ہے۔ مقدس کرونا بن کر نہیں' بلکہ ایک عورت بن کر۔ ہم دونوں محبت کے سمبندھ میں بندھ گئے ہیں۔ یہ بندھن کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

سردار ساون کی بات سنتے ہی اس وقت بستی سے آئے ہوئے چوبداروں نے چوٹ ماری' اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔

سردار ساون بڑے باوقار انداز میں ان چوب داروں کے پیچھے ہو لیا۔ اور پھر تمام مرد مجھے اور چاندنی کو اپنے حصار میں لے کر آگے بڑھنے لگے۔ ایک جلوس تھا' جو پگوڈا کی طرف بڑھ رہا تھا' اور فضا میں ڈھول کی آواز گونج رہی تھی۔

جلوس کی روانگی سے قبل ہی تمام کتوں اور عقابوں کو واپس لوٹا دیا گیا تھا۔ انہیں لاش کھانے کے مقصد سے بلایا گیا تھا۔ اب وہ شکم سیر ہو چکے تھے' اور اس وقت ان کی کوئی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔

کچھ دور تک یہ جلوس یوں ہی بڑھتا رہا تھا' اور پھر نقاروں کی آواز سے ہم آہنگ ہو کر وہ سب دھیمی دھیمی آواز میں کوئی مقدس گیت گانے لگے۔ گانے کے بول معلوم نہیں کیا تھے' لیکن ان کی آواز سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس میں خوشی کا عنصر شامل ہے۔ کیوں کہ دو ایک لوگ

رقص کرتے بھی جا رہے تھے۔

جب جلوس بستی میں سے گزرنے لگا' تب اس میں اور لوگ بھی شامل ہوتے گئے' لیکن حیرت کی بات تھی کہ ایک عورت بھی گھر سے باہر نہیں آئی تھی۔ جیسے تماشا دیکھنے...... ویسے میں نے دو ایک گھروں سے عورتوں اور لڑکیوں کو کھڑکیوں اور دروازوں کی اوٹ سے باہر جھانکتے دیکھا تھا۔ وہ بہت حسین تھیں' پرکشش تھیں۔

ابھی یہ جلوس پگوڈا سے کافی دور تھا' کہ اچانک شوالا جلوس میں سے نکل کر میرے قریب آ کر سرگوشی میں بولا۔

''اس جشن سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا اجنبی محسن!''

''میں کسی خوش فہمی میں مبتلا تو نہیں ہوں' لیکن بہت خوش ہوں۔'' میں نے کہا۔

''کیا تجھے میرا خوش ہونا برا لگ رہا ہے؟ کیا میں نے تیری بات مان کر دوسرے دعوے دار کو موت کی نیند سلا نہیں دیا؟''

''تو سدا خوش رہے...... لیکن میں تجھے یہ بتانا چاہ رہا ہوں' کہ مجھے کئی جوانوں کی آنکھوں میں خون کی پیاس' اور ان کے چہروں پر درندگی نظر آ رہی ہے۔ تجھے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔''

شوالا مجھے انجانے خطرات سے باخبر کر کے' پھر جلوس میں جا کر شامل ہو گیا۔ شاید اس لئے کہ میرے دشمنوں پر نظر رکھ سکے۔ چند لمحوں کے بعد میرے پہلو میں چاندنی کسمسانے لگی۔

''اجنبی!'' اچانک میرے کانوں میں ترنم جاگ اٹھا۔ چاندنی کی سہمی سہمی سی ہلکی سی آواز تھی۔ ''یہ شوالا کیا کہہ گیا ہے۔ میں اسے ٹھیک سے سن نہیں سکی ہوں' لیکن اتنا سمجھ سکی ہوں کہ کوئی خطرے والی بات ہے۔ کیا دشمن پیدا ہو گئے ہیں؟''

''تو فکر نہ کرنا چاندنی......'' میں نے اسے بھینچتے ہوئے کہا۔

''میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ تیری حفاظت کر سکوں۔ میں مر جاؤں' لیکن تجھ پر آنچ آنے نہیں دوں گا۔ ان کی کیا مجال کہ ہمارا بال تک بیکا کر سکیں۔''

وہ والہانہ انداز اور خود سپردگی سے میرے بدن سے چپکی رہی۔ اس کا سر میرے سینے سے لگا ہوا تھا' اور اس بدن سے پھوٹنے والی بھینی بھینی مسحور کن خوشبوئیں میرے دماغ پر سرور

کی ناقابل بیان کیفیت طاری کر رہی تھیں۔ میں نے کب ایسی خوشبوئیں محسوس کی تھیں۔ ایسی خوشبوئیں تو بازار میں دستیاب نہیں تھیں۔ ایک جنگلی عورت میں ایسی خوشبوؤں کا بسا ہونا تعجب خیز تھا۔

سورج طلوع ہوا' تو اس کی روشنی میں بستی کے جنوبی سرے پر بنی ہوئی پگوڈا کی پراسرار عمارت نظر آنے لگی تھی' اور اس پر پندرہ سرخ پرچم لہرا رہے تھے۔ اس بستی میں سب سے خوب صورت اور پرشکوہ عمارت یہی تھی۔

شوالا کی جانب سے ملنے والی تنبیہ ایسی نہ تھی' کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ چاندنی کی بدصورتی کے بارے میں جو مجھے بتایا گیا' وہ غلط بیانی تھی۔ چاندنی سے بستی کے نوجوان اس لئے شادی نہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ کچھ دنوں تک ریچھ کا نشانہ بنتی رہی تھی' اور اس کی کوکھ سے ریچھ کے نطفے نے جنم لیا تھا۔ شوالا نے اسے جس حالت میں میرے اور شنکر کے سامنے پیش کیا تھا' اگر اس حالت میں بستی والے چاندنی کو دیکھ لیتے' تو ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا' اور اس کے بہت سارے امیدوار پیدا ہو جاتے۔ بڑا خون خرابہ پیدا ہو جاتا۔ شاید کسی نے چاندنی کو نہیں دیکھا۔ شاید اس وقت دیکھا ہو گا' جب اسے میدان میں لایا جا رہا تھا۔ ایک جھلک نظر آئی ہو گی' جس نے پاگل کر دیا اور وہ میرے دشمن بن گئے۔

میں بہت زیادہ ہشیار اور چوکنا ہو گیا تھا۔ میری نگاہیں بار بار غیر محسوس انداز سے بستی کے جلوس کے باشندوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ شوالا نے مجھے جو کچھ بتایا تھا' وہ غلط نہ تھا۔ معاً میری نگاہ دو آدمیوں پر پڑی' جو نوجوان تھے اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔ جن کے چہروں پر شکست کی سیاہی اور آنکھوں میں قہر کی چنگاریاں کوند رہی تھیں۔ وہ بار بار میری جانب خوں خوار نظروں سے دیکھتے تھے۔ ان کے ہاتھ کئی بار ترکشوں کی طرف بڑھے اور رکے تھے۔ اس لئے کہ انہیں موقع نہیں مل پا رہا تھا۔ وہ شاید غیر محسوس انداز سے اور نظریں بچا کر میرا خاتمہ کرنا چاہتے تھے۔

اس اثنا میں چوبدار پگوڈا کے دیوہیکل دروازے پر پہنچ کر رک گئے۔ نقاروں کا شور یک لخت موقوف ہو گیا۔ بستی والے بھی اپنا مقدس گیت ختم کر کے پگوڈا کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ پھر میں نے جائزہ لیا۔ غافل رہنا نہیں چاہتا تھا۔

اس وقت میری چھٹی حس بیدار ہوئی' تو میری نگاہ اس جانب اٹھ گئی' جدھر میرے دو

دشمن موجود تھے۔

میں نے بڑی محتاط اور غیر محسوس ہشیاری سے پھر سے ان پر نظریں مرکوز کر دیں۔ ان میں سے ایک نے ہجوم کو سجدے میں دیکھ کر لمحے بھر کی تاخیر بھی نہیں کی۔ بڑی پھرتی سے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر کمان پر چڑھایا' اور میرا نشانہ لینا چاہتا تھا کہ...... ایک دوسرے شخص نے اس سے بھی زیادہ پھرتی سے اس کی جانب تیر چلا دیا۔

پہلا شخص اپنے نادیدہ دشمن سے بے خبر میری گھات میں تھا' اور اس کے وہم وگمان میں نہ ہوگا کہ وہ جو کسی کو شکار کر رہا ہے' خود شکار ہونے والا ہے۔ اس نے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ کوئی اس کی حرکات وسکنات پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔

دوسرے شخص کا پھینکا ہوا تیر اس کی گردن میں پیوست ہوگیا۔ میرے دشمن کا تیر کھانے سے اچھل کر چند قدم دور جا گرا۔ وہ ایک دردناک چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ پھر تڑپنے لگا۔

ادھر دوسرا شخص میرے دشمن کو نشانہ بنانے کے بعد فوراً ہی پھرتی کے ساتھ سجدے میں گر پڑا۔ کسی کو بالکل بھی خبر نہ ہوسکی کہ اسے کس نے مہلک تیر کا نشانہ بنایا۔ اس بات کا علم صرف مجھے ہوا تھا۔ میں نے یہ سارا کھیل دیکھا تھا۔

میرا دشمن چند لمحوں تک زمین پر تڑپتا رہا تھا' پھر اس کا جسم بے جان ہو کر رہ گیا۔ اس کی آتما آکاش کی طرف پرواز کر گئی تھی۔

لیکن مقدس کرونا کے سامنے ریز بستی کے لوگوں میں سے کسی انہماک میں کوئی فرق نہ آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مقدس کرونا کی غائبانہ پوجا کر کے اٹھے' تو ایک خون میں لت پت لاش ان کی منتظر تھی۔

''راکو کا یہ بدمعاش تھا...... اور کسی نادیدہ تیر نے اس کا فیصلہ کر دیا۔'' شوالا کی کرخت اور اونچی آواز نے سکوت کا سینہ چاک کیا۔ ''اس کے ہاتھوں بہت سے لوگوں کو آزار پہنچا' اور اب یہ خود آزار کا شکار ہوگیا۔''

ہجوم نے بلند آواز میں تشکر کے چند کلمات ادا کئے۔ وہ اوہام پرست شوالا کے زیر اثر تھے۔ اس لئے اس کی باتوں میں آ گئے تھے۔ شوالا بہت ذہین اور دور اندیش تھا۔ وہ یہاں کے لوگوں کی نفسیات سے خوب واقف تھا۔ انہیں بالکل بھی شبہ نہ ہوسکا تھا کہ راکو کو میری

دشمنی کی قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ سردار ساون چاندنی کے فاتح کی حفاظت کرے گا' اور اس کے جانثار میری حفاظت کر رہے ہیں۔ وہ سردار ساون کے جانثار کا نشانہ بن گیا تھا۔ شوالا نے جان لیا' اور دیکھ لیا تھا کہ میرا دشمن کون ہے؟ حقیقت بھی یہ تھی کہ وہ سردار ساون کے جانثار کا نشانہ بنا تھا۔

سردار ساون بھی بہت عقل مند تھا۔ اس نے بھی خطرے کی بو شاید اس وقت سونگھ لی تھی' جب میں فاتح بنا تھا۔ اگر وہ میری حفاظت پر پھرتیلے آدمیوں کو مامور نہ کرتا' تو اس وقت راکو کے بجائے میری لاش پڑی ہوتی۔

اس وقت فضا پر ایک سناٹا چھا گیا۔ مجمع کو اس شخص کے مرنے پر جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد شوالا نے کہا۔

''مقدس کرونا کا ایک بیٹا مارا گیا...... اب اس کی موت کے بعد اس کے چودہ بیٹے زندہ رہ گئے ہیں۔ لہٰذا پگوڈا پر سے ایک سرخ پرچم اتار دو۔ اس کے بعد بھی وہ سب سے زیادہ لڑکے جننے والی عورت رہے گی۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا ہوا ہے' کہ وہ مزید دس لڑکے دے گی۔ اب اس کا ایک بیٹا چوں کہ مر چکا ہے' شاید وہ گیارہ لڑکے جنم دے گی۔ مقدس کرونا بدستور ہماری مقدس ماں رہے گی، اور ہے بھی۔ یہ اجنبی فاتح اس کے سامنے اپنا عہد اٹھائے گا۔''

اس اثنا میں چوب دار پگوڈا نما مکان کے دیوہیکل دروازے پر پہنچ کر رک گئے۔ نقاروں کا شور یک لخت موقوف ہوگیا۔ پہلے نقاروں کا شور راکو کے مرنے کے بعد بند ہو کر پھر شروع ہوا تھا۔ ایسا لگا تھا' جیسے راکو کی موت کا جشن منایا جا رہا ہے۔ اس کی موت سے ہجوم کے چہروں سے خوشی پھوٹ پڑی تھی۔

پھر شوالا نے ایک تیرانداز کو اشارہ کیا' تو وہ تیر کمان سنبھال کر تیزی سے آگے بڑھا۔ پھر اس نے ایک جگہ کھڑے ہو کر پوزیشن لی۔ پھر اس نے پگوڈا کی بلند و بالا فصیل پر لہراتے ہوئے ایک سرخ پرچم کا نشانہ لیا۔ پھر اس نے تیر چلا دیا۔ تیر بانس توڑتا ہوا دوسری طرف نکل گیا' اور ٹوٹا ہوا سرخ پرچم نیچے آ رہا۔ اب وہاں صرف چودہ پرچم باقی رہ گئے تھے۔

مجھے اس لمحے ایک بہت یاد آئی کہ مقدس کرونا نے کہا تھا کہ وہ میرے تین بچوں کی ماں بنے گی۔ تو کیا اس صورت میں مجھے یہاں برسوں رہنا پڑے گا۔ وہ مجھے جانے نہیں دے

گی‘ کیوں کہ وہ مجھ پر مرمٹی تھی‘ اور پھر وہ پڑھی لکھی تھی۔ اس نے کیف ونشاط کے لمحات میں مجھ سے انگریزی میں محبت بھرے الفاظ ادا کئے تھے۔ بستی میں کسی کو اس کے ماضی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ نہ ہی اس نے کسی کو بتانا پسند کیا تھا۔ وہ مجھے یہاں سے فرار ہونے میں مدد دینے سے رہی۔ اس لئے مجھ جیسا نفیس‘ شائستہ اور مہذب شخص اسے مل نہیں سکتا تھا۔ اس سے جو راتوں کو خفیہ ملاقاتیں ہوئی تھیں‘ اس میں ہم نے صرف اپنی خواہشات پوری نہیں کی تھیں‘ بلکہ باتیں بھی کرتے رہے تھے۔ محبت کے علاوہ آج کی دنیا کے بارے میں۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ کبھی کسی دن اپنی کسی پراسرار قوت کی مدد سے آج کی جدید ترین اور سائنسی اور الیکٹرانکس انقلاب دیکھ آئے گی۔

اس نے ایک بات اور بھی جو بتائی تھی‘ وہ یہ تھی کہ آس پاس کی بستیوں میں اچھی خاصی آبادی ہے۔ اس کے بچوں کے جو باپ ہیں‘ وہ اس بستی کے نوجوان لڑکے اور مرد ہیں۔ وہ اپنے زیر اثر کسی مؤکل سے وہاں سے کسی آدمی کو اس طرح اٹھوا لیتی ہے‘ جس طرح اس نے میرے ساتھ کیا‘ لیکن وہ اپنی بستی میں واپس جانے کے بعد بھول جاتے ہیں۔ وہ اپنا منتر اس پر پھونک دیتی ہے۔ بس وہ اسے ایک رنگین اور سہانا سپنا سمجھتا ہے۔ اس بستی کے کسی بھی مرد کے ساتھ اس نے وقت نہیں گزارا‘ اور نہ وہ اس کے کسی بچے کا کوئی باپ ہے۔ چوں کہ بستی کے لوگ اسے ایک مقدس ماں کا درجہ دیتے ہیں‘ اس لئے اس بستی کے کسی مرد کو وہ بچے کا باپ نہیں بناتی ہے۔ آس پاس کی بستیوں میں مردوں کی کوئی کمی نہیں ہے‘ اور نہ عورتوں کی۔ نہ ان بستیوں میں اس بستی جیسے رسم ورواج ہیں۔

پھر میں نے ان تمام باتوں کے پیش نظر سوچا کہ مقدس کرونا کو اعتماد میں لینے کے بجائے چاندنی کو لوں گا۔

سردار ساون نے آگے بڑھ کر زمین پر بکھرا پڑا سرخ پرچم اٹھایا‘ اور اسے راکو کی لاش پر ڈال دیا۔

اس وقت پگوڈا کے دیوہیکل دروازے کے عقب میں ایک غراہٹ ابھری۔ وہ سب سینوں پر ہاتھ رکھے مؤدبانہ انداز سے کھڑے ہوگئے۔ ان کی نگاہیں دروازے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے دلوں میں مقدس کرونا کا بڑا احترام تھا۔ جیسے وہ مقدس کرونا نہیں بلکہ دیوی ہو۔

چند لمحوں کے بعد اندر سے دروازہ کھلا‘ پھر چند ثانیوں کے بعد پگوڈا کے اندر سے بھیڑیئے پر سوار مقدس کرونا نمودار ہوئی۔

آج بھی اس کے مرمریں‘ سڈول اور پرشباب گداز بدن پر بھیڑیئے کی سی کھال تھی۔ یہ لباس محض برائے نام تھا۔ اس کے حسن کی کرشمہ سازیاں واضح تھیں۔ میں نے دیکھا اور محسوس کیا کہ اس کے ہوش ربا سراپا اور ہیجان خیزی کے باوجود کسی ایک کی آنکھوں میں ہوس ناکی کا نام ونشان نہ تھا۔ اسے میلی نظروں سے نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس لئے کہ وہ اسے ماں کی جگہ سمجھتے تھے۔ چوں کہ پراسرار قوتیں اس کی رہنمائی کرتی تھیں‘ اور اس کے زیر اثر بھی تھیں۔ شاید اس لئے بھی ایک عورت کے تناظر میں نہیں دیکھتے تھے۔

اس کے علاوہ دوسری بات یہ تھی‘ کہ یہاں لڑکیاں اور عورتیں اس سے بھی گئی گزری حالت میں رہتی تھیں۔ حیوانوں کی طرح۔ صرف بالائی حصہ بے پردہ سا تھا۔ ایک پتا بھی نہیں ہوتا تھا۔ کوئی کوئی عورت اور لڑکی صرف ستر پوشی کرتی تھی۔ آزادی کا لبادہ اس لئے ہوتا تھا‘ وہ جاہل‘ اجڈ‘ غیر متمدن اور تہذیب سے عاری تھے۔ کسی حجاب اور حیا کا کوئی تصور نہ تھا۔ جوان لڑکے اور مرد بھی اکثر ننگ دھڑنگ تھے۔ سردار ساون اور شوالا اور کچھ مردوں کو ستر پوشی کرتے دیکھا تھا۔

+++

آج مقدس کرونا ایک نئے انداز اور روپ میں تھی۔ اس نے اپنے خوبصورت' لمبے چمک دار بالوں کو بڑی نفاست سے تراشا ہوا تھا۔ اس نے غازہ اور سرخی سے سجایا ہوا تھا۔ شاید اس نے غازہ' سرخی اور پوڈر کسی زیر اثر قوت سے کسی شہر یا آبادی سے منگوایا ہوگا۔ چوری کر کے لایا ہوگا۔ اس کا حسن کسی میک اپ کا محتاج نہ تھا۔ وہ شعلہ مجسم بنی ہوئی تھی۔ اس کا جسم شعلوں کی طرح آنچ دے رہا تھا۔ اس کی گردن پُرغرور انداز میں تنی ہوئی تھی۔

اس میک اپ سے اور بننے سنورنے سے اس کی عمر اور کم ہوگئی تھی، وہ اور حسین اور نوجوان دکھائی دے رہی تھی۔ سردار ساون نے اسے تعظیم دیتے ہوئے' اور اس کے سامنے جھکتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''مقدس ماں...... تیرا نابکار بیٹا راکو! آج کسی آسمانی تیر کی زد میں آ کر موت کا نشانہ بن گیا۔''

''اس کا مارا جانا ہی بہتر ہوا ہے۔'' مقدس کرونا نے کرخت آواز میں جواب دیا۔ اس کی آواز گونج اٹھی۔

''کیا تمہیں دکھ اور افسوس تو نہیں کہ تیرے پندرہ بیٹوں میں سے ایک کم ہوگیا۔'' سردار ساون نے کہا۔

''نہیں...... بالکل نہیں......'' مقدس کرونا نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے کیوں دکھ اور افسوس ہوگا۔''

''لیکن مقدس ماں!'' سردار ساون نے کہا۔

''وہ تیرا بہت ہی پیارا بیٹا تھا......''

''پچھلی رات وہ پگوڈا میں آیا تھا'' وہ کرخت اور سپاٹ لہجے میں کہنے لگی۔

''خون کے رشتے کا واسطہ دے کر مجھ سے التجا کی تھی' میں اپنی پراسرار قوتوں سے چاندنی کو اس کے حوالے کر دوں۔ وہ اسے لے کر کسی بستی کے ویران پہاڑوں میں روپوش ہو جائے گا۔ میں نے اس سے کہا کہ تو پہلے ہی ایک بستی میں دو بہنوں کے ساتھ رہ رہا ہے۔ اس میں ایک کی عمر تیرہ برس کی' اور دوسری سولہ برس کی' کسی اور ایک بستی میں تو نے ایک بیس برس کی عورت کو' جو کسی اور ملکیت تھی' رکھا ہوا ہے۔ کیا تیرا دل ان سے بھرا نہیں؟ تو جا...... چاندنی کا خیال دل سے نکال دے۔ اس لئے کہ اس کے دو امیدوار ہیں۔ اگر تو...... چاندنی کو حاصل کرنا چاہتا ہے' تو سردار کے پاس جا' اور تو بھی یہاں کے رسم و رواج کے مطابق مقابلے میں حصہ لے۔ میں تیری اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کروں گی' جس پر اسے طیش آ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں چاندنی کو اغوا کر کے لے جاؤں گا۔ یہ سن کر میں نے اس کی سخت سرزنش کی۔ اور آج میرا فیصلہ تھا کہ میں بستی کے سامنے اپنے بھیڑیئے سے نچواؤں گی۔ جانتے ہو اس نے کیا جرم کیا تھا؟

مقدس کرونا استفسار طلب نظروں سے ہجوم کا جائزہ لینے لگی' لیکن وہاں مہر لب سکوت تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر استعجاب چھایا ہوا تھا۔

''ہم تیرے حقیر پجاری ہیں مقدس کرونا۔'' چند لمحوں کے بعد سردار ساون نے اس بوجھل سکوت کو توڑا۔ ''تو ہی ساری باتوں سے باخبر ہے...... تو جانتی اور بتا سکتی ہے اور باخبر رہتی ہے ہم کچھ بھی نہیں جانتے ہیں۔''

''تو سنو! راکو بستی کی روایات کا مجرم تھا۔'' مقدس کرونا پُروقار انداز میں کہنے لگی۔

''اس نے ایک روز چوری چھپے چاندنی کو نہاتے دیکھ لیا تھا' اور اس پر مر مٹا تھا۔ مگر وہ اس وقت اس کا دعوے دار نہیں ہو سکتا تھا' کیوں کہ اس وقت چاندنی کی عمر بارہ برس کی تھی۔''

''مگر اس وقت وہ چاندنی کو اس حالت میں دیکھ کر خود پر قابو نہ پا سکا۔'' مقدس کرونا نے سانس لینے کے بعد ٹھہر ٹھہر کر بتانا شروع کیا۔

''اس نے سوچا کہ وہ اسے اٹھا کر لے جائے' لیکن اس نے دور سے چاندنی کے باپ کو دیکھ لیا تھا۔ اس لئے وہ اپنی بدنیتی پر عمل نہ کر سکا۔ اسے چاندنی کو حاصل کرنے کے لئے اس کی تیرہویں برس کی عمر ہونے تک انتظار کرنا پڑتا' اور پھر اسے اپنے حریفوں سے خون

آشام مقابلہ کرنا پڑتا‘ لیکن چاندنی کو فاتح حاصل کرنا‘ یہ مقابلہ اتنا آسان نہیں ہوتا تھا کہ چاندنی اسے مل جائے۔

اس کے لئے ایک برس کا انتظار بڑا کربناک‘ اذیت ناک اور سوہان روح تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی چاندنی کو اٹھا کر لے جائے‘ لیکن محافظ کتوں اور عقابوں کی وجہ سے وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے دو مرتبہ اور چھپ کر چاندنی کو تالاب پر نہاتے دیکھا تھا۔ اس وجہ سے ایک ایک دن اس کے لئے ایک ایک صدی بن گیا تھا۔ وہ راتوں کو اس کے فراق میں جلتا رہا۔

پھر اس کے ناپاک ذہن میں گمراہیوں نے ڈھیرے ڈال دیئے۔ کل رات کی بات ہے کہ اس نے میرے پاس آ کر خود اعتراف کیا کہ ایک رات اس نے دھوکے سے چاندنی کو اغوا کر لیا۔ اس رات وہ گھر پر اکیلی تھی۔ اس کا باپ اپنے محافظ کتے اور عقاب کے ساتھ ایک قریبی بستی میں کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ اس نے چاندنی کے کمرے میں جھانکا‘ وہ جاگ رہی تھی۔ اس نے چاندنی سے کہا کہ اس کے باپ نے لینے کے لئے بھیجا ہے۔ قریبی بستی میں اس کا انتظار کر رہا ہے۔ چاندنی اس کی باتوں میں آ کر اس کے ساتھ چل پڑی۔ اسے بالکل بھی احساس نہ ہو سکا تھا‘ کہ راکو دھوکے سے اسے اغوا کر کے لے جا رہا ہے۔

جب وہ کسی بستی کے بجائے اسے ساتھ لے کر جنگل کی طرف بڑھا‘ تو چاندنی کا ماتھا ٹھنکا۔ اسے شک ہو گیا کہ راکو نے اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ چاندنی نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کیا‘ تو چاقو نکال لیا‘ پھر اسے دہشت زدہ کر کے دبوچ لیا‘ اور کندھے پر ڈال کر اونچے پہاڑوں اور گھنے جنگلات میں لے گیا۔ وہاں ایک پہاڑی غار تھا۔ جب وہ غار میں پہنچا تو صبح ہو چکی تھی۔

راکو نے اس کی عزت سے کھیلنا چاہا‘ مگر وہ راکو کا مقابلہ کرتی رہی۔ چوں کہ راکو کا چاقو اس کے ہاتھ لگ گیا تھا‘ اس لئے راکو اپنے گھناؤنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ دو دن تک وہ راکو سے مقابلہ کرتی رہی تھی۔ آخر تیسرے روز ایک پہاڑی ریچھ عورت کی بو پا کر ادھر آ نکلا۔ ریچھ عورتوں کے بڑے دیوانے ہوتے ہیں۔ راکو نے اس کا مقابلہ کیا۔ آخر اسے زخمی ہو کر فرار ہونا پڑا۔

ریچھ نے چاندنی کے ساتھ وہ کچھ کیا‘ جو راکو نہیں کر سکا تھا۔ وہ تین دن تک اس ریچھ

کی زیادتی کا نشانہ بنتی رہی تھی۔ اس سے نجات پانے کی تدبیریں سوچتی رہی تھی۔ چوتھے دن وہ غار سے باہر ابتر حالت میں پڑی تھی کہ سردار کے محافظ عقاب نے اسے دیکھ لیا‘ جو سردار کے ساتھ اس کی تلاش میں نکلا تھا‘ پھر وہ اپنی بیٹی کو گھر لے آیا۔ سردار راکو کی تلاش میں تھا‘ لیکن راکو جس بستی میں روپوش تھا‘ وہاں سردار کا حکم نہیں چل سکتا تھا۔ اس لئے بھی کہ راکو اس بستی کی دو لڑکیوں اور ایک عورت کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا۔ اس کی ذات سے بستی والوں کو یہ فائدہ تھا کہ وہ دور افتادہ جزیروں سے اجناس لاتا تھا۔

چاندنی کی بے عزتی اور نحوست کا ذمے دار اور مجرم راکو تھا۔ وہ مرنے کی حد تک چاندنی کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔

پچھلی رات میں نے اس کا اعتراف سننے کے بعد ہی فیصلہ کر لیا تھا‘ کہ اسے بھیانک سزا دوں گی۔ وہ میرا بیٹا ہوا تو کیا ہوا۔ گو کہ اس نے میری کوکھ سے ضرور جنم لیا تھا‘ مگر وہ گندا کیڑا تھا۔ وہ مر کر بھی میرے عہد کو جھوٹا نہ کر سکے گا۔ میں اس کی لاش کو اپنے بھیڑیئے سے نچواؤں گی‘ تا کہ آئندہ کوئی بھی کسی لڑکی یا عورت کے ساتھ ایسی حرکت نہ کر سکے۔ ہاں اگر چاندنی کو اس سے محبت ہوتی‘ اور چاندنی اپنی خوشی اور مرضی سے اس کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی‘ تو پھر میں سردار سے کوئی مشورہ کرتی۔“

مقدس کرونا کا سنسنی خیز انکشاف سننے کے بعد ہر کوئی اس طرح سکتے میں رہ گیا‘ جیسے اس پر کوئی بجلی سی آ گری ہو۔

حسین و جمیل چاندنی میرے پہلو میں لگی خاموشی سے سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ شاید اسے اپنی بدنصیبی اور مظلومیت کے وہ لمحات یاد آ گئے تھے‘ جب وہ راکو سے اپنی آبرو کی جنگ جیتنے کے بعد ایک وحشی درندے کے ہاتھوں پامال ہو چکی تھی‘ جیسا کہ بعد میں میرے علم میں آیا تھا کہ عقاب نے اس درندے کو ہلاک کر دیا تھا۔

چند لمحوں کے توقف کے بعد مقدس کرونا نے اپنے خوں خوار بھیڑیے کو راکو کی لاش کی طرف اشارہ کیا‘ جو ایک طرف کھڑا تھا۔

وہ دبی دبی غراہٹ کے ساتھ راکو کی لاش کی طرف بڑھنے لگا۔ مقدس کرونا بدستور اس کی پشت پر سوار تھی۔ اس بھیڑیے نے نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ راکو کی لاش کو الٹ پلٹ کر پہلے تو سونگھا‘ پھر سر گھما کر مقدس کرونا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے بڑی شان کے

ساتھ اپنے سر کو جنبش دی' اور بھیڑیا بے رحمی کے ساتھ راکو کی لاش کو ادھیڑنے لگا۔

''تم سب نئے جوڑے کے ساتھ پگوڈا کے اندر پہنچو۔'' مقدس کرونا نے بھیڑیے کی غراہٹوں کے درمیان کہا۔

''میں عہد پورا کر کے آتی ہوں۔ اس نے صرف ابھی آدھی لاش ہی حلق سے اتاری ہے۔''

میں ان قبائلیوں کی خون ریزی سے سخت پراگندگی کا شکار ہو چکا تھا' اور راکو کی لاش کے سامنے سے جلد سے جلد ہٹ جانا چاہتا تھا۔ حیرت اس بات کی تھی کہ مقدس کرونا بھی ان درندوں کے رنگ میں پوری طرح رنگی ہوئی تھی۔ اس کا دل پتھر کا ہو گیا تھا۔ اس میں ماتا بالکل بھی نہ رہی تھی۔ یہ کیسی ماں تھی' جو ایک بھیڑیئے کو بیٹے کی لاش کھاتے دیکھ رہی تھی۔ یہ اس عورت سے بہت مختلف تھی' جس کے ساتھ میں نے راتیں گزاری تھیں۔ مجھے وہ موم کی عورت لگی تھی۔ بہرحال مقدس کرونا کا اشارہ پاتے ہی میں پگوڈا کے اندرونی حصے کی طرف بڑھنے لگا۔ پورا جلوس مجھ سے پہلے ہی حرکت میں آ چکا تھا' اور وہ پگوڈا کے دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔

پگوڈا کے اس بڑے کمرے میں پہنچ کر سب لوگ دیواروں کے ساتھ پھیل گئے' جہاں میں پہلے بھی ایک بار آ چکا تھا۔ اس وقت بھی پتھریلی دیواروں اور چھال کی چھت والے اس وسیع ہال میں نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

سردار ساون کی ہدایت پر میں سرتاپا لبادوں میں چھپی ہوئی چاندنی کو لے کر اس وسیع کمرے کے ایک سرے پر بنے ہوئے پختہ چبوترے پر جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد مقدس کرونا پیدل چلتی ہوئی اس کمرے میں داخل ہوئی۔

بھیڑیئے کو وہ شاید باہر ہی چھوڑ چکی تھی۔ شاید وہ ابھی تک پوری لاش کو صاف نہیں کر سکا تھا۔ قریب آ کر مقدس کرونا نے مجھے اپنی داہنی جانب اور چاندنی کو بائیں طرف کھڑا کیا۔ سردار ساون مٹی کا ایک پیالہ اور لمبی سی سوئی لے آیا۔ مقدس کرونا نے لبادے میں ہاتھ ڈال کر کچھ کیا۔ جب سوئی اور پیالہ سمیت اس کے ہاتھ باہر آئے' سوئی کی نوک اور پیالے کے پیندے میں خون کی چند بوندیں چمک رہی تھیں۔ پھر اس نے اپنے خوب صورت' مرمریں اور سڈول ہاتھ سے میرے داہنے بازو میں وہ سوئی پیوست کی اور میں سسکاری لے

کر رہ گیا۔ سوئی نکالنے کے بعد مقدس کرونا نے میرا بازو دبا کر خون کی چند بوندیں اس پیالے میں نکالیں' اور کوئی عمل پڑھتے ہوئے سوئی کی نوک سے میرے اور چاندنی کے خون کی بوندیں ملانے لگی۔

ہم دونوں کا خون ملانے کے بعد اس نے وہ پیالہ فرش پر رکھ دیا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے مجھے ہدایت کی کہ اب میں اس کے کہے ہوئے الفاظ دہراتا ہوا جاؤں۔ وہ الفاظ کچھ یوں تھے۔

''میں جو ایک اجنبی ہوں' اور اس زمین پر ایک لڑکی کا مالک ہوں' جہاں ہر سو مقدس کرونا پوجی جاتی ہے۔ پندرہ نروں کو جنم دینے والی مقدس کرونا کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں کہ اب یہی بستی میرا وطن ہے۔ اور میں کبھی بھی یہاں سے نہیں جاؤں گا۔

جب تک خون خوار شکاری کتے میرے محافظ ہیں' اور وہ عقاب جو شکار لاتے ہیں، میں مقدس کرونا اور اس کے پجاریوں سے غداری کبھی نہیں کروں گا۔ اب میں ساری زندگی اس بستی کا باشندہ رہوں گا۔''

میں مقدس کرونا کے الفاظ دہراتا گیا۔ لیکن میری زبان پر جو الفاظ تھے' وہ میرے دل میں نہیں تھے۔ وہ بھگوان نہیں تھی...... ایشور نہیں تھی...... دیوی نہیں تھی...... ایک آبرو باختہ عورت تھی۔ اس کی ساری زندگی غلاظت سے بھری ہوئی تھی۔ اس میں تعفن تھا۔ اس سے عہد کرنا اور سوگند کھانا کیا معنی تھا؟ میں جو دل میں اسے مخاطب کر کے جو کہتا جا رہا تھا وہ یہ تھا۔

''میں ایک اجنبی ہوں۔ اس سرزمین پر ایک لڑکی کو میری ملکیت میں دے دیا گیا ہے۔ میں دھوکے' فریب اور چال بازی سے ایک بدصورت لڑکی کے لئے پھانسا گیا۔ میرا شکار کیا گیا۔ وہ لڑکی بدصورت نہیں خوبصورت ہے۔ میں اس عورت کو مقدس نہیں مانتا ہوں۔ میں بھگوان کی سوگند کھا کر عہد کرتا ہوں کہ یہ بستی میرا دیس نہیں ہے۔ میں یہاں زیادہ عرصہ نہیں رہوں گا۔ میرا محافظ میرا بھگوان ہے۔''

میں نے جیسے ہی مقدس کرونا سے عہد پورا کیا' تمام لوگ تشکرانہ انداز میں اپنی مقدس ماں کے سامنے جھک گئے۔ اس عورت نے ابھی تک اپنے منتر سے اپنے آپ کو حسین' نوجوان اور توبہ شکن جسم کا مالک بنا رکھا تھا۔ اس وقت مقدس کرونا نے اپنے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی۔ اس کے تاریک ہال کے کسی گوشے سے ایک عقاب پھڑپھڑاتا ہوا آیا'

اور میرے شانے پر بیٹھ گیا۔

"تیرا کتا...... تیرے مکان پر موجود ہے۔ جا اب اس بستی میں تجھے کھلی چھوٹ ہے۔"
مقدس کرونا نے میرا شانہ تھپتھپا کر کہا۔

مقدس کرونا نے مجھے اس لمحے جن نظروں سے دیکھا' اس میں بڑی معنی خیزی تھی۔ اسے صرف میں ہی سمجھ سکتا تھا۔ اس کی نگاہوں کی زبان نے مجھ سے نہیں میری نگاہوں سے کہا تھا کہ......تم چاندنی کو پا کر مجھے بھول نہ جانا۔ میرے پاس بھی آتے رہنا۔

میں چاندنی کو اپنے ہمراہ لے کر پگوڈا سے باہر نکل آیا۔ باقی لوگ بھی باہر آ کر اپنے اپنے گھروں پر ہو لئے۔

پگوڈا کے باہر میدان میں خون کے چند دھبے یا سرخ پرچم کے چیتھڑے ہی باقی رہ گئے تھے۔ شاید وہ خونی بھیڑیا راکو کی ہڈیاں تک چبا گیا تھا۔ وہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا۔ شاید عقبی راستے سے پگوڈا میں چلا گیا تھا۔ اب مجھے اس درندے کو دیکھ کر کرنا بھی کیا تھا' جس نے پورا ایک آدمی ہڑپ کر لیا تھا' اور شاید اس نے ڈکار تک نہیں لی ہو گی۔

شوالا مجھے اپنے ہمراہ لے کر بستی کے سرے پر واقع گھاس پھوس اور مٹی سے بند ہوئے مکان پر پہنچا' جس کے باہر ایک خوں خوار شکاری کتا اپنی کمر سے بندھا وزنی پتھر گھسیٹتا پھر رہا تھا۔ شوالا نے حلق سے باریک سی آواز نکالی' تو میرے کندھے پر بیٹھا ہوا عقاب مکان کی چھت پر جا بیٹھا۔ شوالا ہم دونوں کو لے کر مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ مکان اندر سے اچھی حالت میں تھا۔ ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

"اجنبی! اب تو چاندنی کے چہرے سے نقاب الٹ دے۔" شوالا نے کہا' تو مجھے اس کا لہجہ بڑا عجیب اور پراسرار سا لگا۔

میں نے دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے چاندنی کے چہرے سے لبادہ کھینچ لیا۔

حیرت اور صدمے سے میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ مجھے ایسا لگا' جیسے مجھ پر کوئی بجلی سی آ گری ہو۔ مجھ پر سکتہ سا چھا گیا۔

چاندنی کے چہرے اور بدن سے پورا لبادہ اتر چکا تھا۔ اب وہ پھوس کی دیواروں سے چھن چھن کر آتی ہوئی روشنی میں پتوں کے لباس میں ملبوس ایک معذور لڑکی میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا تناسب اور چھریرا بدن اور لمبی قامت بھی اس کی معذوری کو چھپا نہ

سکی تھی۔ گندمی رنگت اور ستواں ناک والی اس لڑکی کی بائیں آنکھ غائب تھی' اور وہاں کسی پرانے زخم کے رہے سہے نشانات نمایاں نظر آ رہے تھے۔ اس کا پورا جبڑا اس طرح چک رہا تھا کہ میں پھریری لے کر رہ گیا۔

میں نے نفرت' صدمے اور طیش کے عالم میں شوالا کو گھورا' تو اس کے ہونٹوں پر ایک سوگوار سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"یہ...... یہ کون ہے......؟ یہ چاندنی تو نہیں ہے......؟" میں دھاڑا۔ جی میں آیا کہ اس کا گریبان جھپٹ کر اس کا منہ توڑ دوں۔

"یہی تو چاندنی ہے اجنبی!" وہ دکھ بھرے لہجے میں بولا۔

"تو جھوٹ بول رہا ہے۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

"تو نے مجھ سے فریب کیا ہے......؟" میں نے ہذیانی لہجے میں چیخ کر کہا۔

"میں نے تو کوئی اور ہی لڑکی دیکھی تھی۔ اسے ہرگز نہیں دیکھا تھا۔"

"جسے تو نے دیکھا تھا' وہ میری اپنی بیٹی تھی۔" شوالا نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"اس کی عمر ابھی بارہ برس کی ہے۔ اس لئے میں تیرے سامنے اسے لے آیا تھا۔ تو نے اپنے ساتھی سے مل کر جھوٹے مقابلے کا فریب دینا چاہا' اور میں نے جوابی فریب سے تم دونوں کی چال ناکام بنا دی۔ میں سردار ساون کا سچا نمک خوار ہوں۔ میں نے اس کی عزت اور سرداری کے لئے یہ بات ہمیشہ راز رکھی کہ...... چاندنی جب پہاڑوں میں ملی تو پہاڑی ریچھ کے ہاتھوں بری طرح زخمی تھی۔ مگر افسوس پھر بھی اس بستی سے چاندنی کا کوئی دعوے دار نہ آیا۔ آخر کار ہمیں یہ داؤ کھیلنا پڑا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چوں کہ میں بھی ایک لڑکی کا باپ تھا' اس لئے ایک باپ کا دکھ مجھ سے دیکھا نہ گیا۔"

"لے جاؤ اسے...... میں اسے کسی قیمت پر قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔" میں نے ہیجانی لہجے میں چیختے ہوئے کہا۔

"میں چیخ چیخ کر ساری بستی والوں کو بتا دوں گا کہ......شوالا نے چاندنی کے نام پر اپنی لڑکی مجھے دکھائی تھی۔ مجھے اور میرے دوست کو جان کا خوف دلا کر چاندنی کی دعوے داری پر مجبور کیا تھا۔ اس نے ہمارے ساتھ زبردست مکاری کی ہے۔"

"اب تیر کمان سے نکل چکا ہے اجنبی!" شوالا کا لہجہ بدستور نرم تھا۔ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بڑے سکون سے بولا۔

میں اس کے فریب پر غم و غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

"بستی والے تجھے اور تیرے سردار کو معاف نہیں کریں گے۔"

"تو بہت زیادہ جذباتی ہو رہا ہے' اور غصے سے اندھا ہو رہا ہے۔" وہ بدستور سابقہ لہجے میں کہنے لگا۔

"تو اس لڑکی کو غور سے دیکھ اجنبی! کبھی یہ میری بیٹی سے زیادہ حسین تھی۔ اسے چاند اور پھولوں سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ کیا تجھے اس کے خدوخال میں تجھے ماضی کی خواب کہانیاں نظر نہیں آتیں؟ اس کا باطنی حسن تو محسوس نہیں کر رہا ہے۔"

میں نے نہ چاہتے ہوئے ایک نظر چاندنی کی طرف دیکھا' جو ایک طرف گم سم سی کھڑی میری اور شوالا کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کی داہنی آنکھ میں دکھ اور درد کا گہرا سمندر تھا' اور وہ صاف و شفاف آنسوؤں سے چھلک رہی تھی۔

شوالا واقعی سچ کہہ رہا تھا۔ چاندنی کے زخموں میں کسی وحشی حسن کی کارفرمائیاں بالکل واضح نظر آ رہی تھیں' اور پھر اس کا جسم کشش کے خزانوں سے بھرا ہوا تھا' لیکن اس کا چہرہ جسم کا تاثر ختم کر رہا تھا۔ وہ معذور نہ ہوتی' تو ایک مجسم قیامت ہوتی۔ اس کی انگ انگ سے مستی ابل پڑ رہی تھی' لیکن میں صرف اس کے جسم کا اسیر ہو کر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے خدوخال بتا رہے تھے' کہ وہ واقعی لاکھوں میں ایک رہی ہوگی' لیکن وہ تو اب ایک ڈراؤنا خواب تھی' جو بیداری پر بھی کبھی میرا پیچھا چھوڑنے کے لئے تیار نظر نہیں آتا تھا۔ میں چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ اس لئے کہ میری سانسیں نفرت اور غصے اور غم سے اس طرح پھول رہی تھیں' جیسے میں بہت دور سے بھاگتا ہوا آیا ہوں۔

"نہیں شوالا!" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"یہ سودا مجھے کسی قیمت پر منظور نہیں۔ زندگی اور خوشیوں کا سوال ہے۔ اس لڑکی کے ساتھ میری زندگی ایک عذاب ہوگی۔ میں اسے کوئی خوشی نہیں دے سکوں گا۔ اس کی زندگی بھی عذاب ہو جائے گی۔ اب مجھے اپنی زندگی کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ میں موت سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ ایسی عذاب ناک اور اذیت بھری زندگی سے موت بہتر ہے۔ میں

جانتا ہوں کہ کوئی نادیدہ مجھے موت کے منہ میں دھکیل دے گا' لیکن ایک بات تو یاد رکھ' اچھی طرح سن لے میں مرتے مرتے تجھے اور سردار کو بھی لے مروں گا۔ تیری اور سردار کی مکاری کا پردہ چاک کر دوں گا' اور تو دیکھے گا کہ تیرا سردار اور تو بستی کی تمام گلیوں میں گھسیٹا جائے گا۔"

شوالا نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ میں نے جو کہا تھا' اس نے بڑی خاموشی اور تحمل سے سنا تھا۔ اس کی جہاں دیدہ آنکھیں کسی گہری سوچ میں غرق تھیں۔ وہ کیا سوچ رہا تھا' مجھے اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ شاید یہ سوچ رہا تھا کہ سانپ بھی مر جائے، لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے۔ وہ غصے کے بجائے کسی تدبر سے کام لینا چاہتا تھا۔

اچانک چاندنی سسک کر رو پڑی۔ اس کے لئے خود پر قابو پانا دشوار ہو گیا' پھر وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔

"مجھے قبول کر لو...... ورنہ میں مر جاؤں گی۔ میں ساری تمہارے قدموں میں پڑی رہوں گی۔ تمہاری غلامی کرتی رہوں گی۔ تم مقدر کا فیصلہ سمجھ کر مجھے قبول کر لو' تو میں ساری زندگی تمہاری یہ دیا بھولوں گی نہیں۔"

وہ میرے قدموں سے لپٹ گئی۔ میں نے اسے اپنے قدموں سے ہٹانا چاہا' لیکن وہ میرے قدموں سے لپٹی ہی رہی۔

یہ صورت حال اس قدر نازک اور جذباتی تھی کہ میں بھی جذباتی کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ میرے نزدیک چاندنی بڑی قابل رحم تھی۔ اس غریب پر جو قیامت گزری' اس میں اس کا کیا دوش تھا۔ وہ معصوم تھی۔ اسے کسی بات کا الزام نہیں دیا جا سکتا تھا' مگر سردار اور شوالا نے میرے ساتھ جو کچھ کیا تھا' اس نے میری نس نس میں نفرت کا زہر گھول دیا تھا۔

اس وقت یہاں کوئی بھالا' چاقو یا خنجر نہیں تھا' اور نہ ہی شوالا کے ہاتھ میں بھالا تھا۔ اگر بھالا ہوتا' تو اس سے چھین کر اس کے سینے میں اتار دیتا' اور پھر اس کی لاش باہر لے جا کر پھینک دیتا' تاکہ کتے اسے چیر پھاڑ کر کھا جائیں' اور عقاب بھی ٹوٹ پڑیں۔

"سن اجنبی! آخر تو اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے؟" آخر شوالا نے قدرے خشونت بھرے لہجے میں کہا۔

"تو کسی غلط فہمی میں مت رہنا۔ میں سردار سے کتنی محبت کرتا ہوں اور اس کا کیسا جانثار ہوں، تجھے ابھی تک اس کا اندازہ نہ ہو سکا۔ میں اس کی عزت اور اس کی زندگی کی سلامتی کے

لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ تجھے کسی بھی لمحے موت کی نیند سلا کر تیری لاش کتوں اور عقابوں کے سامنے ڈال کر پوری کہانی ختم کی جا سکتی ہے۔"

اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی چاندنی کسی زخمی غضب ناک شیرنی کی طرح بپھر کر اس کے مقابل آ گئی۔

"تجھے یہ حق کس نے دیا ہے' کہ تو میرے مرد کو موت کی دھمکیاں دے...... کیا تو اس بات کو بھول رہا ہے کہ اس نے موت سے پنجہ لڑا کر مجھے حاصل کیا ہے۔ اس نے میرے حصول کے لئے اپنی زندگی کی بھی پروا نہیں کی۔"

چاندنی!" اس لڑکی کی بے باکی اور جرأت مندانہ باتوں پر پہلے تو شوالا کو حیرت ہوئی' پھر وہ غضب ناک ہو کر بولا۔

"کیا تو بھول گئی کہ میں نے تیری خاطر کیسی کیسی پریشانیاں مول لیں۔ مقدس ماں کرونا کی قسم! اگر تو میرے سردار کی بیٹی نہ ہوتی' اس گستاخی پر میں تیرا نرخرا اور ٹانگیں چیر دیتا۔"

"نکل جا یہاں سے' میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔" چاندنی اسے باہر کی جانب دھکا دیتی ہوئی غرائی۔

"میری زندگی میں کسی کی ہمت اور مجال نہیں کہ میرے مرد کی بے عزتی کرے۔"

"دیکھوں گا...... تجھے بھی دیکھوں گا۔" شوالا سرخ ہو کر آنکھوں میں چنگاریاں لئے پیر پٹختا باہر نکل گیا۔

میں نے صرف ایک پل میں محسوس کر لیا تھا' کہ یہ کوئی ناٹک نہیں تھا۔ چاندنی کا لہجہ سچائی کا ثبوت تھا۔

جب شوالا باہر نکل گیا' تو چاندنی نے پلٹ کر محبت آمیز انداز میں میری طرف دیکھا' اور پھر والہانہ انداز سے میرے سینے سے آ لگی۔ اس میں بڑی وارفتگی اور خود سپردگی تھی، اور میں نے غیر ارادی طور پر اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ اور جھونپڑے کی فضا محبت کے نئے اور رنگین رنگوں سے مہک اٹھی۔ میرے دل کے کسی کونے میں یک بیک ہی اس معذور اور بدصورت لڑکی کے لئے محبت اور عزت کے جذبات جاگ اٹھے۔ جو وحشیوں کے درمیان رہ کر بھی اپنی روایات سے بغاوت کرنے کی جرأت رکھتی تھی۔ اور میں محبت کے ان اولین

لمحات کو یادگار بنانے کے لئے کچھ دیر کے لئے سب کچھ بھول گیا۔ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گیا۔

جس لڑکی کو میں نے نادانستگی میں محض بدصورتی کی وجہ سے دھتکار دیا تھا' وہ تو پرستش کے قابل نکلی تھی۔

اس کے پاس ایک ایسا منتر تھا' جو کسی جادوگر کے پاس نہیں' صرف ایک عورت کے پاس ہوتا ہے۔ محبت کا منتر...... جس کے سامنے دنیا کے ہر منتر ہیچ اور بے بس ہیں۔ عورت اپنے اس منتر سے مرد کو اپنا بنا لیتی ہے اور اس کا دل جیت لیتی ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شوالا کی بارہ برس کی لڑکی' جو دیکھنے میں سولہ برس کی معلوم ہوتی تھی۔ یہاں کی لڑکیاں اور عورتیں اپنی عمر سے دو چار سال بڑی دکھائی دیتی ہیں۔ ان کی اٹھان ہی ایسی ہوتی ہے۔ شوالا نے جس حالت میں اپنی بیٹی کو پیش کیا' وہ جیسی حسین اور پرکشش تھی' چاندنی ایسی نہ تھی' لیکن اس وقت چاندنی کے محبت کے منتر کی وجہ سے اس کا حسن اور پرشباب بدن ماند پڑ گیا تھا۔

چاندنی کی محبت کا منتر میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں ایسا اترا کہ وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی بن گئی تھی۔ ہماری یہ سہاگ رات نہیں' بلکہ سہاگ دن تھا۔ چاندنی اتنی معصوم ہو گی' اس کا دل اتنا خوبصورت ہو گا' وہ بدصورت سے خوب صورت لگے گی۔ اس کا اندازہ نہ ہو سکا تھا۔

شوالا سے جھڑپ کی وجہ سے چاندنی بھی پریشان ہو گئی تھی۔ میری حمایت میں اس نے شوالا کی بری طرح تذلیل کی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ شوالا سردار کی وجہ سے اس کی باتیں برداشت کر کے چلا گیا تھا۔ اگر وہ سردار کا سچا دوست' وفادار اور جانثار نہ ہوتا' تو شوالا شاید چاندنی کی درگت بنا دیتا۔ شوالا اپنے سردار اور چاندنی سے کتنا مخلص تھا' اس بات کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا تھا' کہ وہ اپنی نوجوان بیٹی کو آزادی کے لبادے میں اس لئے لایا تھا کہ میں اور شنکر اسے چاندنی سمجھ کر آپس میں مقابلہ کریں۔ واقعی اس کی بیٹی اتنی حسین' نوجوان اور دل کش تھی کہ اس کے حصول کے لئے دس خون کئے جا سکتے تھے۔ کون باپ ہے' جو اپنی بیٹی کو اس حالت میں لا کر کھڑا کر دے۔

ان تمام باتوں کے باوجود چاندنی کا یہ کہنا تھا' کہ شوالا سخت کینہ پرور ہے' اور اپنی بے

عزتی کا کسی بھی دن خوفناک انتقام لے سکتا ہے۔ اس کی یہ بات سن کر میں متوحش ہو گیا' تو اس نے مجھے دلاسا دیا کہ میں فکرمند اور پریشان نہ ہوں۔ وہ اپنے باپ سے کہہ کر شوالا کا غصہ ٹھنڈا کرا دے گی' اور انتقام لینے سے باز رکھنے کی کوشش کرے گی' یا پھر وہ کسی دن موقع محل دیکھ کر شوالا سے معافی مانگ لے گی۔

میرا خوف کم کرنے اور دھیان ہٹانے کی غرض سے وہ میرا ہاتھ تھام کر محبت بھرے لہجے میں بولی۔ ''تم مجھے اپنی دنیا کے بارے میں بتاؤ۔ ہماری بستی کے دو ایک آدمی تمہاری دنیا میں گئے تھے۔ ان میں سے صرف ایک لوٹ کر آیا تھا۔ اس نے تمہاری دنیا کے بارے میں جو جو بتایا تھا' میرے باپ کو سن کر ایسا لگا تھا کہ تمہاری دنیا جادوؤں اور منتروں سے بھری ہوئی ہے۔ مجھے یہ سب کچھ سن کر یقین نہ آیا کہ کوئی دنیا ایسی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ جادوئی قصہ کہانیوں سے کہیں حیرت انگیز ہے۔''

''ہاں چاندنی!'' میں نے جواب دیا۔

''تم وہ دنیا دیکھو گی تو تمہیں شاید یقین نہ آئے گا۔ تمہارے خوابوں اور تصورات سے کہیں آگے ہے۔ تم یہ سوچے بغیر نہیں رہو گی' کہ میں کوئی سپنا دیکھ رہی ہوں۔ یہ دنیا سپنوں سے بھی کہیں حسین اور رنگین ہے۔ ٹیلی ویژن...... وہ ایک ایسے طلسماتی گولے کی ترقی یافتہ شکل ہے' جو جادوگروں کے پاس ہوتا ہے' جس میں وہ ساری دنیا کو دیکھ سکتے ہیں۔ ٹیلی فون ہے' جس سے ساری دنیا میں کسی سے بھی بات کی جا سکتی ہے۔ چھوٹے بڑے لوہے کی دھات کے پرندے ہیں، جو فضا میں اڑتے ہیں۔ وہ اتنا اونچے اڑتے ہیں کہ کوئی پرندہ نہیں اڑ سکتا۔ اس کے بھی بازو ہوتے ہیں۔ اس کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو۔ اسے ہم لوگ ہوائی جہاز کہتے ہیں۔ موٹریں...... ریل اور بحری جہاز...... لیکن بتانے سے تم نہیں سمجھو گی۔ دیکھنے سے پتہ چل سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بڑی تفریحات ہیں' تم اسے طلسم کدہ کہہ سکتی ہو۔''

میری زبان سے میری دنیا کے بارے میں تجسس اور اشتیاق وہ ایک معصوم بچے کی طرح سنتی رہی۔ میں کسی اور خیال سے اسے بتاتا رہا تھا۔ اس دوران وہ پُرخیال نظروں سے دیکھتی بھی رہی تھی۔ اس کے چہرے اور آنکھوں میں استعجاب جیسے منجمد ہو گیا تھا۔

ان باتوں میں وقت ایسا گزرا کہ رات آ گئی۔ ہم دونوں ایک اہم فیصلہ کر چکے تھے۔

خطرناک اور دوررس فیصلہ۔ رات ہم دونوں جاگتے رہے تھے۔ باتیں کرتے رہے تھے۔ وہ میری دنیا کے بارے میں ہی پوچھتی رہی تھی۔ سوالات کرتی رہی تھی۔ میں یہاں سے فرار ہو کر جانے میں عجلت کرنا نہیں چاہتا تھا' لیکن اسے بڑی عجلت تھی۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ آج کی رات ہی ہم فرار ہو جائیں' لیکن میں نے اسے سمجھایا۔ جلد بازی میں کھیل بگڑ سکتا ہے۔ تم نے اس جہنم میں جہاں اتنے دن گزارے، تین دن اور گزار لو۔

دوسرے دن صبح سردار آیا' تو ہم دونوں کو خوش دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔

''تم نے میری بیٹی کو کیسا پایا......؟ کیا اسے پا کر تم خوش ہوئے......؟ میری بیٹی کیسی ہے؟''

''تمہاری بیٹی ایک انمول اور نایاب ہیرا ہے سردار!'' میں نے جواب دیا۔

''حیرت کی بات ہے کہ بستی والوں نے اس ہیرے کی قدر نہیں جانی۔ میں اس ہیرے کو پا کر دنیا کا خوش نصیب ترین شخص بن گیا ہوں۔''

چاندنی نے تین دن تک میری جو سیوا کی' مجھے جس طرح خوش کیا' اور مجھ سے اس نے جتنی محبت بھری باتیں کیں، اس نے میرا من جیت لیا۔ معذور ہونے کے باوجود وہ مجھے دنیا کی حسین ترین عورت لگی تھی۔ وہ میری محبت اور کمزوری بن گئی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی ذات کا جزو بن گئے تھے۔

جس رات ہمیں فرار ہونا تھا' وہ دن اس نے اور میں نے بڑی مشکل سے کاٹا۔ دن تھا کہ گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا' اور ایسا لگ رہا تھا کہ رات گھنٹوں کے بعد نہیں' بلکہ صدیوں کے بعد آئے گی۔ وہ میری دنیا کے خواب دیکھتی رہی' اور میں فرار کے منصوبے کا جائزہ لے رہا تھا' کیوں کہ یہاں سے فرار ہونا آسان نہیں تھا۔

میں اس بات سے بھی خوف زدہ تھا' کہ کہیں مقدس کرونا اپنے جادو منتر سے فرار کے بارے میں معلوم نہ کر لے۔ اس لئے میں مقدس کرونا سے معلوم کرنے گیا تھا' کہ کہیں وہ میرے انتظار میں تو نہیں ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ میں اس سے ملنے آتا رہوں گا۔ میں دوپہر کے وقت اس کے ہاں پہنچا۔ ساری بستی اس وقت گھروں میں آرام کرتی تھی' اور دن کا سا سناٹا چھا جاتا تھا۔

وہ مجھے اس وقت دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔

''سچ سچ بتاؤ...... چاندنی تمہیں کیسی لگی......؟''

''اچھی تو ہے' لیکن اس میں وہ بات نہیں ہے جو تم میں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تمہارا حسن اور محبت بے مثال ہے۔''

میں جتنی دیر اس کے پاس رہا' اس کی تعریف ہی کرتا رہا۔ وہ بہت خوش ہوتی رہی۔ مہربان ہوتی رہی۔ عورت کی سب سے بڑی کمزوری اس کی تعریف ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے، وہ کم ہوتی ہے۔ میں سرفراز اور سرشار ہو کر گھر آ گیا۔

جب اندھیرا گہرا ہو گیا' میں جھونپڑے سے باہر آیا۔ قرب و جوار کا ایک چکر لگایا' تو ہر سمت گہرا سکوت پھیل چکا تھا۔ اندھے جنگلات کے باسی اپنے اپنے گھروں میں جا سوئے تھے۔ ان کے خوں خوار شکاری ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔

جب میں جھونپڑے میں آیا' تو چاندنی لپک کر میرے پاس آئی۔ اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''باہر کا کیا حال ہے؟ کیا یہ وقت ہے کہ ہم بھاگ چلیں......؟ یا کچھ دیر اور انتظار کر لیں؟''

''اب چل نکلنے کی تیاری کرو'' میں نے سرگوشی میں جواب دیا۔

''میدان صاف ہے۔ زیادہ دیر کرنا اچھا نہیں ہوگا۔''

''سنو!......'' وہ بولی۔

''مجھے ایک منتر آتا ہے' جس سے صرف ایک آدمی ہر بلا اور مصیبت سے دو دن تک محفوظ رہ سکتا ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' میں نے حیرت اور خوشی سے بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ اب تک ہم اس منحوس بستی سے نکل کر اپنی دنیا میں پہنچ چکے ہوتے۔ اب ہم بے خوف و خطر یہاں سے نکل سکتے ہیں۔''

''اس لئے کہ میں وہ منتر بھول گئی تھی۔'' چاندنی نے جواب دیا۔

''میرے باپ نے یہ منتر اس وقت بتایا تھا' جب میں نے ریچھ کے نطفے کو جنم دیا تھا' تاکہ پھر کسی درندے یا بدمعاش نے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی تو وہ کامیاب نہ ہو سکے۔''

''پھر یہ منتر اپنے اوپر اور مجھ پر پھونک دو۔'' میں نے کہا۔

''پھر ہم چل پڑتے ہیں۔''

''لیکن......'' وہ حیرت اور تذبذب سے بولی۔

''دیکھو وہ منتر میرے ذہن سے نکلتا جا رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے میرا باپ مشکوک ہو گیا ہے' کہ ہم فرار ہونے والے ہیں۔ اس لئے وہ منتر میرے ذہن سے خارج کر رہا ہے۔''

''اس منتر پر خاک ڈالو اور چل نکلو......'' میں نے کہا۔

''اب ہمیں دیر نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بڑا اچھا موقع ہے۔''

پھر ہم دونوں خاموشی کے جھونپڑے کے عقبی حصے سے نکل کھڑے ہوئے۔ ہمارا رخ عقب میں پھیلے ہوئے میدان کے اس پار واقع گھنے پہاڑی جنگلات کی سمت تھا' جہاں آزادی کے ساتھ ہی موت بھی ہماری گھات میں تھی۔ ہم نے میدان بخیر و عافیت کے پار کر لیا' اور پھر جنگلات کی خطرناک ڈھلانیں اترنے لگے۔ بڑی احتیاط سے اور سنبھل سنبھل کر کہ کہیں پیر نہ پھسل جائے۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔

جنگل پر ایک ہولناک سکوت چھایا ہوا تھا' جس سے ایک ان جانا خوف اور وحشت محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے سارے چرند پرند سانس روکے آنے والے سنسنی خیز لمحات کے منتظر ہوں۔ کئی گھنٹے تک ہم جنگل کی کئی ڈھلانیں طے کرتے رہے۔ پھر اچانک ہی ہوا کے دوش پر دور سے دھیما دھیما شور سنائی دیا۔ میرے سارے جسم میں دہشت کی لہر نے خون خشک کر دیا۔

''شاید......شاید...... انہیں ہمارے فرار کی خبر مل گئی ہے اجنبی۔'' چاندنی بولی۔

''یقیناً وہ کمینہ شوالا میرے باپ کو لے کر جھونپڑے میں آیا ہوگا' تاکہ مجھ سے معافی منگوائے' کیوں کہ میں نے اس کی تذلیل تمہارے سامنے کی تھی۔''

''اگر ہم تیز رفتاری سے آگے بڑھتے رہے' تو وہ ہم تک پہنچ نہ سکیں گے۔ کیوں کہ جنگل گھنا اور دشوار گزار ہے۔'' میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہا۔

''وہ جو شور سنائی دے رہا ہے' وہ ہم سے بہت فاصلے پر ہے۔''

پھر ہم جنگل میں تیزی اور محتاط انداز سے دبے پاؤں آگے بڑھتے رہے۔ عقب سے

آنے والے کتوں کا شور قدرے قریب سنائی دیتا تھا' اور کبھی وہ آوازیں بالکل ہی معدوم ہو جاتی تھیں۔ شاید چاندنی کے قبیلے والے شکاری کتے ابھی تک ہماری صحیح راہ پر نہیں لگ سکے تھے۔ تقریباً ساری رات ایک طرح سے آنکھ مچولی جاری رہی تھی۔ پھر رات کے آخری پہر ہم نے محسوس کیا' کہ کتوں کی آوازیں اب مسلسل قریب ہوتی جا رہی ہیں۔ ان کے اور ہمارے درمیان فاصلہ کم ہونے لگا۔ موت اور مصیبت بہت قریب ہے۔

''شاید کتوں نے ہمارا سراغ آخرکار پالیا ہے اجنبی!'' چاندنی نے سراسیمگی سے کہا۔ وہ حد درجہ خائف ہو رہی تھی۔

''اگر وہ کتے ہم تک آ پہنچے تو پھاڑ ہی کھائیں گے۔ انہیں دھوکا دینا بہت مشکل ہے۔ تم ان سے اتنا واقف نہیں ہو' جتنا میں جانتی ہوں۔''

''نہیں...... وہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے چاندنی!'' میں نے اسے جھوٹی تسلی دی۔ اس کے سوا میں کر بھی کیا سکتا تھا۔

''تم بے خوف ہو کر چلتی رہو۔''

رفتہ رفتہ کتوں کی غراہٹوں کی آوازیں قریب سنائی دینے لگیں' اور ان کے شور سے پورا جنگل جیسے بیدار ہو گیا۔ پھر اچانک ہی اس شور میں دور کسی آواز سنائی دی۔ وہ چاندنی کو پکار رہا تھا۔

میں نے آواز کی شناخت کر لی۔ یہ آواز سردار ساون کی تھی' وہ اپنی بیٹی کو پکار رہا تھا۔

''بابا...... میرا بابا مجھے پکار رہا ہے اجنبی!'' چاندنی بے چین ہو کر بولی۔

''بابا! میری تلاش میں نکل آیا ہے۔''

''تم اپنے بابا کے پاس چلی جاؤ۔'' میں نے کہا۔

''تمہارے باپ کو بیٹی کی محبت نے آنے پر مجبور کیا ہے۔ وہ تمہیں بہت چاہتا ہے۔''

''نہیں...... نہیں......'' وہ میرا ہاتھ تھام کر ہذیانی لہجے میں بولی۔

''میں کسی قیمت پر اب واپس نہیں لوٹوں گی۔''

''کیوں چاندنی......؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ تمہارا باپ ہے۔ کیا تمہیں اپنے باپ سے محبت نہیں......؟''

''اب میں تیری جنم جنم کی ساتھی ہوں۔ تیری باندی ہوں۔ تیری محبت ہوں۔ تو میرا

سب کچھ ہے۔'' وہ جذباتی ہو کر بولی۔

کتوں کا شور اور سردار ساون کی آوازیں لحظہ بہ لحظہ قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔ موت سر پر آ گئی تھی۔

''اجنبی!...... اجنبی!...... اب ہم کو...... لیکن تم نے ان تینوں دنوں میں اپنا نام مجھے نہیں بتایا۔'' چاندنی کو کچھ کہتے کہتے اسے میرے نام کا خیال آ گیا۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ اس نے میرا نام نہیں پوچھا تھا' نہ میں نے اسے بتایا تھا۔

''اجیت!......''

میں نے یہ کہہ کر دوڑتے دوڑتے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

''تم جس نام سے چاہے پکارو۔ فرق نہیں پڑتا۔''

''اجیت!...... میری جان اجیت!...... وہ ہماری راہ پر لگ چکے ہیں۔ اس لئے ہمیں الگ الگ راستوں پر ہو لینا چاہئے۔'' وہ بولی۔

''وہ کس لئے......؟''

میں نے پوچھا۔

''کیا اس طرح ہم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو جائیں گے؟''

''اس لئے کہ ہم میں سے کوئی ایک تو زندہ بچ جائے۔'' وہ رک رک کر ہانپتے ہوئے بولی۔

''نہیں چاندنی!...... ہرگز نہیں...... ہم زندہ رہیں گے یا پھر ساتھ مریں گے؟ کیا ہم نے یہ عہد نہیں کیا تھا؟''

میں نے کہا۔

''پاگلوں کی جیسی باتیں نہ کرو میرے اجیت!''

وہ بولی۔

''اگر تم میرے ساتھ رہے' تو پھر تم بھی مارے جاؤ گے۔ اس لئے کہ ان کے کتے کسی خاص بو کا پیچھا کرتے ہیں۔ ان کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جس سے وہ کتوں کو تمہاری بو پر لگا سکیں۔''

''مجھے نہ بہلاؤ میری چاندنی! جھونپڑے میں میرے کپڑے اور کئی دوسری چیزیں رہ گئی

ہیں۔ جن کے سہارے وہ کتے کو میرے تعاقب میں پہنچ سکتے ہیں۔ وہ چیزیں ساتھ لے کر نکلے ہوں گے۔‘‘

’’نہیں......‘‘

اس نے پُرجوش انداز میں نفی میں سر ہلایا۔

’’مجھے پہلے سے ڈر اور خوف تھا کہ وہ شاید کتوں کی مدد سے ہمارا پیچھا کریں۔ اس خدشے کے پیش نظر میں نے تمہاری چیزیں چن چن کر اسے دھوئیں کی دھونی دے دی' جب تم مقدس کرونا کے پاس حاضری دینے گئے تھے۔ اب تمہاری کسی چیز اور کپڑوں میں تمہاری بو نہیں، بلکہ آگ کی بو بسی ہوگی۔‘‘

چاندنی نے غلط بات نہیں کہی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ جب میں مقدس کرونا کے ہاں آیا تھا' تب میں نے گھر میں دھواں دھواں سا دیکھا تھا۔ میں نے اس بات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اس لئے کہ چاندنی نے شاید کوئی چیز پکائی ہے۔ وہ دو دن سے چولہا جلا رہی تھی۔ گھر میں دھواں اور اس کی بو پھیل جاتی تھی۔ بستی کے ہر گھر میں لکڑی کو ہی ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

’’اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کتے تمہاری بو پر ہیں؟‘‘

میں نے کہا۔

’’تم نے اپنے لباس کو دھونی نہیں دی تھی؟‘‘

’’ہاں...... اگر تم ان کے ہاتھ لگ گئے' تو کوئی طاقت تمہیں موت سے بچا نہ سکے گی۔ اس لئے میں کہہ رہی ہوں کہ راستہ الگ کر لو...... وہ میرے پیچھے ہو لیں گے' اور اس طرح تم زندہ سلامت نکل جاؤ گے۔‘‘ وہ پُرجوش لہجے میں بولی۔

’’میں زندہ نکل جاؤں...... اور درندے تمہیں پھاڑ کھائیں...... نہیں چاندنی نہیں۔‘‘ میں نے تکرار کے انداز میں کہا۔

’’میں اس قدر خود غرض اور کمینہ نہیں ہوں' کہ تمہیں موت کے منہ میں چھوڑ کر بھاگ نکلوں۔‘‘

’’وہ تمام کتے میری بو سے مانوس ہیں۔ اس لئے میرا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔ بس میں اپنے قبیلے میں واپس پہنچا دی جاؤں گی۔ یقین کرو کہ میں تمہاری یاد میں اپنی ساری زندگی

کاٹ دوں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ تم مارے جاؤ۔ اور میں زندہ پکڑی جاؤں۔‘‘

’’نہیں...... نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا...... میں تمہارے بغیر ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔‘‘

وہ کافی دیر تک میری خوشامدیں...... منت سماجتیں کرتی رہی۔ خونی شکاری کتوں کا شور اب کئی سمتوں سے فضا میں ابھرنے لگا تھا' اور میرے تمام تر حوصلے کے باوجود میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میری نظروں میں وہ منظر گھوم گیا' جب یہ شکاری کتے شنکر کی لاش پر ٹوٹ پڑے تھے، اور عقابوں نے بھی اس کا گوشت کھایا تھا۔

’’مجھے جانے دو اجیت!‘‘

وہ اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے ہذیانی لہجے میں چیخی۔

’’نہیں......‘‘

میں نے موت کو سامنے دیکھا' تو ہمت نہیں ہاری۔ وہ زیادہ فاصلے پر نہیں رہی تھی۔ میرے گرد اپنا حصار قائم کر رہی تھی۔

’’مقدس کرونا کی سوگند...... کتے مجھے ضرر نہیں پہنچائیں گے۔‘‘ اس نے جھجکتے ہوئے قسم کھا کر کہا۔

’’میرا بابا تو ساتھ ہے۔ وہ مجھے ان کتوں سے بچا لے گا' لیکن تمہیں نہیں' کیوں کہ تم نے اس عہد سے غداری کی ہے' جو مقدس کرونا سے کی تھی۔‘‘

میں نے ایک لحظہ کے لئے رک کر صبح کی دھندلی روشنی میں غور سے اس کی طرف دیکھا' اور بے اختیار اس بدصورت' معذور مگر وفادار لڑکی کو اپنی آغوش میں لے کر اس کے چہرے پر جھک گیا' اور اس کے کئی بوسے جذباتی انداز میں لے ڈالے۔

کتوں کا شور بہت قریب سنائی دے رہا تھا۔ وہ بس کسی بھی لمحے سامنے نمودار ہونے والے تھے۔

’’الوداع چاندنی!‘‘ میں نے اس کے گال کا آخری بھرپور بوسہ لیتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

’’میں زندگی کی آخری سانس تک تجھے کبھی بھول نہیں سکوں گا۔ تجھے دل میں بسا کر رکھوں گا۔ تیری یاد ہر پل آتی رہے گی۔ الوداع...... میری جان!‘‘

میں دوڑتا رہا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی' لیکن دل سے نہ ہو سکی۔ پھر میں مخالف سمت تیزی سے دوڑتا چلا گیا۔

مزید کچھ دیر تک کتوں کا شور میرا تعاقب کرتا رہا' پھر وہ آوازیں مجھ سے دور ہونے لگیں۔ شاید وہ کتے چاندنی کے تعاقب میں ہو لئے تھے۔ کچھ ہی دیر اور گزری' پھر فضا ہولناک چیخوں سے لرز اٹھی۔ اس کے ساتھ کتوں کی خوں خوار غراہٹیں بھی ابھریں۔ جیسے بے شمار خونی کتے آپس میں لڑ پڑے ہوں۔ نسوانی چیخیں سن کر میرا سر چکرایا' تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ کیوں کہ وہ آواز میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ اور میں تیورا کر جہاں تھا' وہیں بیٹھ گیا۔

چاندنی نے یہ تو سچ ہی کہا تھا کہ کتے اس کی بو پر تعاقب کر رہے ہیں' لیکن میری زندگی بچانے کے لئے یہ کھلا جھوٹ تھا' کہ کتے اس کی بو سے مانوس ہیں' اور اسے کوئی گزند نہ پہنچائیں گے۔ اور اس نے مجھے جھوٹا یقین دلانے کے لئے مقدس کرونا تک کی سوگند کھا لی تھی۔

جنگل کافی دیر تک دہشت اور کرب میں ڈوبی نسوانی چیخوں اور کتوں کے شور سے گونجتا رہا' اور پھر وہ آوازیں آہستہ آہستہ معدوم ہوتی گئیں۔ نسوانی چیخیں ہمیشہ کے لئے...... اور کتوں کا شور اگلا شکار ملنے تک......

+++

اس کے بعد کی کہانی کیا بیان کروں جو بڑی روکھی پھیکی اور بے جان سی ہے۔ لیکن اس میں جو درد اور کرب ہے اسے صرف میں جانتا ہوں۔ سارا دن بھٹکنے اور خوار ہونے کے بعد مجھے سہ پہر کے وقت ایک بستی نظر آئی' لیکن اس میں مہذب قسم کے لوگ رہتے تھے۔ وہ ان درندوں کی طرح نہ تھے۔ چوں کہ میں تھکا ماندہ تھا' اس لئے مجھے رات اس بستی میں بسر کرنا پڑی۔ پھر میں دوسرے دن بیل گاڑی میں میسور جنگل کی چیک پوسٹ پہنچ گیا' پھر میں نے سکون کا سانس لیا۔

گو میں اپنی دنیا میں لوٹ آیا' لیکن اس بدنصیب اور وفا کیش چاندنی کو بہت عرصے تک بھول نہ سکا' اور نہ ہی یہ مجرمانہ احساس میرا ساتھ چھوڑ سکا کہ میں اپنے جگری دوست کا قاتل ہوں۔ میں نے مدتوں کی ادھوری کہانی سنائی' اور شنکر کی بیوی کو بھی...... اسے بتایا کہ وہ

خزانے کی تلاش میں بچھڑ کر نکل گیا تھا۔

وہ شاید کسی بلا کے ہاتھوں مارا گیا۔ چھ ماہ تک اس کی بیوی نے اپنے شوہر کا انتظار کیا۔ وہ رو دھو کر اور یہ سوچ کر بیٹھ گئی' کہ اس کا شوہر موت کا شکار ہو گیا۔ میں نے اس کی شادی اپنے ایک دوست سے کرا دی' جس کی بیوی دو بچوں کو چھوڑ کر مر گئی تھی۔

چاندنی نے مجھ پر محبت کا جو منتر کیا تھا' مہینوں تک میں اس کے زیر اثر رہا۔ پھر میری زندگی میں دکھ اور کرب اور احساس محرومی شامل ہو گیا۔ میری حالت پاگلوں کی سی ہو گئی۔

میں نے ایک دن سوچا کہ یہ کیا پاگل پن ہے؟ اس منتر کا توڑ کرنا ہو گا۔ ورنہ میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔ پھر میرے ذہن میں اس منتر کے توڑ کی ایک تدبیر آئی۔

+++

بہت سوچ بچار کے بعد میرے ذہن میں اس منتر کا توڑ جو سمجھ میں آیا' وہ یہ تھا کہ سیر و سیاحت کے لئے کہیں نکل جاؤں۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی توڑ اور صورت نظر نہیں آتی تھی۔ میرا دل ٹوٹا ہوا تھا' سینہ کٹا ہوا تھا' وجود زخمی تھا' ان کے لئے مرہم کی ضرورت تھی۔

جب تک میرے ذہن کو سکون میسر نہ ہو' میری حالت ایک بے آب ماہی کی سی رہتی۔ اصل دولت' زندگی تو سکون ہے۔ چاندنی کی محبت و ایثار اور اس کا تصور' اور اس بستی میں مجھ پر جو کچھ بیتی تھی' میں اسے یکسر فراموش کر دینا چاہتا تھا۔ ایک ڈراؤنا خواب سمجھ کر بھول جانا چاہتا تھا۔ جب بھی وہ لرزہ خیز واقعات یاد آتے' تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ شوالا' سردار اور اس کا عقاب اور خونی شکاری کتے میرے تعاقب میں ہیں' چوں کہ جنگل میں میری ڈیوٹی تھی۔ اس لئے یہ خوف اور دھڑکا سا لگا رہتا تھا' کہ وہ سب کسی نہ کسی سمت سے نمودار ہو سکتے ہیں۔ میں ہر وقت ایک سٹین گن سے مسلح رہتا تھا' کہ کہیں وہ ادھر آ نکلے تو ان سب کو بھون کر رکھ دوں گا۔

سردار ساون اس قدر شقی القلب تھا کہ اس نے اپنی بیٹی کی بغاوت اور سرکشی کی اتنی بھیانک سزا دی تھی' کہ اپنی بیٹی کو اس نے عقابوں اور خونی شکاری کتوں کی غذا بنا دیا تھا۔ کاش! میں ایسا کوئی جادو منتر جانتا ہوتا' کہ ان درندوں سے چاندنی کو بچا سکتا؟ کبھی کبھی میرا دل کرتا تھا' کہ چند دوستوں کو مسلح کر کے اس بستی میں جاؤں اور شوالا اور ساون سردار کو بھون کر اور اس بستی کو نذر آتش کر دوں' لیکن ایسا کرنا بہت مشکل تھا' ناممکن تھا۔ اس لئے میں نے یہ خیال دل سے نکال دیا۔ اب ان یادوں کے چراغ کو جلائے رکھنا لاحاصل تھا۔ اس لئے میں نے یہ چراغ بجھا دیا۔

میں کشمیر یا ہندوستان کے کسی پر فضا مقام پر جانے کی سوچ رہا تھا۔ شملہ' دارجلنگ'

بنگلور یا نیپال...... پھر میں نے نیپال جانے کا پروگرام بنایا۔ روانگی سے دو دن قبل میرے ایک دوست گووندا شرما کا خط آیا' جو وید تھا۔ جڑی بوٹیوں کی تلاش میں وہ نہ صرف کشمیر' بلکہ ہندوستان کے چپے چپے کی خاک چھان چکا تھا۔ اب وہ کلکتہ سے مغربی بنگال اور آسام سے ہوتا ہوا مشرقی بنگال چلا گیا تھا۔ اس نے مجھے وہاں سے جو خط لکھا، اس کی عبارت یہ ہے۔

میرے دوست اجیت!

تم نے جڑی بوٹیوں کی تلاش میں میری بڑی مدد کی' اور جنگل میں اندر تک لے گئے۔ میں نے بہت ساری مفید جڑی بوٹیاں حاصل کیں' پھر میں مغربی بنگال اور آسام گیا۔ مجھے ایک وید جی نے جو کہ کلکتہ میں اپنا مطب چلاتے ہیں' انہوں نے بتایا کہ رنگا مائی میں جو چٹا گانگ شہر کے قریب ہے۔ اس کے جنگلات میں جڑی بوٹیوں کی بھرمار ہے۔ تم بھی وید بننا چاہتے ہو تاکہ ملازمت سے نجات حاصل کر سکو۔ ایک طرح سے تم خود بھی اچھے وید ہو۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں مستقبل میں وید بننا چاہتا ہوں۔ ہاں تو میں مشرقی بنگال پہنچا۔ جادوگر تو ہندوستان' مغربی بنگال اور آسام اور کشمیر میں بھی ہیں لیکن جو جادو منتر اور مکر رنگا مائی میں ہے وہ شاید ہی کہیں اور ہو۔ تمہیں اور ہمیں اس سے کیا لینا ہے۔ البتہ ہمیں جڑی بوٹیاں حاصل کرنی ہیں۔ ایسی ایسی جڑی بوٹیاں رنگا مائی کے جنگلات میں پائی جاتی ہیں' عقل حیران ہوتی ہے کہ قدرت نے اس خزانے کو اس جنگل میں پھیلا دیا ہے۔

میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تم پہلی فرصت میں رنگا مائی آ جاؤ۔ چوں کہ تمہاری معلومات بھی جڑی بوٹیوں کے بارے میں بہت وسیع ہیں۔ ہم اس سے بڑا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ میں اپنا پتا لکھ رہا ہوں۔

تمہارا گووندا شرما۔

+++

اس کا خط پڑھنے کے بعد میں نے سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو' کہ شنکر داس کی کہانی دہرائی جائے۔ لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ زندگی اور جان بڑی مشکل سے بچی تھی۔ خزانے کی تلاش میں نکلے' مجھے اپنے عزیز دوست سے محروم ہونا پڑا۔ وہ میرے ہاتھوں سے مارا گیا۔ میرے سینے میں خلش اس طرح سے پیوست ہوگئی ہے' کہ میں اسے آخری سانس تک نکال نہیں سکوں گا۔ اب میں جو جڑی بوٹیوں کے خزانے کے حصول کے لئے جا رہا ہوں' کہیں وہ گلے

میں اٹک نہ جائے۔ نہ نگلتے بنے اور نہ نکالتے۔

میں چوں کہ واقعی جڑی بوٹیوں کا متلاشی رہتا تھا' اور میں نے میسور کے جنگل سے بہت ساری جڑی بوٹیاں تلاش کر کے انہیں فروخت بھی کیا تھا۔ میرے پاس اتنی رقم تھی کہ میں سیر وسیاحت اور جڑی بوٹیوں کے حصول کے لئے سفر کر کے جا سکتا تھا۔ اور پھر مجھے کلکتہ' ڈھاکہ' چٹاگانگ اور نیپال کی سیاحت کا بھی تجسس اور شوق تھا' اور مجھے ذہنی سکون بھی مل سکتا تھا۔ رنگا مائی کے جنگلات خطرناک نہیں تھے۔ میں ان جنگلات ہی کے نہیں' بلکہ ساری دنیا کے جنگلات کے بارے میں معلومات رکھتا تھا۔

میں اپنی ملازمت سے بیزار ہو چکا تھا' اور میرا رجحان طب کی طرف ہو گیا تھا۔ میں تعلیم سے فراغت کے بعد ملازمت کی تلاش کے دوران شام کے وقت ایک وید جی کے مطب میں جزوی ملازمت کرتا تھا۔ اس سے اور ان کے پاس جو کتابیں تھیں' ان کے مطالعے سے بہت کچھ سیکھا بھی تھا۔ گو کہ میں ملازم ہو گیا تھا' لیکن فرصت کے اوقات میں مطالعہ کرتا تھا۔ اس لئے جڑی بوٹیوں کے متعلق بڑی معلومات ہو گئی تھیں۔ اب میں نے رنگا مائی سے واپسی کے بعد ملازمت سے استعفیٰ دے کر مطب کھولنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

+++

میں کلکتہ سے ہوائی جہاز سے ڈھاکہ شہر پہنچا۔ دو دن ڈھاکہ شہر میں رہا۔ پھر میں نے ہوائی جہاز سے جانے کے بجائے ریل گاڑی سے جانا زیادہ بہتر سمجھا۔ اس لئے کہ ریل گاڑی کے سفر کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ اس میں ایک عجیب قسم کا لطف ہوتا ہے۔ ایک تو مسافروں کی معیت اور پھر قدرتی مناظر اور بستی بستی' قریہ قریہ اور گاؤں اور چھوٹے بڑے شہروں کے نظارے، سفر آسانی سے کٹ جاتا ہے۔ اسٹیشنوں پر چائے پینے اور طرح طرح کے انواع اقسام کا ناشتہ اور کھانا بھی ملتا ہے۔

سفر کے دوران ایک ہم سفر جس کا نام بسواس مکر جی تھا، دوست بن گیا۔ وہ نینی شہر جا رہا تھا۔ نینی شہر کے بعد چٹاگانگ آتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ رنگا مائی میں ٹیکسی یا بس سے بھی جا سکتا ہوں۔ پھر اس سے جادو' منتر اور مکر اور دوسرے جادوؤں کے بارے میں بھی گفتگو ہوئی۔ اس نے بتایا کہ رنگا مائی جادوگروں کا ہی نہیں جادوگرنیوں کا بھی گڑھ ہے۔ چھوٹے موٹے اور ہر قسم کے منتر عام اور حیران کن ہیں۔ چٹاگانگ شہر میں بھی جادوگر اور جادوگرنیاں

ہیں۔ قدم قدم پر ان سے واسطہ پڑتا ہے۔ مجھے ہوشیار رہنا چاہئے۔ آپ کے ساتھ شاید پراسرار قسم کے واقعات بھی پیش آ سکتے ہیں۔

یہ ہم سفر بہت باتونی تھا۔ بہرحال اس کی معیت میں سفر بڑا خوشگوار گزرا تھا۔ نینی اسٹیشن آیا' تو وہ مجھ سے بڑی محبت اور گرمجوشی سے بغل گیر ہو کر ملا اور جذباتی انداز سے رخصت ہوا۔ میں اس وقت تک پلیٹ فارم پر کھڑا ہاتھ ہلاتا رہا' جب تک میں اور گاڑی اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ وہ بڑا مخلص بھی تھا۔ اس نے سفر کے دوران نہ صرف کئی بار چائے پلائی' ناشتہ کرایا' بلکہ کھانا بھی کھلایا۔ جب گاڑی چٹاگانگ شہر پہنچی' تو سہ پہر رخصت ہو گئی تھی۔

جب میں نے چٹاگانگ کے ریلوے اسٹیشن پر اتر کر سوچا کہ کیوں نہ ایک کپ چائے پی کر رنگا مائی چلا جاؤں۔ چائے پینے کے بعد جب میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوا نکالا کہ چائے کے پیسے دے دوں' تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بٹوا تو موجود ہے' لیکن اس میں سے ساری رقم غائب ہے۔ میرے ہم سفر نے اپنے منتر سے بٹوے سے میری ساری رقم اڑا لی تھی۔ اس نے جو منتر دکھایا تھا' واقعی وہ منتر تھا۔

میں اس کے منتر پر دل میں عش عش کر اٹھا۔ غصہ تو بہت آیا تھا' لیکن میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ رات کا سفر تھا۔ میں سو گیا اور اس نے میری گہری نیند سے فائدہ اٹھایا۔ بٹوا جیب سے نکال کر رقم غائب کر کے خالی بٹوا رکھ دیا۔ میں صبح سوار ہوا تھا' منزل آنے تک بیدار رہا' اور ایک پل کے لئے بھی سویا نہیں تھا۔ اس نے مجھ پر ایک احسان کیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ صرف رقم نکالی تھی۔ ٹکٹ اور دوسری چیزیں موجود تھیں۔ اوپر والی جیب میں اتنی رقم تھی کہ چائے کے پیسے دے سکوں۔

ریلوے اسٹیشن کی عمارت سے باہر آ کر سوچا کہ کیا کروں؟ میرے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ بس سے سفر کروں۔ نہ تو پیدل جا سکتا تھا' اور نہ ہوٹل میں قیام کر سکتا تھا۔ پیدل اس صورت میں جا سکتا تھا' سویرے ہی نکل پڑوں۔ پچاس ساٹھ میل پر رنگا مائی واقع تھا۔ اس وقت رات ہو جاتی۔ رات میں سفر کرنا انتہائی دشوار اور ناممکن تھا۔

میں سوچ ہی رہا تھا کہ بس سٹینڈ کے پاس جو ٹیکسی اسٹینڈ تھا' وہاں ٹیکسیوں کو دیکھ کر یہ خیال آیا کہ کیوں نہ ٹیکسی کر کے اپنے دوست کے ہاں پہنچوں اور کرایہ اس سے لے کر دے

دوں۔ یہ خیال آتے ہی میں ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھا۔

میں نے بمشکل دو تین قدم طے کیے ہوں گے کہ ایک شخص تیزی سے میری راہ میں حائل ہو گیا۔

اس نے میرے ہاتھ سے بریف کیس اس طرح سے لیا' جیسے راہزن کوئی چیز چھینتے ہیں۔ پھر اس نے کہا۔

''سر!......کیا آپ رنگا مائی جائیں گے نا......آخری بس جا چکی ہے۔ آپ میری ٹیکسی میں چلیں۔ آپ کو پہنچا دوں گا۔''

یہ شخص مجھے بڑا پراسرار سا لگا۔ میں نے چونک کر اسے اوپر سے نیچے دیکھا' اور حیرت سے پوچھا۔

''تم نے کیسے اندازہ کر لیا کہ میں رنگا مائی جاؤں گا۔ میں کیا کاکس بازار نہیں جا سکتا؟ کہیں ایسا تو نہیں تم کوئی ایسا منتر جانتے ہو' جس کی مدد سے تم نے معلوم کر لیا؟ کیا منتر سے پتا چل جاتا ہے؟''

''میں بیس برس سے ٹیکسی چلا رہا ہوں۔ قیافہ شناسی بھی ایک منتر ہے۔ میں اس منتر سے اور مسافروں کی صورت اور بشرے سے اندازہ کر لیتا ہوں کہ یہ مسافر کہاں جائے گا۔ میں نے اس لئے بھی اندازہ کر لیا' کہ شام کے وقت مسافر کاکس بازار کے ساحل نہیں جاتے ہیں۔ اس موسم میں عموماً سیاح وہاں نہیں جاتے ہیں۔''

''میرے پاس جو رقم تھی' وہ سفر کے دوران کسی ہرجائی محبوبہ کی طرح کسی اور کی ہو چکی ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اب میرے پاس جو رقم بچی ہے' وہ بس کا نصف کرایہ بھی نہیں۔ لہٰذا کوئی اور سواری ڈھونڈ لو یا......''

''میں نے آپ سے یہ کہا نا کہ آخری بس جا چکی ہے۔'' وہ درمیان میں بولا۔

''اس وقت کوئی ٹیکسی بھی نہیں جائے گی' لیکن میری ٹیکسی تو ہر صورت میں جائے گی۔ آپ کے پاس جو بھی رقم ہے وہ دے دیں' نہ بھی دیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

میں نے مشکوک لہجے میں اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ عنایت کس لئے......؟''

''اس لئے کہ اس وقت کوئی بھی رنگا مائی نہیں جاتا۔ میں چوں کہ وہیں رہتا ہوں' اس لئے آپ کو لفٹ دے رہا ہوں۔'' آپ کی رفاقت میں یہ سفر اچھا کٹ جائے گا۔ باتوں میں وقت گزرنے کا احساس نہیں رہتا ہے۔

اس نے جو کچھ کہا تھا' وہ غلط نہ تھا۔ اور پھر میرے پاس دس پندرہ روپے پڑے تھے۔ کوئی قیمتی چیز بھی نہ تھی۔ میں نے اسے بتا دیا تھا' کہ میں سفر کے دوران لٹا ہوا مسافر ہوں۔ اور پھر میں نے سوچا کہ اسے سفر کے دوران بتا دوں گا' کہ رنگا مائی میں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ اس سے کرایہ دلا دوں گا۔ میرے لئے اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ اس کی پیشکش قبول کر لوں۔

جب میں اس کے ساتھ گاڑی کی طرف بڑھا' وہ مجھ سے ایک قدم آگے تھا' لیکن اس کی گاڑی کا دروازہ کھلا ہوا نظر آیا۔ وہ میرے بیٹھنے سے پہلے گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ میں ابھی سنبھل کر بیٹھا بھی نہیں تھا' کہ اس نے فوراً ہی اس کا انجن سٹارٹ کیا اور گاڑی کو پوری رفتار سے دوڑا دیا۔

بریف کیس، جو میں نے گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے لے لیا تھا۔ اسے فرش پر دونوں پیروں کے درمیان رکھا اور سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر نیم دراز ہو گیا۔ اس سے مجھے ایک طرح قدرے آرام سا محسوس ہوا۔

اس نے بڑی بتیاں روشن کر دی تھیں' کیوں کہ دھندلکا سا پھیل رہا تھا۔ بڑی بتیوں کی روشنی میں سڑک کو دیکھنے لگا۔ جس پر سے گاڑی تیزی سے پھسلتی جا رہی تھی۔ اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی' کہ اس کی تیز رفتاری اور اندھا دھند چلانے سے حادثہ پیش آ سکتا ہے۔ اس نے احتیاط کا دامن چھوڑ دیا تھا۔

مجھے تیز سے گاڑی چلانا قطعی پسند نہیں۔ جب گاڑی نے تیزی سے موڑ کاٹا تو اس کا دل اچھل کر بے شک اس کے حلق میں نہ آیا' لیکن میرا دل تو آ گیا تھا۔ ایک تلخ واقعہ کی یاد میرے ذہن میں کوند گئی تو میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔

اس نے آپ ہی آپ گاڑی کی رفتار میں کمی کر دی' پھر اس نے چند لمحوں کے بعد مجھ سے کہا۔

''کیپٹن! آپ رنگا مائی کی سیر کے لئے اچھے وقت آئے۔ بڑا سہانا موسم ہے وہاں۔''

کیپٹن!......؟ میں چونکا اسے میرے بارے میں غلط فہمی ہوگئی تھی۔ چوں کہ مجھے رنگا مائی پہنچنا تھا' اس لئے میں نے اس کی غلط فہمی دور کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس نے پوچھا۔

''کیپٹن! کیا آپ صرف سیر و تفریح کی غرض سے جا رہے ہیں' یا کسی اور کام سے......؟''

''میں وہاں ایک انتہائی ضروری سرکاری کام سے جا رہا ہوں...... اور صبح حاضری دینا ہے ہر قیمت پر۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم نے مجھے لفٹ دی...... تمہارے اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔''

''شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔'' ڈرائیور نے کہا۔

''انسان ہی انسان کے کام آتا ہے' اور اسے آنا بھی چاہئے۔''

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اسے میں نے پہلے ناقدانہ نظروں سے نہیں دیکھا تھا' نہ اس کی ضرورت محسوس کی تھی۔ اس وقت روشنی کافی نہ تھی۔ دن پوری طرح ڈوب چکا تھا۔ یہاں سردی زیادہ نہ تھی' لیکن رنگا مائی میں موسم سرد ہو سکتا تھا۔ شاید اس لئے اس نے اوورکوٹ اور چھجے دار ہیٹ اوڑھ رکھا تھا۔ اندازِ گفتگو سے ظاہر تھا' کہ وہ اس نئی اور شاندار گاڑی کا مالک ہے۔ وہ گاڑی کرائے کی نہیں لے کر چلا رہا تھا۔ کرائے کی ہوتی تو وہ کہیں اور کی سواری ضرور اٹھاتا اور مجھے لفٹ نہ دیتا۔

''آج کل رنگا مائی میں موسم کیسا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''تمہارے لباس سے لگ رہا ہے کہ وہاں سرد موسم ہوگا۔''

''وہاں شام ہوتے ہی موسم سرد ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو حبس بھی ہو جاتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''سرد موسم اس لئے بھی ہے کہ تین دن تک یہاں مسلسل زبردست بارش ہوتی رہی تھی۔ موسم کا کیا ہے؟ اس کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ جو پیشین گوئی موسم کی محکمہ موسمیات کرتا ہے وہ اس لئے اکثر غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ اس کا مزاج معشوقانہ ہوتا ہے۔''

''عورت بڑی عجیب و غریب' لیکن بہت خوب صورت ہوتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میرا ایک شادی شدہ دوست جس نے محبت کی شادی کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عورت شادی سے پہلے کچھ اور ہوتی ہے' اور شادی کے بعد یکسر مختلف ہو جاتی ہے۔ اس نے کہا کہ میں آج تک اپنی بیوی کو سمجھ نہیں سکا ہوں۔ وہ شادی کے بعد محبوبہ نہیں رہتی ہے۔ بیوی بنتی ہے' تو اور ہوتی ہے۔ بچوں کی ماں بن کر اور ہی قسم کی ہو جاتی ہے۔ جس کی وضاحت نہیں کی جا سکتی۔''

''تمہارے دوست کا کہنا درست ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''عورت ایک معمہ ہوتی ہے۔''

اس وقت مجھے چاندنی یاد آ گئی۔ چاندنی معمہ تو نہیں تھی۔ ایک عورت تھی۔ وہ جنگل میں پیدا ہوئی تھی۔ جنگلی کی بیٹی تھی۔ ایک روایتی عورت کی طرح...... حالانکہ اس کی عمر پندرہ سولہ برس کی تھی' لیکن وہ ایک بھرپور اور سلجھی ہوئی عورت تھی۔ اگر وہ زندہ سلامت آ جاتی تو میں اس کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزارتا۔

میں اس لمحے پھر درندوں کی بستی میں پہنچ گیا تھا۔ پھر میں نے ان تمام خیالات کو جھٹک دیا۔

''کیپٹن!'' اس نے چند لمحوں کے بعد سکوت کو توڑتے ہوئے پوچھا۔

''کیا آپ چھٹیاں گزار کر ڈیوٹی پر جا رہے ہیں؟''

''نہیں......'' میں نے سر ہلا کر جواب دیا۔ اسے سچی اور اصل بات بتانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ یہاں جادو منتر اور مکر بہت زیادہ تھا۔ سفر کے دوران میں چوٹ کھا چکا تھا۔ اس لئے میں نے اسے غلط راہ پر ڈالنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لیا۔

''میری ڈیوٹی کھلنا کی بدرگاہ چان میں تھی۔ مجھے ہنگامی ضرورت کے طور پر رنگا مائی طلب کیا گیا ہے۔''

''ہوں تو یہ بات ہے......؟'' اس کا لہجہ بڑا معنی خیز تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے سڑک پر سے نگاہیں ہٹا کر میری یونیفارم کے بیج کو بڑے غور سے دیکھا۔ دراصل میرے پاس دو تین جوڑے' جن میں یہ یونیفارم بھی تھی' جو میں ملازمت کے دوران پہنتا تھا۔ میں نے سفر کے وہ کپڑے ایک بھکاری کو دے دیئے تھے' اس لئے ان پر تیل اور سالن کے دھبے پڑ گئے تھے۔ اتفاق سے یہ یونیفارم نیوی فارم کی طرح تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ رنگا مائی جا کر دو

نئے جوڑے خریدلوں گا۔ پھر اس نے کہا۔

''آپ کو سمندر میں دور دراز علاقوں میں ڈیوٹی پر بھیج دیا جاتا ہوگا' جس سے گھر والوں کو سخت پریشانی ہوتی ہوگی' اور آپ بھی بڑی کوفت محسوس کرتے ہوں گے۔''

''سرکاری محکموں میں تبادلے ہوتے رہتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''رہے گھر والے...... ایشور کی بڑی کرپا ہے' کہ کوئی ایسا رشتہ دار نہیں ہے' جسے میرے متعلق کوئی فکر اور پریشانی لاحق ہو۔ میں ایک خوشگوار اور پرسکون زندگی گزار رہا ہوں۔''

''پھر بھی کیا یہ افسوس ناک بات نہیں ہے' کہ کسی ایک جگہ چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے......؟ ایک جگہ رہنے دیا جائے تو ذہنی کرب سے نجات ملتی ہے' جب کہ جلد جلد تبادلے اذیت ناک بن جاتے ہیں۔'' اس نے جیسے ہمدردی جتائی۔

''کیا بحریہ والے سفر کے اخراجات دیتے ہیں؟''

''ہاں...... بالکل دیتے ہیں' مجھے بھی دیا تھا۔ میں نے بتایا کہ سفر کے دوران ایک مخلص ہم سفر نے جیب صاف کردی۔''

''اس نے ایک سرکاری افسر کی جیب صاف کر کے اچھا نہیں کیا۔ اس نے خوامخواہ آپ کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔''

میں نے اس کی بات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ بھی اس جیب کترے مسافر کی طرح مخلص بن رہا تھا۔ میں نے سوچا شاید یہ بھی کوئی منتر جانتا ہے' اس لئے کھوج لگا رہا ہے۔ شاید کوئی مکر کرنا چاہتا ہے۔ میرے پاس اس یونیفارم کی ٹوپی بھی تھی' جو میں نے نینی شہر کے بعد اس لئے پہن لی تھی کہ ہوا میں خنکی محسوس ہو رہی تھی۔ اتار کر ہاتھ میں پکڑ لی اور سیٹ کی پشت پر سر ٹکا دیا' اور اس چوری شدہ سونے کے بارے میں سوچنے لگا' جس کی سنسنی خبر اخبار میں چھپی ہوئی تھی۔

یہ سونا ایک ارب کی مالیت کا تھا' جسے دبئی سے مافیا لے کر آئی تھی۔ بحریہ کے ایک محافظ جہاز نے چھاپہ مار کر سونا ضبط کر لیا تھا' لیکن تیسرے دن سخت پہرے کے باوجود ایک ارب کی مالیت کا سونا غائب ہو گیا تھا۔ یہ پراسرار چوری کی واردات تھی' عوام اور پریس نے بحریہ کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔ عوام کا کہنا تھا کہ یہ جو واردات ہوئی ہے' وہ چوروں نے جادو منتر کی وجہ سے کی ہے۔ منتر سے محافظوں پر ایسا جادو کرایا گیا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔

ان کی بے ہوشی سے فائدہ اٹھا کر سونا لے جایا گیا' جبکہ پریس کا کہنا تھا کہ اس محکمے کی کالی بھیڑوں نے یہ سونا غائب کر کے ہندوستان پہنچا دیا ہے۔ جادو منتر ایک مفروضہ ہے' عوام میڈیا سے اختلافات رکھتے تھے۔ عوام اور میڈیا میں بحث جاری تھی۔ اس سکینڈل نے بحریہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا' اور اس کی بدنامی پر ایک داغ لگ گیا تھا۔ بحریہ اس داغ کو دھونے کے لئے کوشاں تھی۔

ایک گمنام شخص نے بذریعہ خط بحریہ کے ہیڈکوارٹر کو اطلاع دی تھی کہ' اس نے اپنے ایک منتر سے یہ تو معلوم کر لیا ہے کہ وہ سونا رنگا مائی ہی میں موجود ہے' لیکن وہ اس جگہ کی نشاندہی اپنے کسی منتر سے اس لئے نہیں کر سکتا کہ جس پراسرار قوت نے یہ سونا چھپایا ہے' اس کا منتر اس کے منتر کے آگے بے بس ہے۔ اس جگہ کی نظر بندی کی ہوئی ہے۔

اس پراسرار واردات نے ایک دلچسپ اور سنسنی خیز صورت حال پیدا کر دی تھی۔ بحریہ نے اس کا سراغ لگانے والوں کے لئے دس لاکھ روپے کے انعام کا اعلان کیا تھا۔

میرے دل کے کسی کونے میں یہ خیال آیا' کہ یہ شخص جو اتنی باتیں اور بکواس کر رہا ہے' کہیں اس لئے تو نہیں کہ اس نے یہ سمجھا ہو کہ کہیں میں اس سونے کا کھوج لگانے تو نہیں جا رہا ہوں' اور شاید یہ اس مافیا کا آدمی ہو' جو مجھ سے اگلوانے کی کوشش کر رہا ہو تاکہ میرے بارے میں سرغنہ کو اطلاع دے سکے۔

میرے شبے کو اس لئے بھی تقویت پہنچ رہی تھی کہ اس نے مجھے فری لفٹ دی تھی۔ اس نے کرائے کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ اس نے اس فری لفٹ کا یہ سبب ظاہر کیا تھا کہ وہ رنگا مائی میں رہتا ہے۔

گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں سڑک کے کنارے لگے ہوئے بورڈ سے پتا چلا کہ ہم لوگ رنگ پور ٹاؤن پہنچنے والے ہیں۔ بورڈ پر بڑے بڑے حرفوں میں لکھا ہوا تھا کہ موضع رنگ پور...... رفتار بیس میل فی گھنٹہ۔

جب گاڑی کی رفتار کچھ مدھم ہوئی' مجھے حیرت اس بات پر ہوئی تھی کہ ڈرائیور نے رات کے وقت بھی ٹریفک کی پابندیوں کی کوئی پروا نہیں کی تھی۔ اس نے رفتار کم کر کے تیس اور چالیس کے درمیان ہی رکھی۔

''مجھے اگلے چوک سے شمال کی طرف جانا ہے۔'' ڈرائیور نے اچانک کہا۔

"اس سے آگے میں آپ کو نہیں لے جا سکوں گا۔"

"وہ کس لئے......؟" میں نے تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

"تم تو رنگا مائی جا رہے تھے......؟ یہ کیا بات ہوئی؟"

"میں نے کسی وجہ سے رنگا مائی جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔" وہ بولا۔

"آپ رنگ پور اتر کے کوئی اور بندوبست کر لیں۔"

مجھے اس بات پر سخت غصہ آیا' لیکن میں ضبط کر گیا۔ اس کا یہ مکر میری سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ جانتا تھا' بلکہ میں اسے بتا بھی چکا تھا' میں ایک لٹا ہوا مسافر ہوں۔ اس کے باوجود اس نے ہمدردی اور فیاضی کا سلوک کیا تھا۔

میری جیب میں کچھ رقم ہوتی' تو میں رنگ پور اتر کے کوئی بندوبست کر لیتا' تاہم میں نے اپنا اضطراب چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری بڑی مہربانی ہے کہ تم نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا۔"

اتنا کہہ کر میں نے اپنا بریف کیس اٹھا کر گود میں رکھ لیا تاکہ چوک پر گاڑی کے رکتے ہی اتر جاؤں۔

گاڑی کی رفتار ایک دم بہت آہستہ ہوگئی' پھر ڈرائیور نے جیسے ہچکچاتے ہوئے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی' اور پھر ہاتھ سے مجھے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا' پھر اس نے یک لخت گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ چوک تھوڑی دیر بعد گزر گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی رنگ پور سے خاصی دور نکل آئی تھی۔

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ مجھے اس کی یہ حرکت بڑی عجیب سی لگی۔ اس نے میرے چہرے پر ایک نگاہ ڈال کر قہقہہ لگایا۔ پھر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"حیران اور پریشان نہ ہو۔ میں تمہیں رنگا مائی لئے چلتا ہوں۔" وہ آپ سے تم کے تخاطب پر آ گیا۔

"اس لئے کہ مجھے تم پر ترس آ گیا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت رنگ پور میں نہ تو ٹیکسی ملتی ہے اور نہ بس......" اس نے سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے لمبا سا سانس لیا۔

"سواری کی تلاش میں کہاں بھٹکتے پھرو گے' اور تمہارے پاس تو بس کا کرایہ بھی نہیں

ہے۔"

اتنا کہنے کے بعد اس نے اپنی جیب سے بٹوا نکالا۔ اس میں سے سو سو کے تین نوٹ نکال کر میری طرف بڑھائے اور پھر کہا۔

"اگر اتفاق سے راستے میں کوئی خالی ٹیکسی مل گئی' تو اس میں بیٹھ کر رنگا مائی چلے جانا۔ جب تمہیں تنخواہ ملے تو میری رقم لوٹا دینا۔" ڈرائیور کے اس فیاضانہ حسن سلوک سے مجھے کوئی خوشی نہ ہوئی۔ وہ میری نظر میں اور مشکوک ہوگیا۔ میں نے کہا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے؟ تمہارا مجھے رنگا مائی پہنچا دینا ہی بڑی دیا ہے۔"

"بس......بس......تکلف نہ کرو۔" ڈرائیور نے بڑا اصرار کیا۔

"میں تمہارے لئے جو کچھ کر سکتا ہوں، اس سے مجھے نہ روکو۔"

"پھر بھی مجھ پر تمہاری یہ بڑی کرپا ہے۔" میں نے کہا۔ جانے کیوں مجھے اس وقت وہ بڑا پراسرار سا محسوس ہوا۔ تین سو کی رقم اس دور میں کوئی چھوٹی رقم نہ تھی' اور ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔ متعارف بھی نہ ہوئے تھے۔

میرے دل کے کسی کونے میں شک و شبے کے زہریلے ناگ پھن اٹھانے لگے تھے' کہ دال میں کالا ہے۔

"اوہ جانے دو کیپٹن!" وہ کہنے لگا۔

"آخر یہ کون سی دیا ہے؟ جب تم مجھے رقم لوٹا دو گے' جب یہ قصہ ختم...... ہے نا...... پہلے میں نے سوچا تھا کہ میں رنگا مائی جا کر اپنی بیوی کو دیکھ سکتا ہوں۔ جب مجھے بہت دنوں سے رنگا مائی کی سواری نہ ملی' تو میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ سوچا تھا کسی دن سواری ملے یا نہ ملے چلا جاؤں گا۔ بہت دنوں سے اس سے ملنے جا نہیں سکا ہوں۔ وہ دن کی روشنی میں مجھے اچانک دیکھ کر بہت خوش ہو جائے گی۔ چوں کہ اب رات زیادہ ہوگئی ہے کسی اور وقت...... یعنی دن میں......"

"لیکن جب گھر تمہارا رنگا مائی میں ہے' تو اس سے رات میں ملنے میں کیا حرج ہے؟ وہ تمہاری محبوبہ نہیں بلکہ پتنی ہے۔"

"اس لئے کہ وہ رنگا مائی میں جس جگہ رہتی ہے، وہاں جانے کے لئے گھاٹ سے موٹر بوٹ لینی پڑتی ہے۔ موٹر بوٹ رات آٹھ بجے کے بعد نہیں ملتی۔ اس لئے میں نہیں جاتا

چاہتا۔'' اس نے کہا۔

لیکن میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ تین سو کی رقم ایک ڈرائیور کے لئے بڑی ہوتی ہے۔ وہ تیس روپے بھی دیتا تو کافی تھا۔ بالآخر میں نے تمام شکوک وشبہات کو پس پشت ڈال کر بڑے تذبذب اور تامل سے یہ سوچ کر رقم لے لی' کہ پہلی فرصت میں اس کی رقم لوٹا دوں گا' لیکن اس طرح قرض لینے پر میری مجبوری یہ تھی کہ رات کے وقت دوست کو تلاش نہ کر پاؤں اور رات کسی ہوٹل میں گزارنی پڑ جائے۔ دوسری طرف میری خود داری مجروح ہو رہی تھی' کیوں کہ میں نے کبھی کسی سے قرض نہیں لیا تھا۔ میری ضرورت نے مجبور کر دیا تھا۔ اس کی مخلصانہ پیشکش کو ٹھکرانا محال معلوم ہوتا تھا۔ تاہم میں نے اپنے اجنبی محسن سے کہا۔

''تم مجھے اپنا نام پتا بتا دو تا کہ میں ذہن نشین کر لوں' اس لئے بھی کہ......''

''تم یہ رقم میری بیوی کو رنگا مائی میں پہنچا دینا۔'' اس نے بات کاٹ کر کہا۔

''میرا نام سبھاش دتہ ہے اور پتہ شانتی نگر ہے اور مکان نمبر دو سو بیس...... کسی بچے سے بھی میرا نام لو گے' وہ میرے گھر پہنچا دے گا۔''

''میرا نام اجیت ہے۔ کیپٹن اجیت کمار۔''

اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس سے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

سبھاش دتہ نے میری یونیفارم پر ایک اور طائرانہ نظر ڈالی' اور پھر نگاہیں سڑک پر مرکوز کر کے کہنے لگا۔

''میں خود بھی کبھی نیوی کی ملازمت میں تھا۔ پچھلے برس ہی اس ملازمت کو چھوڑا ہے۔''

وہ ہنسا' تو اس میں تلخی سی بھری تھی۔ وہ پھر بولا۔

''سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے نکال دیا گیا۔ تخریب کاری اور سمگلنگ کا الزام لگا کر۔'' اس کے لہجے میں افسردگی تھی۔

میں نے بھونچکا ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ سبھاش دتہ کے چہرے کے تاثرات ہیٹ کے چھجے کے سائے میں مستعد تھے' لیکن اتنا تو ظاہر تھا کہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ نام کو نہ تھی۔ خوش دلی رخصت ہو چکی تھی۔

''لیکن کیوں......؟'' میں اس سے آگے کچھ نہیں کہہ سکا۔ میں نے دانستہ اپنی بات

ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''میں اس سوال کا جواب تو کوئی ایک برس سے ڈھونڈ رہا ہوں۔'' اس نے بڑی افسردگی سے جواب دیا۔

''تمہارا مطلب ہے کہ تمہارا جرم ثابت کئے بغیر نکال دیا گیا؟'' میں نے رک رک کر کہا۔

''ایسا کیوں......؟''

''اجیت...... تم ان باتوں کو نہیں جانتے۔ یہ بڑی گہری' پراسرار' مکر اور منتر والی باتیں ہیں' جو دفتر کا کوئی ساتھی کرتا ہے۔'' وہ بدستور افسردہ لہجے میں کہنے لگا۔

''تمہیں کبھی کچھ بتایا نہیں جائے گا۔ اچانک اطلاع ملتی ہے کہ تمہاری ذات محکمے کے لئے خطرہ ہے۔ اس کے بعد بے مقصد ساعتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ذہنی اذیتیں دی جاتی ہیں' کہیں کچھ پتا نہیں چلتا ہے کہ یہ مقدمہ تم پر کس لئے قائم کیا گیا ہے۔ تم محض یہ کر سکتے ہو کہ چیخ چیخ کر کہتے رہو کہ تم اس دیش کے وفادار شہری ہو...... کبھی کسی قسم کی مجرمانہ سرگرمی کے مرتکب نہیں ہوئے...... لیکن تمہاری ایک نہیں سنی جائے گی۔ اس کے بعد اس مقدمے کی خبر تمہارے دوستوں' رشتہ داروں اور محلے تک پہنچتی ہے۔ وہ تمہیں یوں گھورنے لگیں گے' جیسے تم نے پاگل ہو کر اپنے کپڑے پھاڑ لئے ہیں' اور تم ان کے درمیان بے لباس گھوم رہے ہو۔''

اس کے لہجے میں تلخی بھرتی گئی۔ اس وقت انسان کو زندگی کی تلخ حقیقتوں کا علم ہوتا ہے۔ تب اسے اپنے بیگانوں کا پتہ چلتا ہے۔ وہی لوگ، جو کل تک تم پر جان چھڑکتے تھے' تم سے یوں دور بھاگنے لگتے ہیں، جیسے تم کوڑھ کے مریض ہو۔ اور وہ یہ گوارا نہیں کرتے کہ کوئی انہیں تمہارے ساتھ دیکھے۔''

اتنا کہہ کر سبھاش دتہ نے مجھ پر ایک نظر ڈالی۔

''شاید تم بھی یہی سوچ رہے ہو کہ میری رقم واپس کر کے گاڑی سے اتر جاؤ۔'' میں نے کسمسا کر نیم تاریکی میں پہلو بدلا۔ کیوں کہ سبھاش دتہ کا اندازہ غلط نہ تھا۔ میں واقعی سوچ رہا تھا کہ ایک ایسی وردی میں، جو نیوی کی وردی کی طرح ہے' ایک ایسے شخص کے ساتھ سفر کرنا' الجھنیں...... ایک دو نہیں بلکہ بے شمار الجھنیں پیدا کر سکتا ہے۔ اس پر غداری کا الزام چسپاں ہے۔ میں عام لباس میں بھی ہوتا تو مشکوک ہو سکتا ہوں۔ مجرم کا دوست یا ساتھی بھی ایک

طرح سے مجرم ہی کہا جاتا ہے۔ اس نے مجھے براہ راست چیلنج کیا' تو میں سر ہلا کر رہ گیا۔ آخر یہ شخص مجھے یہ تمام باتیں کیوں بتا رہا ہے' جس سے اس کی سبکی ہو رہی ہے۔ اس نے ایک اور بات بھی کہی تھی کہ دفتر کا ایک ساتھی مکر اور منتر سے اس کے خلاف یہ سارا کھیل کھیل رہا ہے۔ دفتروں میں ایسا ہوتا ہے۔ یہ کالا جادو' سفلی علوم سے افسران کو اپنے دشمن کے خلاف کیا جاتا ہے۔

''تم اس حالت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔'' سہاش دتہ پھر کہنے لگا۔

''ایک کوڑھی کے لئے تو لوگوں کے دلوں میں ہمدردی کے جذبات تو مچل سکتے ہیں' مگر مجھ جیسے انسانوں کے لئے نہیں۔ ہاں البتہ وہ لوگ ضرور ہمدردی کے لئے آگے بڑھتے ہیں' جو یہ سمجھتے ہیں چوں کہ حکومت نے ایک مجرم قرار دے دیا ہے' اس لئے میں آسانی سے ان لوگوں کا آلہ کار بن سکوں گا...... اور سچ مچ ان کی تخریبی کارروائیوں میں ان کا مددگار ثابت ہوں گا۔ تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ایسے میں......''

اتنا کہہ کر اس نے اپنا منہ یوں بند کر لیا' جیسے مزید کچھ کہنے سے جبراً اپنے آپ کو روک رہا ہو۔

اس کی گاڑی تیزی سے اندھیری رات میں محوِ سفر تھی۔ گاڑی کی تیز رفتاری کے علاوہ میرے لئے یہ خیال میں سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ کسی الزام میں مرتکب ایک بدنام شخص میرا رفیق سفر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سہاش دتہ کو خواہ مخواہ ہی بدنام کیا گیا ہو......؟ لیکن سہاش دتہ کے الفاظ کے سوا اس کی بے گناہی کا ثبوت کوئی اور نہ تھا۔

''کیپٹن اجیت کمار!''

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سہاش دتہ کی آواز ابھری۔

''ہاں......''

میں نے جواب دیا۔ وہ جب بھی مجھے کیپٹن کہہ کر مخاطب کرتا تو کچھ عجیب سا لگتا تھا۔ اس لئے کہ میں کیپٹن نہ تھا۔

''تم سوچ رہے ہو کہ یہ شخص انتہائی احمق ہے' جو ایک اجنبی شخص کے سامنے اپنا ذاتی دکھڑا لے بیٹھا ہے' لیکن ایک دن ایسا آئے گا کہ جب تم دیکھو گے اس دیش کے اندر ہر طرف تخریب کار اور سمگلروں کے نمک خوار بے روک ٹوک پھر رہے ہوں گے۔ خیر چھوڑو یہ

باتیں...... تم اپنے متعلق کچھ بتاؤ...... تم نیوی میں کب سے ملازم ہو؟''

اس سے تھوڑی دیر تک میرے متعلق باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے دفتری معاملات کے بجائے نجی زندگی کے بارے میں بتایا' کہ اپنے والدین کی موت کے بعد دنیا میں یک و تنہا رہ جانے کا ذکر کیا۔ نیز میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ میں بچپن ہی سے کشتیوں اور کشتی رانی کو پسند کیا کرتا تھا۔ یہ بات غلط نہ تھی۔

میرا آخری جملہ سن کر سہاش دتہ کا چہرہ دمک اٹھا' اور اس کی آنکھوں میں چمک کوند گئی۔ وہ سرشاری کے لہجے میں بولا۔

''تم نے کشتیوں سے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا ہے' تو پھر تم ایسی کشتی کی تصویر دیکھ کر خوشی محسوس کرو گے' جس کا ڈیزائن میں نے اپنے ایک دوست کے لئے بنایا تھا۔ آج کل نئی نئی کشتیوں کے ڈیزائن بنانا ہی میرا مشغلہ ہے۔''

ایک ہاتھ سے گاڑی چلاتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ کی مدد سے ایک مرتبہ اپنا بٹوا نکالا' اور اسے کھولا' پھر مختلف تعارفی کاغذات اور ڈرائیونگ لائسنس کے درمیان تصویر ڈھونڈنے لگا' لیکن ایک تو روشنی ناکافی تھی' اور دوسرے ایک ہاتھ سے کاغذات یکے بعد دیگرے دیکھنا دشوار تھا' اس لئے اس نے بٹوا میری طرف بڑھا دیا۔

جب وہ میرے ہاتھ میں بٹوا تھما رہا تھا' تب میں نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ ہے۔

''وہ تصویر انہی کاغذات کے درمیان میں کہیں ہے۔''

سہاش دتہ نے کہا۔

''اندر کی بتی جلا کر دیکھ لو۔''

میں نے بٹوے کا خانہ کھولا' اور بتی جلانے کے بعد آگے کی سمت جھک کر تصویر تلاش کرنے لگا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد مجھے ایک سفید کشتی کی چھوٹی سی تصویر دکھائی دی۔ کشتی کے سامنے ایک لڑکی انتہائی چست اور بھڑکیلے لباس میں جو قدرے نامناسب اور بے حجاب' اور اس کے سراپا کو نمایاں کرنے والا تھا کیمرے کی طرف منہ کئے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے لبوں پر معصوم اور دلکش مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ لڑکی کی کشش نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

"ہاں...... یہی تصویر ہے۔"

سہاش دتہ نے گاڑی کی رفتار کسی قدر کم کرتے ہوئے میرے کندھے پر سے جھانک کر کہا۔

"کشتی واقعی بہت خوبصورت ہے۔"

میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ واقعی کشتی خوبصورت تھی۔

"یہ تمہاری بیوی ہے؟"

"نہیں یہ سریتا نہیں ہے۔ سروجا ہے۔"

سہاش دتہ نے جواب دیا۔

"ہم بچپن میں اکٹھے کشتی رانی کا لطف اٹھایا کرتے تھے۔ یہی ایک ایسی لڑکی ہے' جو مجھے بحریہ سے جواب ملنے کے باوجود بھی میرا ساتھ دیتی رہی۔ اس نے محض میرا غم مٹانے کے لئے اس کشتی کا ڈیزائن میرے سپرد کیا۔ پھر ہم دونوں نے مل کر یہ کشتی بنائی۔ دیکھنے میں یہ کشتی بڑی دکھائی دیتی ہے' لیکن اسے ایک نازک اندازلڑکی بھی سنبھال سکتی ہے۔"

سہاش دتہ اب کسی قدر تیزی سے بول رہا تھا۔ جلدی جلدی بھی...... اس کی آنکھوں میں مجھے ایک وحشیانہ چمک سی نظر آئی۔ میں نے محسوس کیا اس کے ہونٹ پراسرار انداز سے بدبداتے بھی جا رہے ہیں' جیسے وہ کچھ پڑھتا بھی جا رہا ہو۔ وہ کشتی کے بارے میں جو بول رہا تھا' اور مسلسل بولتا جا رہا تھا' اس سے ایسا لگ رہا تھا' جیسے وہ مجھے کشتی کے متعلق ہر بات پوری طرح ذہن نشین کرا دینا چاہتا ہو۔

"کاش! میں تمہیں سمجھا سکتا...... اس کی ساخت اور سمتوں کے بارے میں...... توجہ اور غور سے دیکھو۔ تمہیں خود ہی اس کے بارے میں کافی اندازہ ہو جائے گا۔ کیوں کہ تم کشتیوں کے بارے میں جانتے' اور ان سے دلچسپی بھی رکھتے ہو۔"

میں مزید جھک کر تصویر دیکھنے لگا' لیکن کشتی نے نہیں، بلکہ اس لڑکی کے حسن و شباب کی حشرسامانیوں نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ اس میں ایسا کوئی سحر تھا' کہ نگاہ اس کے سراپا سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

وہ ضدی بچہ بن گئی تھی۔ میں نے اپنے رخسار پر گرم گرم سانس کی پھونک معاً محسوس کی۔ میں نے ایک عجیب سی حرکت محسوس کی تھی۔ میں نے تصویر سے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف

دیکھا۔ اس نے فوراً ہی دو مرتبہ مجھ پر یعنی میرے چہرے پر پھونکا۔ میں نے اس کے چہرے پر سفاکی سی محسوس کی۔ مجھے لگا کہ وہ مجھ پر کوئی منتر پڑھ کر پھونک رہا ہے۔

میں نے اپنے سر پر ایک زبردست چوٹ محسوس کی۔ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز نہ تھی' کسی چیز سے میرے سر پر ضرب لگی' میں سمجھ نہ سکا۔ حالانکہ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں تھی۔ میں نے سنبھل کر دیکھنے کی کوشش کی' مگر سہاش دتہ نے مسلسل بولتے ہوئے گویا اپنے ضمیر اور بسواس کو دھوکا دیتے ہوئے میرے چہرے پر تیسری اور چوتھی مرتبہ پھونک ماری۔ یہ منتر تھے' جنھوں نے میرے سر پر ضربیں لگائی تھیں' کسی آہنی نادیدہ شے نے میری کھوپڑی بجا دی تھی۔ میرا سر بری طرح چکرایا تو میں گہری تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

+++

سپنا...... وہی بھیانک اور بے حد ڈراؤنا سپنا...... میں یہ ہولناک سپنا متعدد بار دیکھ چکا تھا۔

آخری مرتبہ میں نے یہ سپنا اتنی مدت پہلے دیکھا تھا' کہ اسے تقریباً بھول چکا تھا۔ اب مجھے یہ دہشت ناک سپنا دیکھنے کی توقع ہی نہیں رہی تھی' نہ ہی میں اسے دیکھنا چاہتا تھا۔

یہ سپنا کچھ یوں تھا کہ میں اپنے ایک بحری جہاز میں پرسکون سمندر میں چلا جا رہا تھا کہ ایک تارپیڈز جہاز سے لگا۔ جہاز پر ایک کہرام برپا ہو گیا۔ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ ہر کوئی بری طرح چیخ رہا تھا۔ زور زور سے چلا رہا تھا۔ ہر طرف شعلے موت کا رقص کر رہے تھے...... دھماکے...... دھچکے اور اتھل پتھل...... میں خود بھی بری طرح چیخ رہا تھا۔ ہر لمحہ یہ گمان ہو رہا تھا کہ موت اب آئی کہ اب آئی۔ پھر میں اپنی جان بچانے کے لئے سمندر میں کود گیا۔ سمندر کی سرکش موجوں میں اتنی طغیانی تھی' اور وہ اتنی اونچی اونچی تھیں' کہ میں سمندر میں کبھی نیچے اور نیچے چلا جا رہا تھا۔ میں نے تیرنے کی بہت کوشش کی...... جتنی کوشش کی اتنا ہی سمندر کے پیٹ میں اترتا چلا گیا۔ سامنے ایک وہیل مچھلی منہ کھولے میری طرف آ رہی تھی۔

پھر میں ایک اذیت ناک چیخ مار کر بیدار ہو گیا' اور میں نے دیکھا کہ ایک نرس نے مجھے تھام رکھا ہے' تاکہ میں بستر سے نیچے نہ گر جاؤں۔ میں نے آرام سے لیٹنے کی کوشش کی' تو جسم کے مختلف حصوں میں درد کی اٹھنے والی لہروں نے مجھے تڑپا کر رکھ دیا۔

چہرے اور سر کے گرد بے شمار بندھی ہوئی پٹیوں کے درمیان آنکھوں کے لئے راستہ بنا ہوا تھا۔ اس راستے کے ذریعے ہسپتال کی سفید چھت اور رات کی تاریکی دیکھ سکتا تھا۔ نرس نے مجھے بتایا کہ مجھے ہسپتال میں چوبیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔

یہ حادثے کے بعد والی رات تھی۔ مجھے فوراً یاد آیا کہ میرا دوست میرا انتظار کر رہا ہے۔

میں نے ڈھاکہ ریلوے سٹیشن سے اسے اپنی آمد کی اطلاع تار سے دے دی تھی۔ پھر جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں کسی مشن پر نکلا تھا۔ اس لئے رنگامائی جا رہا تھا' لیکن یہ یاد نہ آ سکا کہ مشن کیا تھا؟ ماضی بعید اور ماضی قریب کی ساری یادیں میرے ذہن میں گڈمڈ ہو کر رہ گئی تھیں۔ ہولناک سپنے کی پرچھائیاں اب تک میرے ذہن میں تیر رہی تھیں' اور میں جیسے گھپ اندھیرے میں تھا۔

''اپنے آپ پر قابو پائیں مسٹر سبھاش دتہ......'' نرس نے بڑی نرمی سے کہا۔

''یہ آپ تو کسی چھوٹے سے بچے کی طرح چیخ رہے تھے۔ جب تک آپ خود پر قابو نہیں پائیں گے' آرام نہیں ملے گا۔''

میں نے خالی خالی نظروں سے نرس کی طرف دیکھا۔ اس اثنا میں ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں سرنج پکڑی ہوئی تھی۔ وہ میرے بستر کے پاس آیا۔ اس نے میری آنکھیں کھلی ہوئیں دیکھ کر کہا۔

''آرام سے لیٹے رہئے...... مسٹر سبھاش دتہ...... اس انجکشن کے بعد آپ گہری نیند سو جائیں گے۔ بولنے کی کوشش نہ کریں۔ نرس!'' اس کے بعد میں نے اپنے بازو میں سوئی چبھنے کا خفیف دباؤ اور درد محسوس کیا۔ تب مجھے خیال آیا کہ مجھے لوگ کسی اور نام سے مخاطب کر رہے ہیں' پھر میں جلد ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

صبح میں نے آنکھ کھولی' تو نرس الماری سے پٹیاں نکال رہی تھی' اور میز پر رکھتی جا رہی تھی۔ اب میرا ذہن اس قابل ہو چکا تھا کہ ماضی کے سپنوں اور حال کی حقیقتوں میں امتیاز کر سکوں۔ جب میں بمبئی میں دو ایک برس رہا تھا' تب ایک جلتے جہاز سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس جہاز میں ایک تقریب تھی' اور وہ سمندر میں گھوم رہا تھا کہ اچانک انجن روم میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اور ایک جلتی ہوئی گاڑی میں بھی کسی نامعلوم طریق سے نجات پائی تھی۔ یہ واقعہ میسور کے جنگل کے چیک پوسٹ کے قریب پیش آیا تھا۔ اس گاڑی میں چند غیر ملکی سیاح سوار ہوئے تھے۔

پہلا حادثہ میرے ذہن میں نمایاں تھا۔ یہ جہاز نیوی کا تھا۔ میں نے دو نیوی اعلیٰ افسروں کی جان بچائی تھی' جس پر مجھے ایڈمرل نے میڈل بھی دیا تھا۔ دوسرا حادثہ دھندلایا ہوا تھا' اور اس کی تفصیل مجھے یاد نہیں رہی تھی۔ اب جو واقعہ پیش آیا تھا' اس کی تفصیل بھی مجھے یاد

نہیں رہی تھی۔ صرف اتنا یاد آیا کہ ایک شخص، جس نے اوورکوٹ اور چھجے دار ہیٹ پہن رکھا تھا۔ اس کا خاکہ میرے ذہن میں ابھر رہا تھا۔ اس کے باوجود اس شخص کے چہرے کے نقوش واضح نہ ہو رہے تھے۔ اس نے مجھے کوئی الجھی ہوئی کہانی بھی سنائی تھی۔ اس کے بعد مجھے یاد آیا کہ رات کو نرس اور ڈاکٹر نے مجھے غلط نام سے پکارا تھا۔

''نرس!'' میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے منمنایا تھا۔

''کیا بات ہے مسٹر سہاش دتہ......؟'' نرس نے خندہ پیشانی سے کہا۔

''آپ اس وقت رنگا مائی کے میموریل ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ کیا یہی بات جاننے کے لئے آپ بے تاب اور پریشان ہو رہے ہیں......؟''

میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ دل کی بات زبان پر نہ آ سکی۔ پھر میں نے کچھ اور سوچ کر کہا۔

''مجھے کیا ہوا......؟ یہ میرا چہرہ نرس......؟''

''آپ جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے مسٹر سہاش دتہ......'' ادھیڑ عمر کی وردی پوش چکنہ قوم کی نرس نے مجھے دلاسا دیا۔ ''آپ کے سینے میں چوٹ آئی ہے' اور چہرے پر چند خراشیں ہیں' جو بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔''

اس وقت مجھے سینے میں درد محسوس ہوا' لیکن میں نے اس سے ایک اور ہی سوال کیا۔

''کیا میرے ساتھ کوئی اور بھی زخمی ہوا......؟''

''کوئی اور......؟ نہیں تو......؟'' نرس نے حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ خیال آپ کو کیسے آیا کہ آپ کی وجہ سے کوئی اور بھی زخمی ہوا ہو گا۔ پولیس نے آپ کو سڑک کے کنارے زخمی حالت میں پایا تھا۔ ایک کسان نے دھواں دیکھ کر پولیس کو مطلع کیا تھا۔ پولیس کا خیال ہے کہ گاڑی چلاتے وقت آپ اونگھ گئے تھے' جس سے گاڑی کھائی کی طرف لڑھکنے لگی۔ آپ خوش نصیب تھے کہ گاڑی کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا' اور آپ گاڑی کے کھائی میں گرنے سے قبل ہی باہر آن گرے۔''

میں خاموشی سے نرس کی باتیں سنتا رہا۔ اب مجھے سہاش دتہ پوری طرح یاد آ گیا۔ یہ وہی تھا' جس نے مجھ پر تین چار مرتبہ کوئی منتر پڑھ کر پھونکا تھا' جس کے باعث میں بے ہوش ہونے لگا' اور پھر میں نے کسی نادیدہ سخت چیز کی دو تین ضربیں کھوپڑی پر محسوس کیں۔ پھر میرا

سر چکرایا اور میں گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔

یہ اس وقت کی بات ہے' جب میں تصویر کو بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ نرس کا بیان سن کر پہلا خیال میرے ذہن میں جو آیا' وہ یہ تھا کہ سہاش دتہ نے مجھے گاڑی میں جلا کر قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر کھائی میں گرتی ہوئی گاڑی کا دروازہ اتفاق سے نہ کھلتا تو......؟ میری چتا جلائی جا رہی ہوتی۔''

میز پر سے پھولوں کا ایک خوب صورت سا گلدستہ اٹھا کر نرس مسکراتی ہوئی میرے پاس آئی۔

''آپ کی کسی عزیز نے یہ پھول آپ کو بھیجے ہیں...... کیوں...... بڑے خوب صورت پھول ہیں نا......؟''

پھر نرس نے وہ گل دستہ اور کارڈ مجھے تھما دیئے۔ ''تازہ ہیں اور کیسے مہک رہے ہیں؟''

میں نے اس گل دستہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد کارڈ پڑھا۔

یہ ایک ایسا کارڈ تھا' جو عموماً مریضوں کو بھیجے جاتے ہیں۔ اس طرح سے عیادت کی جاتی تھی۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔

''تمہارے ساتھ حادثہ پیش آنے کی خبر سن کر میں تڑپ اٹھی۔ مجھ پر کیا بیتی، میں بیان نہیں کر سکتی۔'' سروجا۔

دستخط کرنے والی لڑکی کا نام پڑھ کر میرے ذہن میں ارتعاش سا پیدا ہوا۔ یہ وہی نام تھا' جو سہاش دتہ نے اپنے دوست کا بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہسپتال پہنچ جائے۔ جب وہ گلدستہ لے کر آئی ہو گی' تب میں گہری نیند سو رہا ہوں گا۔

''نرس......!'' میں نے آہستہ سے اسے پکارا۔

''جی مسٹر سہاش دتہ!'' وہ میرے بستر کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''کچھ کہنا ہے آپ کو......؟''

''کیا میری سب چیزیں یہیں موجود ہیں......؟'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے سوالیہ انداز سے دیکھا۔

نرس نے میرے ہاتھ سے کارڈ اور گل دستہ لے کر اسے تھامتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... کیوں نہیں...... البتہ آپ کا بریف کیس اس قابل نہیں رہا کہ تم اسے استعمال

میں لاسکو۔ تمہاری چابیاں، گھڑی اور بٹوا میرے پاس ہیں۔ اس میں تین سو دس کی رقم تھی، جو ہسپتال کے کیشئر کے پاس محفوظ ہے۔ کیا آپ اپنا بٹوا دیکھنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں......" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ابھی اور اسی وقت...... تمہیں زحمت تو ہوگی۔"

میری بات سن کر نرس تیزی سے الماری کی طرف لپک گئی۔ پھر اس کی ایک دراز سے بٹوا، گھڑی اور چابیاں نکال لائی۔

میں نے بٹوا تھام لیا۔ یہ وہی بٹوا تھا، جس کے اندر سروجا کی تصویر دیکھتے ہوئے میں اس حادثے کا شکار ہوا تھا۔

میں نے حیرانی سے سوچا، لیکن میرا اپنا بٹوا کہاں گیا......؟ ہوسکتا ہے کہ غلطی سے سبھاش دتہ کا بٹوا میرا بٹوا سمجھ لیا گیا ہو، اور پھر یہ گھڑی اور چابیاں میری اپنی نہیں ہیں۔ نرس نے شاید یہ بھی کہا تھا، کہ مجھے یونیفارم میں نہیں، بلکہ سوٹ میں ملبوس لایا گیا تھا۔ اس کا مطلب صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اتفاق سے مجھے سبھاش دتہ سمجھنے کی غلطی نہیں ہو رہی ہے، بلکہ یہ سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا ہے۔ دراصل سبھاش دتہ نے مجھے بے ہوش کرنے کے بعد میری وردی اتاری، اور پھر مجھے اپنے کپڑے پہنا دیئے۔ اور پھر گاڑی کو آگ لگا کر کھائی میں دھکیل دیا، لیکن ایسا کرنے کا مقصد کیا تھا......؟

مجھے اچانک ایک خیال آیا۔ یہ غلط نہیں ہوسکتا تھا۔ شاید نیوی کی خفیہ پولیس کے کسی افسر کو انتہائی راز داری سے سونے کے سراغ کا کام سونپا گیا تھا۔ رنگا مائی میں اس کے افسر اعلیٰ شاید اس کا انتظار کر رہے ہوں۔ شاید کسی تیسرے کو اس کا علم نہیں ہوگا۔ لیکن مافیا نے کسی نہ کسی طرح یہ بات معلوم کر لی ہوگی، کہ ایک سراغ رساں افسر سونے کا سراغ لگانے رنگا مائی جا رہا ہے۔ انہوں نے مجھے سراغ رساں سمجھ لیا۔ اس لئے سبھاش دتہ نے مجھے پھانسا، اور میری زندگی ختم کرنے کی کوشش کی۔ یا پھر کوئی اور چکر ہوسکتا ہے۔ کوئی کھیل کھیلا گیا، یا پھر کھیلنے کی کوشش کی گئی ہو۔

میں نے اس الجھن کو سلجھانے کی بہتیرا کوشش کی...... سر کھپایا...... مگر اس کا کوئی خاص حل میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے جتنا اسے سلجھانے کی کوشش کی، اتنا ہی الجھتا اور پریشان ہوتا گیا۔

میں نے فضول سوچ بچار کرنے کے بجائے بٹوا کھولا۔ اس لئے کہ یہ واقعہ اس قدر پراسرار تھا کہ میں مزید الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے بٹوا کھولا تھا۔ اندر سے کاغذات کا ایک چھوٹا سا پلندہ میرے ہاتھوں میں آ گیا۔ میں نے ان شناختی کاغذوں میں سے سروجا کی وہ تصویر نکالی، جس میں حسن و شباب کی کرشمہ سازیوں کی پیکر بنی ایک سفید کشتی میں کھڑی کیمرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے سوچا۔ اس نے سبھاش دتہ کو زخمی جان کر پھولوں کا گل دستہ بھیجا ہوگا۔

پہلی مرتبہ میں نے گاڑی میں اس تصویر کو دیکھا تھا۔ اس لڑکی کے لبوں پر معصوم اور دلکش تبسم کھلتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ لیکن اب تصویر کو دیکھ کر یوں محسوس ہوا، جیسے لڑکی عیارانہ انداز سے مسکرا رہی ہو۔

میرا یہ احساس غیر فطری نہ تھا۔ کیوں کہ یہی لڑکی سبھاش دتہ کی دوست تھی، جسے کسی سنگین جرم کے الزام میں نیوی سے نکال دیا گیا تھا۔ اب مجھے شک نہ رہا تھا کہ سبھاش دتہ واقعی مجرم ہوگا۔

سبھاش دتہ کی دوست لڑکی کے لبوں پر فاتحانہ...... مکارانہ اور ظالم مسکراہٹ تھی۔ اسے قاتل مسکراہٹ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ مجھے لگا تھا کہ وہ سبھاش دتہ کے کارنامے پر خوشی محسوس کر رہی ہو، کہ اس نے ایک بے قصور اجنبی شخص کو اس حال تک پہنچا دیا۔ سبھاش دتہ ایک ذہین شخص ہے۔

مجھے سروجا کی یہ تصویر بڑی جان دار اور جیتی جاگتی سی محسوس ہوئی۔ ایسا لگا، جیسے وہ مجھ پر ہنس رہی ہو۔ تمسخر کر رہی ہو۔

دوسرے لمحے میرا ہاتھ کپکپایا اور تصویر کاغذ کا بے جان ٹکڑا بن کر رہ گئی۔ وہ مجھ سے چھوٹ کر گود میں گر پڑی تھی۔

میں نے تصویر اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھا۔ تصویر کے سپاٹ رخ پر چھ لکیریں سی نظر آ رہی تھیں، لیکن اتنی مدھم کہ اگر تصویر چھت پر لٹکنے والے بلب کے سامنے نہ ہوتی تو ان کا کسی کو گمان بھی نہ ہوتا۔ ان لکیروں کے متعلق سوچتے سوچتے مجھے یک بیک احساس ہوا کہ تصویر کا کاغذ معمول سے کچھ دبیز یعنی موٹا ہی ہے۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ابھی ابھی نرس کمرے سے باہر نکلی تھی۔ کمرے سے دور جاتی نرس

کی چاپ بتدریج مدھم ہو رہی تھی۔ میں یہ جانتا تھا کہ اب وہ جلد لوٹ کر واپس نہیں آئے گی۔

میں نے تصویر کے کناروں کو بڑے غور سے دیکھا۔ میرا خیال ٹھیک نکلا۔ تصویر کی پشت پر ایک کاغذ بڑی نفاست سے کاٹ کر سریش سے چپکایا ہوا تھا۔ میں نے تصویر کا ایک کونا تھوڑا سا موڑ کر بڑی احتیاط سے یہ کاغذ الگ کیا اور آخر میں تھوڑا سا حصہ چپکا رہنے دیا۔ میں پورا کاغذ الگ کرنا نہیں چاہتا تھا' کیوں کہ اس سے کچھ حاصل نہ تھا۔

تصویر کی پشت پر پنسل سے یہ نام لکھے ہوئے تھے۔

''رانی...... گولڈن...... کپتانی اسٹار...... فلائنگ کک...... پدما...... سن آف چٹاگانگ...... ہر نام کے آگے کچھ اور حروف بھی درج تھے' جن سے میں باوجود کوشش کے کوئی مطلب اخذ نہ کرسکا۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ حروف خفیہ الفاظ ہوں۔ میں نے انہیں سمجھنے کی دوبارہ کوشش کی۔ اس لئے کہ میرا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ سب کچھ پراسرار لگا۔ ایک خیال اور آیا کہ شاید یہ کوئی منتر ہوں۔

چند لمحوں کے بعد پھر راہ داری میں نرس کی چاپیں سنائی دیں۔ ویسے وہ جلد لوٹ آئی تھی۔ میں نے تصویر کے پیچھے لٹکتا ہوا کاغذ پہلے کی طرح چپکا دیا' اور تصویر کو پلاسٹک کے ڈبے میں ڈال دیا۔

جس وقت نرس کمرے میں داخل ہوئی' میں بستر پر آرام سے دراز تھا۔ نرس نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی' اور مطمئن سی ہوگئی۔

نرس نے بستر کے پاس آ کر بٹوا اٹھایا' اور ساتھ ہی گھڑی اور چابیاں بھی اٹھالیں' پھر انہیں الماری کی دراز میں رکھ کر بولی۔

''مسٹر سبھاش دتہ!...... یہ میں یہاں رکھ رہی ہوں۔''

میں نے سوچا کہ کچھ کہنا چاہئے...... کچھ کرنا چاہئے...... کیوں کہ میں سبھاش دتہ نہیں تھا۔ یہ تردید اور وضاحت ضروری تھی۔ اس غلط فہمی کو کیسے دور کیا جائے......؟ پھر میرے ذہن میں ایک خیال آیا' تو میں نے اس پر غور کرتے ہوئے کہا۔

''نرس! میں ڈاکٹر سے ابھی اور اس وقت ملنا چاہتا ہوں۔ تم انہیں صرف پانچ منٹ کے

لئے بلا دو۔''

''ڈاکٹر تو راؤنڈ پر چلے گئے ہیں' اور اس وقت ان کا ایک منٹ کے لئے بھی آنا مشکل ہے۔'' نرس نے جواب دیا۔

''آپ کو ڈاکٹر سے کیا کہنا ہے......؟ کیا بٹوے میں کوئی چیز گم ہے......؟ میں یقین دلاتی ہوں کہ بٹوے کی ہر چیز فہرست......''

''یہ بات نہیں ہے۔'' میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''ایک اور بات ہے' جس کے بارے میں ڈاکٹر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

مجھے یقین تھا کہ اگر میں نے نرس سے یہ کہا کہ میں سبھاش دتہ نہیں' بلکہ اجیت ہوں تو...... وہ لازمی طور پر یہی سمجھے گی' کہ دماغی چوٹ نے اس بے چارے کا دماغ متاثر کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ نرس کو ساری کہانی سنانے کے بعد ڈاکٹر کے سامنے بھی آپ بیتی دہرانی پڑے گی۔ اور میں اس قابل نہیں تھا' کہ اس جاں گسل ذہنی مشقت کو برداشت کرسکوں' لیکن ہمت تو کرنی تھی۔

''مہربانی کر کے کسی نہ کسی طرح ڈاکٹر کو بلا ہی دو۔'' میں نے نقاہت سے کہا۔ صرف یہ جملہ کہنے سے ہی میرا سر بوجھل ہونے لگا تھا۔

''ڈاکٹر...... اس وقت اپنے آفس میں مریضوں کے معائنے میں مصروف ہیں۔ وہ راؤنڈ ختم کر کے مریضوں کا معائنہ کرتے ہیں۔'' اس نے دستی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے......؟ آپ کو زیادہ تکلیف تو نہیں......؟''

''نہیں...... نہیں...... یہ بات نہیں...... میں ٹھیک ہوں۔ تم کسی نہ کسی طرح ڈاکٹر کو بلا دو۔'' اب کمرہ میری نگاہوں کے سامنے گھومتا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے چند لمحے آنکھیں بند رکھیں' پھر آہستگی سے کہا۔

''نرس! ڈاکٹر سے کہو کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔ وہ جوں ہی مریضوں سے فارغ ہوئے' آپ کا پیغام ان تک پہنچا دوں گی۔'' وہ بولی۔

''تمہیں کیسے اندازہ ہوگا کہ ڈاکٹر مریضوں سے فارغ ہوگئے۔ جب کہ تم کمرے میں

موجود ہو۔'' میں نے کہا۔

''تم مجھے بہلا تو نہیں رہی ہو؟''

''وہ ایسے کہ جو نرس ان کے کمرے میں مریضوں کو ملاقات کے لئے بھیجتی ہے' وہ ڈاکٹر کے مریضوں سے فارغ ہوتے ہی میرے پاس آئے گی۔'' وہ بولی۔

''اب کچھ دیر آپ آرام کرلیں۔ کیوں کہ آپ کی بیوی آپ سے ملنے آرہی ہیں۔''

''میری بیوی......؟'' میں نے جو آنکھیں بند کرلی تھیں' ایک دم سے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی طرف حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ مجھے اپنی سماعت پر فتور کا احساس ہوا۔

''جی ہاں......'' نرس اثبات میں سر ہلاتی ہوئی کہنے لگی۔

''وہ کئی دفعہ آکر آپ کے متعلق پوچھ چکی ہیں۔ آپ کے زخمی ہونے کی خبر پاتے ہی وہ آگئی تھیں۔ انہیں بڑی تشویش تھی' اور وہ بہت زیادہ پریشان بھی تھیں۔ آپ چوں کہ زخمی اور بے ہوشی کی حالت میں تھے' اور حالت بہتر نہیں تھی' اس لئے ڈاکٹر نے ملاقاتیوں کو ملنے سے روک دیا تھا۔ مجھ سے کہہ دیا تھا' کہ ہوش میں آنے پر کسی کو ملنے اور بات کرنے کی اجازت نہ دیں۔ وہ شاید کسی رشتہ دار کے ہاں مقیم ہیں۔ وہ شاید کہیں قریب ہی رہتے ہوں گے۔ آپ کا گھر بھی تو رنگامائی میں ہے۔ یہ کتنی عجیب اور افسوسناک بات ہے کہ آپ گھر کے قریب حادثے کا شکار ہوگئے۔'' اس نے سانس لینے کے لئے لحاتی توقف کیا' اور پھر اپنی بات جاری رکھی۔

''میں یہ بات بڑی سچائی سے کہوں گی کہ...... آپ کی بیوی نہایت شائستہ عورت ہے۔ ورنہ عموماً بڑے گھرانوں کی عورتیں بڑی اکھڑ اور بدتہذیب ہوتی ہیں۔ انہیں بڑا گھمنڈ اور غرور ہوتا ہے۔ وہ ہم نرسوں کو بڑا کم تر خیال کرتی ہیں' مگر میں نے ان میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ اس بات نے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا۔ وہ بہت خوب صورت بھی ہیں۔ بھگوان نے آپ دونوں کا جوڑ بہت خوب بنایا ہے۔ اچھا اب باتیں بہت ہوئیں۔ آپ آرام کریں' تاکہ سہ پہر کو بیوی سے ملاقات کے وقت ہشاش بشاش نظر آئیں۔ کوئی خواب آور گولیاں دے دوں؟''

میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا' تو وہ کمرے سے چلی گئی۔ جاتے ہوئے

دروازہ بند کرگئی۔

میں کچھ دیر تک خالی خالی نظروں سے چھت کو گھورتا اور سوچتا رہا۔ حالات اور واقعات بڑے پراسرار طور پر پیش آئے تھے۔ میں اجیت سے اب سہاش دتہ بن گیا تھا' بلکہ بنا دیا گیا تھا' اور پھر میری بیوی بھی آگئی تھی۔ میں سفید چھت کو گھورتا' اور پراسرار حالات کے بارے میں سوچتا سوچتا سوگیا۔

دوبارہ بیدار ہوا تو میرے بستر کے قریب کوئی کھڑا میرے بارے میں باتیں کررہا تھا۔ میری آنکھیں بند تھیں۔ البتہ میں نے ڈاکٹر اندھیر کی آواز پہچان لی تھی۔ ڈاکٹر اندھیر کسی کو بتا رہا تھا' کہ سر میں شدید چوٹ آئی ہے' مگر ایکسرے سے پتا چلا ہے کہ کھوپڑی ہر طرح سے محفوظ ہے۔ سر اور چہرے کے زخم آہستہ آہستہ مندمل ہورہے ہیں۔ ناک کی ہڈی میں تھوڑے سے خم کے سوا چہرہ ٹھیک ہوجائے گا۔ سٹیئرنگ وہیل کی ضرب لگنے سے مریض کے سینے پر کافی دباؤ پڑا' مگر پسلی کی ہڈیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ یہ مریض کی خوش نصیبی ہے کہ اسٹیئرنگ وہیل پیٹ میں نہیں گھسا۔ اگر گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل ہل جاتا تو اسٹیئرنگ وہیل کی سلاخ پیٹ میں ضرور گھس جاتی' کیوں کہ اس قسم کے حادثوں میں عموماً......''

مجھے اونگھ سی آگئی اور جب یہ اونگھ ٹوٹی' تو مجھے کمرے کے باہر کسی کی باتوں کی آواز سنائی دی۔ اور پھر کسی نے آہستگی سے دروازہ بھیڑ دیا۔ کمرے میں ایک گہرا سکوت سا طاری ہوگیا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں' اس وقت میں کمرے میں اکیلا ہی پڑا تھا۔ میں سوچنے لگا۔ ڈاکٹر جانے کس سے باتیں کررہا تھا۔ پھر میں نے ہاتھ بڑھا کر سرہانے کے قریب موجود گھنٹی کے بٹن کو دو مرتبہ وقفے وقفے سے دبا دیا۔

لمحے کی بھی دیر نہیں لگی۔ جلد ہی دروازہ کھول کر نرس کمرے میں آگئی۔ میرے بستر کے پاس آکر بولی۔

''بیدار ہوگئے مسٹر سہاش دتہ!...... اب آپ اپنی طبیعت کیسی محسوس کررہے ہیں؟''

''قدرے افاقہ سا لگ رہا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

پھر اس نے جلدی سے چادر کی شکنیں درست کیں' پھر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر کھڑکی کھول دی' تاکہ دھوپ اندر آسکے۔ پھر دروازے کے قریب جا کر اسے کھولا' اور پھر اپنا سر باہر نکال

کر بلند آواز میں بولی۔

''ڈاکٹر نارنگ...... مسٹر سبھاش دتہ جاگ گئے ہیں۔''

اس کی بات سن کر ایک بلند قامت' ادھیڑ عمر کا' گنجے سر والا شخص اندر آیا' تو نرس نے دروازہ بند کر دیا۔

میں نے اس کا سرسری جائزہ لیا۔ اس نے بھورے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی چال ڈھال سے ہی اس کے پیشے کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے بستر کے قریب آیا۔ مجھ پر اوپر سے نیچے تک اچٹتی سی نظر ڈالی اور تاسف سے کہا۔

''اوہ سبھاش دتہ!...... یہ تم نے کیا کر لیا ہے......؟'' پھر اس نے جواب کا انتظار کئے بغیر کہا۔

''میں ابھی ابھی ڈاکٹر اندھیر سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ تم گھر جانے کے قابل ہو گئے ہو۔ نرس! مہربانی کر کے سٹریچر منگوا لو...... اور ہاں...... مسز سبھاش دتہ سے کہو کہ وہ اسٹیشن ویگن لے کر ہسپتال کے دروازے پر آ جائے۔''

اپنی اس حالت میں...... میں اس آواز کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ شاید یہ آواز میں پہلے بھی کہیں سن چکا تھا۔

مجھے سوچنے' کچھ کہنے اور احتجاج کرنے کے لئے ذرا بھی مہلت نہ دی گئی۔ کم از کم مجھ سے پوچھ ہی لیا ہوتا۔ میں کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے ان لوگوں سے کوئی بحث یا زیادہ دیر تک بات نہیں کر سکتا تھا' اور نہ ہی ان کی غلط فہمی کے بارے میں تفصیل بتانے کے قابل تھا۔

چند لمحوں کے بعد مجھے سٹریچر پر ڈال کر ہسپتال سے' باہر لے جایا جا رہا تھا۔ کسی ٹوٹ جانے والی شے کی طرح بڑی احتیاط سے' اور بہت ہی سنبھال کر...... اور پھر مجھے اسٹیشن ویگن میں سوار کر دیا گیا۔ ڈرائیور کی سیٹ کے سوا چیک دار اسٹیشن ویگن کی باقی سیٹوں کو اس طرح جوڑ دیا گیا کہ ایک بیڈ سا بن گیا تھا۔ پھر کوئی میرے قریب آ بیٹھا تھا۔

''سب ٹھیک ہے۔'' اس نے صاف آواز میں کہا۔

''چلئے ڈاکٹر نارنگ......''

اس آواز کے ساتھ ہی اسٹیشن ویگن حرکت میں آ گئی۔ میں نے سر گھما کر دیکھا۔ ایک عورت میرے قریب بیٹھی ہوئی تھی، وہ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر بڑے پراسرار لہجے میں' اور

سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔

''تمہیں یہ سوچنے کی اجازت ہے مسٹر اجیت! کہ تمہیں اغوا کیا جا رہا ہے۔''

چند لمحوں کے بعد مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ اجنبی عورت نے مجھے میرے اصلی نام سے مخاطب کیا ہے۔

پھر اس عورت نے میرے چہرے پر جھک کر ایک پھونک سی ماری۔ جیسے اس نے کوئی منتر پھونکا ہو۔ مجھ پر نیم غشی سی طاری ہو گئی۔

+++

کہیں دور گھنٹی کی آواز نے مجھے نیند سے بیدار کر دیا۔ اس گھر میں مجھے بڑی احتیاط سے بستر پر لٹانے کے بعد کوئی خواب آور دوا دی گئی تھی۔ جس کا اثر ابھی تک مجھ پر تھا۔ شاید اس منتر کا بھی' جو اس عورت نے اسٹیشن ویگن میں مجھ پر پڑھ کر پھونکا تھا۔

گھنٹی کی آواز پر ساتھ والے کمرے سے کوئی نکلا' اور پھر سیڑھیوں پر کسی کے اترنے کی آواز مجھے واضح طور پر سنائی دی۔ میرے کمرے کے دروازے کو بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ چند لمحوں کے بعد نچلی منزل پر دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ کوئی آواز ایسی نہیں تھی' جو میں سن نہیں سکتا تھا۔ اس لئے کہ میرے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یوں بھی میرے کان باہر لگے ہوئے تھے۔

دروازہ کھلتے ہی ایک عورت کی دھیمی گفتگو سنائی دی۔ اتنی دور سے کہ الفاظ صاف سنائی نہ دے رہے تھے۔ میں نے یہ الفاظ سننے کی بہتیری کوشش کی تھی۔ اگر ایک دو الفاظ بھی سن لیتا تو پھر بات واضح ہو جاتی۔

میرے چہرے کے دو چھوٹے چھوٹے حصے جو پٹیوں کی جکڑ بندیوں سے آزاد تھے، ان پر ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں کی یلغار سے اندازہ ہوتا تھا' کہ اس کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی کسی قدر فاصلے پر کسی موٹر بوٹ کے گزر جانے کی آواز صاف سنائی دے جاتی۔ کھڑکی کی راہ سے آنے والے پرندوں کی آوازوں سے صاف ظاہر تھا کہ کوئی جنگل قریب ہے۔

موٹر بوٹ کے گزر جانے سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا' کہ یہ گھر دریا کے بیچ بنا ہوا ہے۔ میں رنگا مائی ہی میں ہوں۔ رنگا مائی میں دریا میں سینکڑوں ٹیلے ہیں' جن پر مکان' بنگلے' ہوٹل اور

کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں۔ جب یہاں ڈیم بنا گیا تھا' تب یہ علاقہ زیرآب آ گیا تھا۔

پھر اس علاقے کو خوب صورت اور سیاحتی مرکز بنانے کے لئے حکومت نے یہ ٹیلے صنعت کاروں' بزنس مین اور سرمایہ داروں کو ارزاں قیمت پر دیئے تھے۔ جس سے نہ صرف یہ سیاحتی مرکز اور خوب صورت علاقہ بن گیا تھا' بلکہ مقامی اور جنگل میں جو چکمہ اور مگ قبیلے آباد تھے انہیں روزگار مل گیا تھا۔ یہاں خوش حالی اور آسودگی آ گئی تھی۔ مجھے یہ تمام تفصیلات جیب تراش ہم سفر نے بتائی تھیں۔ سہاش دتہ کی بیوی سریتا کمرے میں آئی' تو اس کی چاپیں سن کر میں نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھول دیں۔

وہ مجھے بیدار دیکھ کر میرے بستر کے قریب آ گئی۔ میں نے اسے ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ سروقامت' دبلی پتلی' پرکشش اور نہایت ہی خوب صورت عورت تھی۔ گہرے سیاہ' چمکیلے' ریشمی بالوں والی اس حسینہ کی عمر کسی طرح بھی بیس برس سے زیادہ نہ ہوگی۔ ممکن ہو زیادہ ہو۔ چوں کہ چھریرے بدن کی تھی' اس لئے شاید اس کی صحیح عمر کا اندازہ ہو نہیں پایا تھا۔ ایک جوان اور جاذبیت سے بھرپور دوشیزہ لگتی تھی۔ اس نے گلابی رنگ کی ساڑھی اور کالے رنگ کا بہت ہی مختصر آستینوں کا بلاؤز پہنا ہوا تھا۔ اگر بلاؤز کی یہ آستینیں بھی نہ ہوتی مرمریں باہنیں بے نیام خنجروں کی طرح ہی دکھائی دیتیں' جواب بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

اس لباس نے اس کے حسن و شباب کو شاہانہ وقار بخش دیا تھا۔ اگر اس کے بال نفاست سے بندھے ہوئے ہوتے' یقیناً وہ قدیم مصر کی کوئی شہزادی دکھائی دیتی۔ لیکن وہ ساحرہ معلوم ہوتی تھی۔ اس میں جو ایک عجیب سا سحر تھا' وہ منتر کی طرح اثر کر رہا تھا۔ شاید وہ بھی دروازے کی گھنٹی کی آواز سن کر بیدار ہوئی تھی۔ اس کی بڑی بڑی گہری سیاہ آنکھوں میں نیند کا خمار بھرا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے رس بھرے گداز ہونٹ لپ اسٹک سے محروم تھے۔

''میرے خیال میں تم ابھی ابھی جاگے ہو......؟'' اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔ اس کی آواز بھی اس کی طرح خوب صورت تھی۔

''تمہارے پاس گھنٹی کا بٹن ہے۔ کبھی کسی بات یا چیز کی ضرورت ہو تو اسے دبا دینا۔''

اس نے گھنٹی کے بٹن کی طرف اشارہ کیا۔

مجھے خیال آیا کہ نیچے باورچی خانے میں شاید کوئی اور بھی موجود ہے' کیوں کہ نچلی منزل سے برتن کھٹکنے کی آواز سنائی دی تھی۔ میں خاموش سا تھا' اور برتن کی آواز سن کر سوچ رہا

تھا' کہ کون ہو سکتا ہے؟ وہ مجھے چپ دیکھ کر بولی۔

''اب تمہاری طبیعت کیسی ہے مسٹر اجیت......!؟''

''کچھ بہتر تو محسوس کر رہا ہوں۔'' میں نے میکانکی انداز سے جواب دیا۔

''ڈاکٹر نے تمہیں ہر قسم اور ہر طرح کی غذا کھانے کی اجازت دے دی ہے۔ کوئی پرہیز نہیں ہے۔ اگر تمہیں بھوک ہے' تو میں اتم کمار سے ناشتہ تیار کرنے کے لئے کہہ دوں۔ اوہ مگر تم ہم میں سے کسی کو نہیں جانتے ہو۔ اتم کمار باورچی ہے' اور ڈاکٹر نارنگ جس سے تم کل مل چکے ہو...... وہ فیملی ڈاکٹر ہے۔'' پھر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''میں مسز سریتا سہاش دتہ ہوں۔ ہم یہاں کی مقتدر ہستیوں میں سے ہیں۔ اور یہ ہمارا پہلا......'' وہ کسی خیال کے زیر اثر کہتے کہتے رک گئی۔ پھر مسکرانے کی ناکام کوشش کے بعد بولی۔

''یہ ہمارا پہلا اغوا ہے۔''

میں بڑے غور سے اس کے سامنے بندھے ہوئے مرمریں' سڈول اور خوب صورت ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ ان میں جتنی دلکشی تھی' اتنی ہی جاذبیت بھی...... سورج کی کرن اس کی مخروطی انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کو جگمگا رہی تھی۔

انگوٹھی کے اس خوب صورت نظارے نے لمحاتی طور پر میرے ذہن سے یہ بات فراموش کر دی کہ میں اس وقت اس شخص کی بیوی کے سامنے پڑا ہوا ہوں' جس نے مجھے بڑی سفاکی سے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ زیادتی بھی میرے ذہن سے مٹ گئی تھی' کہ اس عورت نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس کا شوہر نہیں' لیکن مجھے اپنا پتی ظاہر کر کے دھوکے سے اس گھر میں لانے کا بندوبست کیا تھا۔ اور پھر یہ عورت میرا نام بھی جانتی تھی۔ یہ نام اسے صرف ایک ہی شخص بتا سکتا تھا۔ یعنی سہاش دتہ۔

''وہ کہاں ہے......؟'' میں نے اپنے لہجے کو متوازن کرتے ہوئے پوچھا' تو میری آواز مدھم سی تھی۔

''وہ......؟'' سریتا کے حسین چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔

''وہ کون......؟ تم کسے پوچھ رہے ہو......؟''

''تمہارا شوہر......'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں جما دیں۔

"نظر نہیں آیا......"

یہ سن کر وہ دم بخود ہوگئی' اور مجھے یوں محسوس ہوا' جیسے غم اور خوف کے سائے اس کے چہرے پر ایک لمحے کیلئے تیر گئے ہوں۔ دوسرے لمحے جیسے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پھر وہ اچانک اور غیر متوقع طور پر قہقہہ لگا کر بڑے زور سے ہنسی' اور بولی۔

"کیا باتیں کر رہے ہو سہاش دتہ!؟ اگر کوئی اور سنے گا' تو یہی سوچے گا کہ ابھی ہماری شادی نہیں ہوئی۔"

"لیکن......؟" میں نے کچھ کہنا چاہا۔ حیرت کی بات تھی کہ اس نے مجھے اپنے شوہر کے نام سے مخاطب کیا تھا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں پیارے...... مجھے یقین ہے کہ تم میرے لئے کوئی الجھن پیدا نہیں کرو گے......ہمیں یہی سوچنا چاہئے کہ ہم ہمیشہ سے اکٹھے رہتے آئے ہیں۔ اچھا اب میں تمہارے لئے ناشتہ لاتی ہوں۔" اس نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

اس نے اپنی بات بڑی سنجیدگی سے کہی تھی۔ اتنا کہہ کر وہ مڑی اور کمرے سے تیز تیز چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ سیڑھیاں اتر کر نچلی منزل پر پہنچ چکی ہے' تو میں چند لمحوں کے بعد اٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا۔

ایسا کرتے ہوئے میرے سینے اور جسم کے دوسرے حصوں میں درد کی شدید ٹیسیں اٹھیں۔ ان ٹیسوں پر قابو پانے میں مجھے تھوڑی دیر لگی۔ یہ کیسی پراسرار اور عجیب سی عورت تھی۔ اس نے مجھے اپنا شوہر کہہ کر میرے سارے جسم میں سنسنی دوڑا دی تھی۔ بہرحال وہ ایک ایسی حسین عورت کی مانند تھی' جس کی تمنا ہر مرد کرتا ہے۔ وہ سپنوں کی شہزادی کی سی تھی۔ بہت سارے سوالات میرے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ مجھے قتل کرنے کی کوشش کیوں اور کس لئے کی گئی؟ پھر میں زندہ بچ گیا...... کیا یہ کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے......؟ مجھے سچ مچ نیوی کا سراغ رساں سمجھ لیا گیا......؟ پھر مجھے ہسپتال میں علاج کی غرض سے داخل کیا گیا' اور پراسرار طور پر اغوا کر کے لایا گیا۔ پہلے اس نے مجھے اسٹیشن ویگن میں مجھے اصل نام سے مخاطب کیا......لیکن اب شوہر کے نام سے......

یہ ایسے سوالات اور اسرار تھے' کہ ان کا جواب میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔ میں نے

سوچا کہ بہتر ہے کہ میں مغز پاشی نہ کروں۔ یہ حسین اور پراسرار عورت جو نیم بے ہوش کرنے کا منتر جانتی ہے' اور نہ جانے کیا کیا منتر جانتی ہو گی؟ اب دیکھنا ہے کہ میرے ساتھ کیا واقعات پیش آتے ہیں۔ میں اپنی ناؤ کو ان بے رحم حالات کی موجوں کے سپرد کر دوں' جو ایک طوفان معلوم ہوتے ہیں۔

ان ٹیسوں پر قابو پانے کے بعد میں نے سنگھار میز کے آئینے میں اپنی صورت دیکھی۔ میرے چہرے پر بندھی ہوئی پٹیوں نے میرا حلیہ اتنا بگاڑ کر رکھ دیا تھا' کہ میری ماں زندہ ہوتی تو شاید وہ بھی مجھے پہچان نہ پاتی۔ چہرہ بے حد خوفناک سا دکھائی دے رہا تھا۔ پٹیوں میں میری آنکھیں بمشکل دکھائی دیتی تھیں۔ میں ایک لمحے کے لئے لرز کر رہ گیا تھا۔

پھر میں سنگھار میز کے آئینے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اپنے چہرے کو دیکھتے ہوئے وحشت سی ہو رہی تھی۔ ہول آ رہا تھا۔

دکھی دل کے ساتھ میں نے کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ کمرہ کسی پرانے گھر کا ایک حصہ تھا اور کمرے کے سازوسامان سے مستقل لیکن دلچسپیاں ہرگز ظاہر نہ تھیں۔ سفیدی اور مرمت بھی جیسے ایک عرصے سے نہیں ہوئی تھی۔ دیواری کاغذ کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا' اور کھڑکی کی دہلیز بھی کافی شکستہ اور بوسیدہ سی ہو رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ کسی قلاش' تنگ دست اور بے روزگار کا مکان ہے۔ جس میں اتنی استطاعت نہیں ہے کہ وہ سفیدی اور مرمت کرا سکے۔

کمرے میں موجود سامان سے ظاہر تھا' کہ یہ کسی مرد کا کمرہ تھا۔ دیواروں پر کشتیوں' بحروں کی تصویریں اور خاکے بے ترتیبی سے لٹک رہے تھے۔ کونے میں پڑی ہوئی میز پر بھی کسی کشتی کے خاکے پڑے ہوئے تھے۔ ایسا لگتا تھا' جیسے یہ عرصہ دراز سے یوں ہی پڑے ہوئے ہوں۔ انہیں ایک طرف رکھنے اور صفائی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

سہاش دتہ نے مجھے یہی بتایا تھا کہ وہ کشتیوں کے ڈیزائن بنایا کرتا ہے۔ شاید وہ یہ کام فالتو وقت میں کیا کرتا تھا۔ ورنہ اس جیسے بے رحم انسان کی تو اور بے شمار مصروفیات ہوں گی' اور اس کی وہ مصروفیات خلاف قانون ہی ہوں گی۔ وہ کسی زیر زمین دنیا کا بدمعاش معلوم ہوتا تھا۔ اس سے کسی اچھائی کی توقع فضول تھی۔ وہ اچھا کام کبھی کر بھی نہیں سکتا تھا۔

میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا۔ اب میرے پاس سوچنے کے علاوہ رہ بھی کیا تھا۔ میں جسمانی طور پر اس قابل نہیں رہا تھا کہ ہاتھ پیر چلاؤں۔ شدید زخمی حالت میں تھا۔ معاً میرے

کانوں میں ایک موٹر بوٹ کے انجن کی آواز سنائی دی' جو رفتہ رفتہ بلند ہو رہی تھی۔ یعنی کوئی موٹر مکان کی طرف آ رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ موٹر بوٹ مکان کے قریب سے گزر جائے گی' لیکن جب موٹر بوٹ مکان کے عین قریب رکی' تو میری ساری توجہ اس طرف مبذول ہو گئی۔ میرا تجسس بڑھ گیا۔ سوچا کہ دیکھوں تو سہی کون آیا ہے؟

میں نے قدرے اونچا ہو کر کھڑکی سے نیچے جھانکنے کی کوشش کی۔ مگر اتنے میں جو بھی موٹر بوٹ لے کر آیا تھا' وہ اونچی ایڑی والے جوتوں سے ٹخ ٹخ کی آواز پیدا کرتا ہوا دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ اس کے فوراً بعد دستک اور پھر دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اب نچلے ہال سے ایسی آوازیں ابھر رہی تھیں' جیسے سریتا کسی بات پر احتجاج کر رہی ہو۔

چند لمحوں کے بعد متفرق قدموں کی چاپ سیڑھیاں چڑھتے سنائی دی۔ جب کمرے کے باہر راہ داری میں گڑبڑ کی صدا سنائی دی' تو میں سرک کر بستر کی چادر کے نیچے لیٹ گیا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں......'' سریتا نے جیسے پھر ایک بار سخت احتجاج کیا۔

''وہ ابھی تک گہری نیند سو رہا ہے' اسے سونے دو۔''

پھر ایک اور چلچلاتی ہوئی آواز آئی۔

''یہ کیسی نیند ہے جو ٹوٹنے میں نہیں آتی ہے؟ میں نے اس سے ہسپتال میں ملاقات کرنے کی کوشش کی تو تم نے یہی کہا تھا' اور یہاں جتنی مرتبہ آئی ہوں تم یہی کہہ کر ٹرخاتی رہی ہو کہ وہ سو رہا ہے۔ ایسا کرنے سے آخر تمہارا مقصد کیا ہے؟ سریتا!...... جب وہ تندرست تھا' تو تم نے کبھی بھولے سے بھی اس کی پروا نہیں کی' اور اب ایک دم تمہاری محبت جوش میں آ گئی ہے۔ تم یہ تاثر دینا چاہتی ہو کہ تم بڑی جانثار اور محبت کرنے والی بیوی ہو۔ اگر سہاش کو ہسپتال سے گھر لایا جا سکتا ہے' تو وہ یقیناً اس قابل ہو گا کہ مجھ سے ملاقات کر سکے۔ اگر وہ قابل نہ ہوتا' تو ہسپتال والے اسے ہرگز ہرگز چھٹی نہ دیتے۔''

یہ پرجوش اور نوجوان آواز کمرے کے دروازے پر پہنچ کر بند ہو گئی۔

میرے جذبات میں ایک عجیب اور ناقابل فہم سا انقلاب پیدا ہوا۔ میں نے اچانک ہی سریتا کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ دراصل میں سریتا کے حسن کے سحر سے متاثر ہو چکا تھا' یا پھر سریتا کی صدائے احتجاج نے میرے ذہن میں تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ یہ امکان بھی تھا کہ اس نے ویگن میں مجھ پر جو منتر پڑھ کر پھونکا تھا' شاید میں اس کا اسیر ہو گیا تھا۔ اس کا حسن بھی

ایک منتر سے کم نہیں تھا۔ وہ تو مجھے جادوگرنی ہی معلوم ہوتی تھی۔ وہ میرے دل کی دھڑکن بن چکی تھی۔

سریتا کے ساتھ ہمدردی کرنے کا فیصلہ کرتے ہی میں نے آنکھیں کھول دیں' اور میں چند لمحوں تک بے مقصد نگاہوں سے چھت کو یوں گھورتا رہا' جیسے گہری نیند سے بیدار ہوا ہوں۔ اس کے بعد میں نے آہستگی سے سر گھما کر سوالیہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

یہ وہی لڑکی سروجا تھی' جس کی تصویر میں نے سہاش دتہ کے بٹوے میں دیکھی تھی۔ وہ کشتی کے سامنے قدرے بے حجابانہ سی کھڑی تھی۔ میں اس کے حسن میں کھو گیا تھا' اور سہاش دتہ نے فائدہ اٹھایا تھا۔

اس وقت وہ لڑکی میری طرف دکھی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی' اور اس کے چہرے پر یاسیت سی چھائی ہوئی تھی۔ وہ متفکر سی تھی۔

میں نے اسے ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ تصویر میں اور سامنے دیکھنے میں بہرحال ایک فرق تو ہوتا ہے۔

سروجا کے بال گہرے سیاہ اور نفاست سے گردن تک تراشے ہوئے تھے۔ اس نے سبز لباس پہنا ہوا تھا' جس نے اس کے سراپا کو اجاگر کر دیا تھا۔ اس کے پاؤں میں کھلاڑیوں والے سفید جوتے تھے' اور اس نے ہاتھوں میں دستانے بھی چڑھا رکھے تھے۔ وہ تصویر سے کہیں دلکش اور جاذبیت سے بھرپور دکھائی دے رہی تھی۔ سبز لباس اس پر عجیب بہار دے رہا تھا۔

میں خاموشی سے اسے چند لمحوں تک گھورتا رہا۔ سروجا ایک بہت ہی آزاد خیال اور گھریلو سی لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے رسیلے ہونٹوں پر سرخی کی ایک ہلکی نفاست سے جمی ہوئی تہہ اسے اور دل فریب بنا رہی تھی' جس نے اس کے حسن میں نکھار پیدا کر دیا تھا۔

میں نے نظر گھما کر اس کے پیچھے کھڑی بلند قامت اور متناسب جسم کی عورت کو دیکھا' جس کا نام سریتا تھا۔

وہ بڑی خوف زدہ اور مایوس نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ بے بسی اور بے چارگی کی تصویر بنی۔ جیسے قاتل سے رحم کی التجا کر رہی ہو۔ اپنی چھیدوں والی جھولی پھیلا

کر...... اس کے چہرے پر کرب بھی تھا۔

میک اپ نہ ہونے کے باوجود وہ سروجا سے کہیں دلکش اور جاذب نظر لگ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں مایوسی کی ایک ایسی کیفیت تھی' جسے دیکھ کر ایک حساس انسان کا دل کٹ کر رہ جائے۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے اس کے جسم کا عضو عضو اور انگ انگ مجھ سے رحم کی درخواست کر رہا ہو۔

مجھے ہسپتال سے اغوا کر کے گھر منتقل کرنے کے جو بھی مقاصد ہوں' ان سے قطع نظر اس وقت وہ بڑی مظلوم نظر آ رہی تھی۔ گو میں حسن پرست تو نہیں تھا' لیکن ایک مرد کسی حسین اور جوان عورت کو دکھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے میرا دل ایک طرح سے پسیج گیا تھا۔ سروجا بھی تو حسین اور نوجوان تھی' لیکن نجانے کیوں میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی کے جذبات نہ تھے۔

چند لمحوں کی جاں گداز اور دل شکن خاموشی کے بعد سریتا نے قدم بڑھا کر دروازے کا ہینڈل مضبوطی سے تھام لیا' تاکہ اپنے پیروں پر کھڑی رہ سکے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی' تو شاید گر پڑتی۔ اس کی آنکھوں سے خوف و ہراس صاف ظاہر تھا۔

میں نے اپنے ہونٹ چبائے اور سروجا کی طرف دیکھا' تو قطعی غیر ارادی طور پر میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

''ہیلو...... ہیلو سروجا......!''

یہ سن کر سریتا کی آنکھیں غیر یقینی انداز سے چمک اٹھیں۔ اس کے لبوں سے سکون اور اطمینان کی ایک آواز ابھری۔

مجھے جواب دینے میں کسی قدر تامل سے کام لینے کے بعد سروجا نے بلند آواز میں اور ہذیانی لہجے میں کہا۔

''یہ تم نے اپنے آپ کو کیا کر لیا ہے سہاش......؟''

میں نے حتی الوسع سہاش دتہ کے لہجے کو اپناتے ہوئے نحیف آواز میں جواب دیا۔

''سروجا! گل دستہ کے لئے تمہارا بہت شکریہ۔'' سروجا نے کسی بدگمانی کے انداز سے میری طرف دیکھا اور مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''کیا تم ہر طرح سے ٹھیک ہو سہاش......؟ لیکن تمہاری آواز کچھ......؟'' اس نے جملہ

نامکمل چھوڑ دیا۔

''ہاں......''

میں نے کمزور آواز میں جواب دیا۔

''ناک کی ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے میری آواز پر فرق پڑا ہے۔ اس لئے آواز بدل گئی ہے' اور خود مجھے بھی اپنی آواز اجنبی اور عجیب سی لگ رہی ہے۔ بولنے میں بھی دقت ہو رہی ہے۔'' پھر میں نے لمحاتی توقف کے بعد کہا۔ کھوپڑی پر بیس ٹانکے لگے ہیں' اور پسلی کی ہڈیوں کو بھی صدمہ پہنچا ہے۔ اس کے سوا میں ہر طرح سے ٹھیک ٹھاک ہو جاؤں گا۔ لیکن تمہیں متفکر اور پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ کچھ ہی عرصے میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ بالکل ایک جنگلی گھوڑے کی طرح ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' پھر میں نقاہت سے ہنسا۔ ''تم خوامخواہ نہ تو فکر کرو اور نہ کسی قسم کی تشویش میں مبتلا ہو۔''

سروجا کے حسین چہرے پر شفق کی سرخی لہر بن کر دوڑ گئی۔ آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ خوشی کے لہجے میں بولی۔

''میں بہت پریشان ہو گئی تھی اور بڑی تشویش میں مبتلا تھی۔ کیوں کہ میرا خیال تھا کہ...... خیر اب حالات ٹھیک ہیں تو میں چلتی ہوں۔ اب تم آرام کرو۔ تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔''

پھر اس نے میری اور سریتا کی طرف باری باری دیکھا' جیسے کسی عجیب شے کو دیکھ رہی ہو۔ پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔

پھر وہ گھومی اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں نے جاتے ہوئے اسے دیکھا۔ چال میں مستانہ پن تھا۔

سیڑھیوں پر اس کے قدموں کی چاپ سننے کے فوراً بعد بیرونی دروازہ کھلنے کی چرچراہٹ سنائی دی۔ چند لمحوں کے بعد موٹر بوٹ کے انجن کی آواز سنائی دی۔ فضا میں اس کی تیز گونجتی ہوئی آواز رفتہ رفتہ معدوم ہوتی گئی۔

اس کے جانے کے بعد کمرے میں دیر تک سکون اور سکوت چھایا رہا۔ ایک عجیب سی وحشت محسوس ہو رہی تھی۔

پھر سریتا نے جو اتنی دیر سے دروازے کا ہینڈل تھامے ہوئے تھی۔ اسے چھوڑا اور پھر

الجھے الجھے انداز سے چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس گئی۔ ایک لمحے تک ساکت و جامد رہنے کے بعد اس نے گھوم کر میری طرف سخت نظروں سے دیکھا۔

پھر اس کے شیریں لبوں نے حرکت کی۔ ''تم نے ایسا کیوں کیا......؟'' اس کی آواز مدھم اور نرم تھی۔

''میں نہیں جانتا......''

میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ میرے دل میں جو بات تھی' وہ زبان پر نہ لا سکا۔ حالانکہ کہہ دینے میں حرج نہیں تھا۔ اس سے کوئی فرق بھی تو نہیں پڑتا۔ وہ سن کر شاید چپ ہو جاتی۔

''خیر...... میں تمہاری بے حد شکر گزار ہوں۔''

وہ سوگوار لہجے میں بولی۔ پھر اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔

''اگرچہ میں نہیں جانتی ہوں تم نے ایسا...... مگر رہنے دو اس بات کو...... میں واقعی تمہاری بے حد شکر گزار ہوں۔''

وہ اب بھی بدستور کھڑکی سے باہر دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی نگاہیں باہر کسی شے پر مرکوز تھیں۔ وہ ہٹانا نہیں چاہتی تھی جیسے۔ میں کوشش کر کے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا' اور کھڑکی سے باہر سریتا کے نگاہوں کے مرکز کی طرف دیکھا۔

کھڑکی سے باہر کا منظر بے حد دل کش تھا۔ خاصے فاصلے پر اونچے اونچے اور وسیع ٹیلے تھے۔ دریا سبک خرامی سے بہہ رہا تھا۔ اس گھر کے احاطے کے باہر ڈاک پر ایک چھوٹی' مگر مضبوط کشتی کھڑی تھی۔

سورج کی کرنیں لہروں کو جھلملائے دے رہی تھیں۔ کافی فاصلے پر ایک بجرہ اور کشتی دکھائی دے رہے تھے۔ یہ منظر میرے لئے بڑا فرحت بخش تھا۔ میں اس منظر میں ایسا کھو گیا کہ مجھے کچھ پتا ہی نہیں چلا کہ سریتا کس وقت کھڑکی سے ہٹی' اور میرے بستر کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

میں تو اس کی سسکیوں کی آواز سن کر بڑے زور سے چونکا۔ سریتا کا سر میرے سرہانے کے قریب تھا۔

''اوہ...... میں اسے برداشت نہیں کر سکتی۔'' وہ سسک کر بولی۔

''کیا بات ہے......؟''

میں نے احمقوں کی طرح پوچھا۔

''معاملہ کیا ہے؟''

سریتا نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے منتشر اور پریشان بالوں نے مجھے کچھ دیر پہلے کا سوال یاد دلایا۔

میں نے پوچھا۔

''کہاں ہے تمہارا شوہر سبھاش......؟''

اس نے اشکوں سے بھیگا ہوا چہرہ اٹھایا' اور بڑی صاف اور غیر مبہم آواز میں بولی۔

''وہ...... وہاں ہے......''

اس کا ہاتھ کھڑکی کی طرف اٹھا۔

''وہاں...... دریا کی تہہ میں...... میں نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔''

+++

"وہ اس رات خلافِ توقع دیر سے آیا تھا۔" سرگوشی کے انداز میں بہت ہی آہستگی سے بولی۔

کافی دیر تک رونے کے بعد اب وہ کسی قدر پرسکون تھی۔ اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کی لکیریں اس کے چہرے پر اپنا نشان چھوڑ چکی تھیں۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا' تو اس کی سانسیں قابو میں آنے لگیں۔ اس کے چہرے پر جو ایک کرب سا چھایا ہوا تھا' وہ مٹ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک طمانیت سی آ گئی تھی۔

"ایک مدت سے میں تنہائی کی آگ میں سلگ رہی تھی۔ میں بتا نہیں سکتی کہ اتنے بڑے گھر میں تنہا رہنا کتنا بڑا عذاب ہے۔ اس اذیت کو وہی جان سکتا، اس کا احساس کر سکتا ہے، جس پر یہ بیتی ہو۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے آنسو خشک ہو چکے ہیں' لیکن ایسا نہیں تھا۔ اس کی بڑی بڑی خوب صورت سیاہ آنکھوں میں آنسو کے قطرے صاف وشفاف موتیوں کی طرح دمک رہے تھے۔

وہ بستر پر میرے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی' اور اپنے سامنے والی چیزوں کو مسلسل گھورے جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک اداسی چھا گئی۔ اس لمحے اس پر کسی بے جان بت کا سا احساس ہو رہا تھا۔ ساکت و جامد سی تھی۔

پھر اس نے اچانک اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔ چند لمحوں تک دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد وہ سوگوار لہجے میں بولی۔

"میں واقعی بہت بری ہوں...... بہت ہی بری...... اتنی بری کہ تم تصور تک نہیں کر

سکتے۔ شاید ہی کوئی عورت اتنی بری ہو......؟"

"خیر ایسی بات تو نہیں۔" میں نے دلاسا دینے کی غرض سے درمیان میں کہا۔ "تم اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہو؟"

"تم یہ بات میرا دل رکھنے اور غم دور کرنے کے لئے کہہ رہے ہو' لیکن میں خود کو دھوکا نہیں دینا چاہتی۔ اس لئے کہ ہر ایک کے لئے مصیبت کا باعث بنی اور بنتی رہی ہوں۔ پہلے سبھاش کے لئے...... پھر ڈاکٹر نارنگ کے لئے...... اور...... اب تمہارے لئے...... کیا میں بری کہلا نہیں سکتی۔ اگر میں اچھی ہوتی' اور مجھ میں ذرا بھی غیرت ہوتی' تو میں اپنے آپ کو گولی مار لیتی۔ یا خودکشی کے منتر کے کارن...... خودکشی کا ایک منتر ہے...... اس سے آدمی موت کے منہ میں بغیر کسی اذیت اور تکلیف کے چلا جاتا ہے۔ یہ منتر میں نے ایک جادوگرنی سے سیکھا۔ میں اب اس وقت بھی یہ سوچ رہی ہوں کہ بے غیرتی کا احساس ہونے کے باوجود میں نے خودکشی کیوں نہیں کی۔ اس منتر سے کام کیوں نہیں لیا؟ یہ حیرت کی بات ہے...... ہے نا...... میں نے کئی بار اپنے آپ سے یہ سوال کیا تھا...... لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔"

میں خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا تھا۔ بڑے غور اور انہماک سے۔ پھر مجھے اچانک جیسے ہوش آ گیا۔ سریتا نے اپنی اداؤں کے منتر سے...... یا ایک بہترین اداکارہ کی طرح مجھے مسحور اور بے خود کر دیا تھا۔ عورت کی ادائیں کسی جادو منتر سے کم نہیں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اس نے بتایا تھا' کہ اس نے خودکشی کرنے کا کوئی منتر سیکھا ہوا ہے۔ پہلی بار میں نے سنا تھا کہ خودکشی کا بھی کوئی منتر ہوتا ہے۔ یہ ایک عجیب اور ناقابل یقین بات تھی۔ لیکن دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں رہی ہے۔

کہیں یہ کوئی بے سروپا کہانی سنا کر مجھے اپنے کسی جال میں پھانس تو نہیں رہی ہے۔ وہ غیر محسوس انداز سے کوشش کر رہی ہے۔ عورت پر بھروسا تو نہیں کیا جا سکتا۔

سریتا کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ مایوسی کی مکمل تصویر بنی بیٹھی تھی۔ اس کی پریشان زلفیں اس کے ہاتھوں کے گرد بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی تھیں۔ جن سے اس نے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔

میں نے اسے غور سے دیکھا' تو مجھے چند ایسی باتیں نظر آئیں' جن پر میری نظر نہیں پڑی تھی' یا اگر نظر پڑی بھی تھی تو...... سریتا کے حسین خدوخال اور پرشکوہ سراپا نے اس کا خیال آنے اور محسوس ہونے نہیں دیا تھا۔

اس کے قرب نے مجھے یہ احساس دلایا کہ سریتا درحقیقت حسن و شباب اور غیر معمولی کشش کا شاہکار نہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ اس نے میک اپ نہیں کیا ہوا تھا۔ شاید اسے میک اپ سے دلچسپی نہ ہو' بلکہ بے پروا عورت ہو۔

اس کے لمبے لمبے ریشمی سیاہ بال سینے اور شانے پر بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا شان دار اور بھڑکیلا لباس بھی کافی استعمال شدہ تھا۔ بائیں کندھے کے نیچے ایک سیون ادھڑی ہوئی تھی۔ کمر کے قریب بلاؤز سے چند دھاگے بھی باہر نکلے ہوئے تھے۔ صرف یہی نہیں، ناخنوں کی پالش میں بھی درزیں نکلی اور پیدا ہو رہی تھیں۔

کیا ایک عورت اتنی پھوہڑ اور بدسلیقہ بھی ہو سکتی ہے' جب کہ وہ کوئی بچی تو نہیں تھی۔ یہ کیسی عورت تھی؟

''میں نے اپنی زندگی اپنے ہی ہاتھوں سے تباہ کر کے رکھ دی۔'' سریتا نے ایک سسکی بھری۔ اس کے چہرے پر ایک گھٹا سی چھا گئی۔ ''میں نہ صرف ہر ایک لئے...... بلکہ اپنے لئے بھی منحوس ثابت ہوئی ہوں۔''

مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا' جیسے میں اس متناسب گداز بدن' دل کش اور جاذبیت سے بھرے سراپا اور گہرے سیاہ رنگ کے خوش نما بالوں والی حسین و جمیل عورت کو مدت سے جانتا ہوں۔ ایک انجانا سا تعلق رہا ہے۔ اس کے اور میرے درمیان کوئی دیوار' بھرم اور فاصلے بھی نہ تھے۔ گزشتہ سات برسوں سے چاندنی کے سوا کوئی عورت میرے اتنے قریب نہ آئی تھی۔

سات برسوں پیشتر ایک لڑکی سے میری دوستی اور مراسم تھے' لیکن ہم نے کبھی ایک دوسرے کو میلا نہ کیا تھا۔ دوستوں کی طرح ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے تفریحی مقامات پر گھومتے تھے۔ اس کی شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد مجھے بڑا رنج اور احساس ہوا تھا کہ میں نے اس سے شادی کیوں نہیں کی۔ جنس لطیف کے متعلق معلومات میں جو خامیاں تھیں' انہیں سریتا اپنی قربت سے دور کئے دے رہی تھی۔

''سریتو......!'' میں نے دل جوئی کی غرض سے اسے اپنائیت کی غرض سے مخاطب کیا۔

''تم اپنے آپ کو دوش مت دو...... ہاں...... تم مجھے اپنے شوہر کے متعلق تفصیل سے بتاؤ' کیوں کہ میں اس کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتا ہوں۔''

سریتا نے بل کھا کر میری طرف شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا، اور اب مجھے اس نام سے سخت نفرت ہو گئی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میں دکھاوا کر رہی ہوں۔ یا میں کوئی اداکارہ ہوں' اداکاری کر رہی ہوں۔''

''ہاں...... مجھے بھی یہی گمان گزرا تھا۔'' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بڑی سچائی سے اعتراف کیا۔

''میں نے تمہارے اس اعتراف کا برا نہیں منایا' بلکہ مجھے اس لئے بڑی خوشی ہوئی کہ تم نے سچائی سے کام لیا۔ میں سچ بولنے والوں کی بڑی قدر کرتی ہوں۔ جھوٹوں سے سخت نفرت ہے۔'' وہ کہنے لگی۔

''اور اب میں بھی اعتراف کرتی ہوں کہ میں ایسا کرنے کی عادی ہوں۔ کسی بات کو بڑھا چڑھا کر اور انہیں اداکاری سے دوسروں کو مرعوب کر کے میں فطری طور پر خوشی محسوس کرتی ہوں۔ سبھاش نے کبھی میری اس صفت کو قدر کی نگاہوں سے نہیں دیکھا' اور نہ ہی کوئی اہمیت دی۔ وہ مجھ سے بدستور نفرت کرتا رہا۔ یہاں تک کے......'' اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہاں...... تو وہ اس رات بہت دیر سے آیا تھا......؟'' میں نے اکتا کر اسے اصل موضوع کی طرف لانے کی کوشش کی۔

''ہاں...... میں بار بار بہک جاتی ہوں...... اور دوسری باتیں کرنے لگتی ہوں۔'' اس نے گھنی پلکیں جھپکائیں۔

''یہ ٹھیک ہے نا پیارے......؟ کاش! میں تمہارا چہرہ دیکھ سکتی' اور اس چہرے پر اپنے الفاظ کا ردعمل دیکھ سکتی......؟ چہرے پر دل کے تاثرات ابھر آتے ہیں۔''

میرے چہرے کو چھوڑو۔ اس میں کیا رکھا ہے' اور پھر اسے کسی دن تو نظر آنا ہی ہے۔ وہ نظر آ جائے گا۔ ایک دن تو پٹیاں کھلیں گی۔ ہاں تو بتاؤ کہ...... کیا ہوا......؟'' میرے لہجے میں تجسس نہیں بے صبری تھی۔

سریتا جھجک کر مجھے چند لمحے یک ٹک دیکھتی رہی۔ پھر اس نے پلکیں جھپکائیں۔ رک رک کر بولی۔

''اس رات اسے ایک عرصے کے بعد دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ میں اس تنہائی

سے تنگ آ چکی تھی۔ مجھے خیال ہوا کہ وہ صبح کا بھولا شام کو گھر آ گیا ہے۔ وہ درندہ میرے ساتھ تعلقات استوار کرنا چاہتا ہے۔ پھر سے ازدواجی زندگی کے آغاز کی تمنا نے انگڑائی لی تھی۔ عورت کیا چاہتی ہے......؟ محبت اور شوہر کا قرب...... عورت کو کتنی خوشی ہوتی ہے' اس کا اندازہ ایک عورت ہی کر سکتی ہے۔ میں نے اس لمحے سوچا کہ یہ میری ہی غلطی تھی' جو میں اس کی سرگرمیوں کی ٹوہ لیتی پھرتی تھی۔ مجھے اس کی ضرورت ہی کیا تھی' کہ وہ کیا کرتا پھرتا ہے۔ وہ جو کچھ بھی کرتا پھرتا ہوگا۔ ٹھیک ہی کرتا ہوگا۔

میں نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا' میں اس سے اپنے رویے کی معافی مانگ لوں گی۔ وہ جو بھی کرے' آخر میرا شوہر تھا۔ میں اسے بتا دینا' اور اس پر واضح کر دینا چاہتی تھی کہ آئندہ میں اس کی سرگرمیوں سے کوئی غرض نہیں رکھوں گی۔ یہ سوچ کر میں نے بستر پر پستول رکھ دیا' اور پھر میں لپک کر اس کی طرف بے تابانہ بڑھی' تاکہ اس کے پھیلے گلے میں جھول جاؤں۔ میرا خیال تھا کہ وہ وارفتہ انداز سے مجھے اپنے بازوؤں کے شکنجے میں جکڑ لے گا' اور میرے چہرے پر جذباتی انداز سے جھک جائے گا اور......"

"ٹھہرو......" میں نے اسے درمیان میں فوراً ہی ٹوکا۔

"وہ پستول کہاں سے آیا......؟ تم نے بتایا ہی نہیں۔"

اس نے اپنے نچلے ہونٹ کو بالائی دانتوں میں دبا لیا' اور پھر رکے رکے انداز میں بولی۔

"میرے بیان میں کوئی ربط اور تسلسل نہیں ہے...... ہے نا......؟ یہ پستول شادی کے وقت سہاش نے مجھے دیا تھا۔"

"کیا منہ دکھائی میں...... یہاں پستول بھی دیا جاتا ہے؟" میرے لہجے میں تمسخر تھا۔

"نہیں...... تم دیکھتے ہو کہ یہ مکان بہت سارے ٹیلوں کے درمیان واقع ہے' جن پر مکان بنے ہوئے ہیں۔ وہ چٹا گانگ سے رات کو بڑی دیر سے لوٹتا تھا۔ بار بار ایسا بھی ہوا کہ رات کو زیادہ دیر ہونے کے باعث اس نے مجھے اپنی حفاظت کے لئے یہ پستول دیا تھا' کہ اگر کسی نے مجھے اکیلا پا کر......"

"ٹھیک ہے......" مجھے پھر سر میں گرانی سی محسوس ہونے لگی تھی' لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ اچھا موقع ہے۔ لوہا گرم ہے۔ میں اس سے سب کچھ اگلوا لوں۔ کیا پتا یہ عورت مجھے کچھ

بتانے کے موڈ میں نہ ہو بعد میں...... آگے کہو۔"

"وہ شراب کے نشے میں دھت تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر ہنسا۔ پھر بہکی ہوئی آواز میں بولا۔ کہ زندگی اپنے لئے خود ہی راستہ بنا لیتی ہے۔ اور ہر ایک کی کوشش اور تمنا ہوتی ہے کہ وہ بہتر چیزوں کو اپنا لے' لیکن بدنصیب لوگ ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اگر تم یہ کہتی ہو کہ میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا' تو یہ تمہاری بھول ہے اور غلط فہمی بھی ہے۔"

"تو کیا کہیں وہ جا رہا تھا......" میں نے درمیان میں اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"یہ تمہارا اندازہ تھا کیا......؟"

"ہاں...... اس نے یہی کچھ کہا تھا' مگر اس وقت اس کا مطلب نہ سمجھ سکی تھی۔ چند دنوں میں اسے کوئی لینے آنے والا تھا۔ اگر وہ شراب کے نشے میں چور نہ ہوتا' تو کبھی ایسی باتیں نہ بتاتا۔ ایک بات اور بھی تھی کہ میں نے اسے دیکھ کر اگر اتنی خوشی کا اظہار نہ کیا ہوتا' تو وہ اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے پس و پیش میں پڑ جاتا۔ مجھے شرمسار دیکھ کر اس نے کہا کہ اگر میں واقعی اپنے ماضی سے پریشان ہوں' اور اس کے دل میں کوئی جگہ بنانا چاہتی ہوں' تو مجھے چاہئے کہ اس کے تعاون اور پھر چند دنوں کے لئے اسے یہاں اس طرح چھپا کر رکھوں کہ کسی کو اس کی موجودگی کا پتہ نہ چلے۔ اس کے بعد وہ مجھے ساتھ لے جانے کے متعلق کوئی فیصلہ کرے گا۔"

"کیا اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟" اس نے سانس لینے کے لئے توقف کیا تو میں نے سوال کر ڈالا تھا۔

"نہیں...... اتنا ہی پتا چلا کہ وہ بیرون ملک کہیں جانے کا ارادہ رکھتا تھا' اور یہ کہ اس کی باتیں بڑی پراسرار تھیں۔"

"اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ کتنے دنوں تک روپوش رہنا چاہتا ہے؟"

"اس نے چند دن کہا تھا...... لیکن اس بارے میں اسے خود بھی یقین نہیں تھا۔ میں نے اسے مجبور نہیں کیا کہ وہ بتائے۔ اصرار کرنا بھی فضول تھا۔ میں نے کہا نا کہ وہ اور اس کی باتیں بڑی پراسرار تھیں۔ اس نے اس کے بعد اور اپنی نیوی کی یونیفارم نکالی' اور کہا کہ میں اب ایک بیوہ ہوں...... پھر اس نے تمہارے متعلق کچھ باتیں کیں' اور کہا کہ تم یوں سمجھو کہ تمہارا

شوہر سہاش رنگ پور کے قریب گاڑی کے ایک حادثے میں مارا جا چکا ہے' اور جب تمہیں اس کی لاش شناخت کرنے کے لئے بلایا جائے' تو تمہیں یہی بیان دینا ہو گا کہ وہ لاش تمہارے پتی سہاش کی ہے۔ بعد میں اس لاش کی آخری رسومات سہاش دتہ کے نام سے کرنے کے بعد اس کی سمادھی پرانے اور میرے خاندانی شمشان گھاٹ میں بنا دی جائے۔ وہ اس لئے یہاں آیا تھا کہ اجیت یعنی تمہیں شوہر ثابت کروں...... اس نے کہا تھا کہ اگر میں نے ایسا کیا' تو اسے نیک نیتی اور تائب ہو جانے کا یقین آ جائے گا۔ اگر میں نے اس کی یہ بات نہیں مانی اور لوگوں کو پتہ چل گیا۔ اور وہ گرفتار ہوا تو وہ مجھے بھی مقدمے میں سب اس جرم میں شریک کار سمجھیں گے' اور اجیت یعنی تمہارے قتل کا الزام مجھ پر آ جائے گا۔''

میں خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ اس نے کوئی تبصرہ یا خیال ظاہر نہیں کیا' کہ ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی۔ وہ بولی۔

''اس نے کہا...... اچھی طرح سوچ لو۔ اگر میں پکڑا گیا تو تمہیں بھی لے ڈوبوں گا۔ اجیت کی لاش کو شوہر کی لاش ثابت کی' اور اس کے بعد بھی تمہیں ساتھ نہ لے جاؤں گا' تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیوں کہ سہاش کی بیوہ کی حیثیت سے میری تمام دولت اور جائیداد تمہاری ملکیت بن جائے گی' اور تم ایک امیر کبیر بیوہ ہو گی۔ تم صرف چند الفاظ کہہ کر میری دولت کی مالک بن سکتی ہو۔ اب تم سوچ لو تمہیں کیا کرنا ہے؟'' سریتا اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''کہتی جاؤ......'' میں نے جیسے اس سے استدعا کی۔ اس کی باتیں میں انہماک سے سن رہا تھا۔ میں یہ چاہ رہا تھا کہ ساری باتیں اس ایک نشست میں سن لوں' کیوں کہ ایک موقع تھا' اور میں اسے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

''اس کی تجویز سن کر میں سناٹے میں آ گئی' کہ ایک نامعلوم شخص کو میں اپنا شوہر کیسے تسلیم کر سکتی تھی۔ اگر وہ شخص اجنبی نہ ہوتا' اور میں اسے جانتی بھی ہوتی تو میرے لئے مشکل تھا۔'' سریتا نے کہا۔

''کیوں کہ یہ بات نہ صرف بے حد عجیب' شرمناک اور گھناؤنی تھی...... میں کیا کسی بھی شریف عورت کو زیب نہیں دیتی تھی۔ وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ میں ایک شریف عورت ہوں۔ اور پھر اس کی بیوی ہوں داشتہ نہیں ہوں۔ اس لئے تب میں نے اس کی یہ تجویز ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔''

''یہ تمہاری سنگین غلطی تھی۔'' میں نے تبصرہ کیا۔

''ہاں شاید...... لیکن اس لئے بھی کہ میں اس وقت لاش اور قتل کا سن کر میں اپنے حواس میں نہ رہی تھی۔ اس لئے میں نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس خیال سے بھی انکار کر بیٹھی تھی کہ وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا۔ اس نے مجھے جیسے زرخرید لونڈی سمجھ لیا تھا۔ وہ مجھے کٹھ پتلی بنانا چاہتا تھا۔ میں اس کے نزدیک راستے کا پتھر تھی' جب چاہے ٹھوکر مار کر ہٹا دے۔ میرے اس انکار پر وہ بے حد مشتعل ہو گیا' اور مجھے بڑے زور سے دھکا دیا۔ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ لڑکھڑا کر میز سے ٹکرائی۔ اس ٹکر سے پستول میز سے فرش پر آ کر گرا۔ میں نے جھپٹ کر اسے اٹھا لیا' اور اس کا نشانہ لیتے ہوئے اس سے کہا۔

''بہتر ہے وہ چلا جائے۔ میں تمہیں صبح تک کی مہلت دیتی ہوں' اور اس کے بعد سارا احوال پولیس کو بتا دوں گی۔''

اس نے لمحاتی توقف کر کے پھر ایک بار اپنا نچلا ہونٹ چبایا۔ ''یہ بڑا ہی اندوہناک منظر تھا۔ میں نے اسے طعنہ دیا کہ وہ اپنی محبوبہ سروجا کو ساتھ لے کر باہر جانا چاہتا ہے۔ اس نے بڑی بے رحمی سے قہقہہ لگایا' اور بولا کہ ''کیا خوب...... اب مجھے تمہارے احکام کی تعمیل کرنی پڑے گی...... اور اب تکمیل ہی تو کرنی ہے۔ اس لئے کہ تمہارے ہاتھ میں پستول ہے۔ وہ یہ کہتا ہوا میری طرف تیزی سے بڑھا تا کہ پستول چھین لے۔ اس وقت میں بالکل ہی پاگل ہو گئی تھی۔ کیوں کہ اس کے تیور اور عزائم مجھے قتل کرنے کے تھے۔ میں اس ذلیل شخص کے ہاتھ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ مکار' عیار اور ظالم بھی تھا۔ میں نے لبلبی دبا دی۔ میرے ذہن میں یہ خوف تھا کہ وہ مجھے جان سے مار دے گا۔ شاید اس لئے میرے دل میں نفرت کا جذبہ دوبارہ جاگ اٹھا تھا۔ کچھ بھی ہو۔ میں نے اسے گولی مار دی۔''

وہ یک لخت خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ایک کرب سا چھا گیا' اور اس کی آنکھوں سے حزن و ملال جھانکنے لگا۔ ایک پراسرار سا سکوت چھا گیا۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے سارے ماحول پر کسی نے کوئی منتر پڑھ کر پھونک دیا ہو۔ اس کے سینے میں سانسوں کا تلاطم قابو میں نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ اس میں کمی ہوتی گئی۔ پھر وہ کسمسائی' پھر اس کی بے جان آواز نے پراسرار سکوت کے منتر کو توڑ دیا۔

اس کے بعد میں نے ڈاکٹر نارنگ کو فون کر کے بلایا' کیوں کہ اس کی لاش کو ٹھکانے

لگانا تھا۔ پھر میں نے ساری بات بتائی۔ پھر ہم دونوں بڑی دیر تک لاش کو ٹھکانے کی تدبیر سوچتے رہے تھے۔ آخر ایک تدبیر ذہن میں آ گئی۔ پھر ہم دونوں نے مل کر سہاش کی لاش سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی۔ اس تدبیر پر عمل کر کے نجات پا سکتے تھے۔ ڈاکٹر نارنگ اس کی لاش کو کشتی پر لے گیا' اور ایک زنجیر سے باندھ کر دریا کی تہہ میں اتار دیا۔ مجھے ایسا لگا کہ میرے سر سے اور سینے پر سے کوئی چٹان ہٹ گئی ہو۔

اس کام سے فارغ ہوتے ہی ہسپتال سے ایک نرس کا فون آیا کہ...... میرا شوہر گاڑی کے حادثے میں شدید زخمی ہو گیا ہے...... تاہم گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں موتی بھرنے لگے۔

+++

کچھ ملی جلی آوازوں کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے میں نے جاگ کر سارا وقت گزارا ہو۔

اگرچہ نیند کی حالت میں ہونے والے واقعات کی مجھے قطعاً خبر نہ ہوئی تھی۔ کھڑکی میں سے سورج کی سنہری کرنیں کمرے میں داخل ہو رہی تھیں' اور مجھے بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی۔ کمرے سے باہر ہال میں بڑے پُرجوش انداز سے تیز تیز لہجے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ کان لگا کر سننے کے باعث اس گفتگو کے الفاظ سمجھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"وہی طرح دار اور سرکش لڑکی......" ایک مرد کی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ یہ آواز اس ڈاکٹر کی تھی' جو مجھے دیکھنے ہسپتال میں آیا تھا' وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔

"سریتا! تم نے اسے اندر آنے کیوں دیا......؟ آخر تم کیا کر رہی ہو......؟ وہ کیسے گھر میں گھس آئی......؟"

"میں نے اسے کب اندر آنے کے لئے کہا تھا۔" سریتا نے تیز آواز میں جواب دیا۔

"وہ کم بخت مجھے دھکیل کر اندر گھس آئی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اسے روکتی...... وہ تیزی سے کسی ہرنی کی طرح سیڑھیاں پھلانگتی اوپر پہنچ گئی۔"

"لیکن......" ڈاکٹر نارنگ نے کچھ کہنا چاہا۔

"پیارے...... اگر وہ سہاش کی اداکاری نہ کرتا' تو اس وقت میں زندہ نہ ہوتی...... اور تم

مجھے مردہ حالت میں دیکھتے۔"

"واقعی......؟" ڈاکٹر نارنگ کا لہجہ تحیر زدہ سا تھا۔

"ہاں...... اس نے سروجا کو...... یوں سروجا کہہ کر پکارا...... جیسے وہ مدتوں سے اسے جانتا ہو۔ اور پھر اس نے ہسپتال میں پھول بھیجنے کا شکریہ بھی ادا کیا۔ تم نے اس وقت سروجا کا چہرہ دیکھا ہوتا۔ وہ بالکل اس طرح سے موم ہو گئی' جیسے اجیت نے اس پر کوئی منتر پڑھ کر پھونکا ہو۔ محبت اور محبت بھرا لہجہ کسی منتر سے کم نہیں ہوتا۔ اس نے اجیت کو سہاش ہی کہا۔ میرا خیال ہے کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی تھی' کہ میں نے دوبارہ سہاش کا دل جیت لیا ہے' اور سہاش کو اس سے دور کر دیا ہے۔"

"پھر اس کمینی لڑکی نے تم سے کوئی بات کہی......؟ اس مریض سے باتیں وغیرہ کیں......؟ ان دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی......؟" ڈاکٹر نارنگ نے پوچھا۔

"تم اس کی تفصیل بتاؤ۔" ڈاکٹر نارنگ کا لہجہ ابھی بھی تیز وتند تھا۔

"جبھی تو وہ رکی نہیں...... فوراً ہی سنسناتے ہوئے تیر کی طرح کمرے سے نکل گئی۔ اگر وہ جان جاتی کہ یہ سہاش نہیں ہے تو وہ کیا چھوڑ دیتی۔ وہ حرافہ ضرور میری آنکھیں نوچ لیتی' اور شاید پولیس کو بھی فوراً خبر کر دیتی۔"

پھر ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ چند لمحوں کے بعد اس گہری خاموشی کو ڈاکٹر نارنگ کی متذبذب آواز نے توڑا۔

"اچھا...... خیر میں تمہاری بات کو مان لیتا ہوں کہ تم نے سچ ہی کہا ہے' کہ سارا واقعہ اسی طرح پیش آیا ہو گا۔ اس کا سہاش کو دیکھنا' اور اس سے باتیں کرنا' ایک طرح سے ہمارے حق میں اچھا ہی ہوا ہے' کیوں کہ اب کسی کو سہاش کی پراسرار گمشدگی پر شبہ پیدا نہیں ہو گا۔ ایک عینی گواہ سروجا جو ہے۔"

اس کے بعد وہ جذباتی انداز سے باتیں کرتے ہوئے چلے گئے۔ صرف میں دو ایک الفاظ ہی سن سکا۔ ان باتوں سے یہ ظاہر ہوا تھا' کہ ان کے درمیان کس قسم کی دوستی' مراسم اور تعلقات ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے سیڑھیوں پر چاپیں سنیں۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر لیں' اور سوتا بن گیا۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں ڈاکٹر نارنگ داخل ہوا۔ اس کا اندازہ اس کی چاپوں سے ہوا۔ وہ اکیلا ہی آیا تھا' پھر اس کی چاپ بستر کے قریب آ کر رک گئی۔ اس

نے بڑی آہستگی اور نرمی سے میرا شانہ ہلایا۔ میں نے حرکت کی اور ابھی جاگنے کی اداکاری کرتے ہوئے آنکھیں کھول دیں' اور اس کی طرف دیکھا۔

ڈاکٹر نارنگ نے بیگ میز پر رکھ کر میری طرف دیکھا۔

''مسٹر اجیت!...... مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے آرام میں مخل ہوا' مگر یہ ضروری تھا۔ کیوں کہ یہی وقت میرے پاس فارغ تھا۔ میں نے سوچا کہ تمہیں دیکھ آؤں...... ہاں اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''

''خاصی بہتر محسوس کر رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔''

''سریتا تمہارے لئے کھانا تیار کر رہی ہے۔ اس نے باورچی کو چھٹی دے دی ہے۔'' اس نے تھرمامیٹر جھٹکتے ہوئے کہا۔

''سریتا نے بتایا ہے کہ آج صبح تمہیں کس قدر ذہنی دباؤ برداشت کرنا پڑا؟ کیا یہ سچ ہے؟''

''ہاں......'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ایک درمیانے قد کی نوجوان لڑکی صبح سویرے آئی تھی۔''

''ہوں......'' ڈاکٹر نارنگ نے تھرمامیٹر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ تم نے حالات کو بڑی خوش اسلوبی اور ذہانت سے سنبھالا۔ جس کی سریتا کو اور مجھے بھی حیرت اور خوشی ہوئی۔''

''تو گویا آپ کو یہ بات پسند آئی ڈاک......'' میں نے بے تکلفی سے اسے مخاطب کیا' جیسے اس سے میری دوستی ہے۔

بہت کم ڈاکٹر ایسے ہوں گے مسٹر اجیت! جو ڈاکٹر کے بجائے ڈاک کہلانا پسند کریں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسے ڈاک کہہ کر مخاطب کرنے پر اسے ناگواری محسوس ہوئی ہے۔

''اوہ مجھے افسوس ہے۔'' میں نے ندامت سے کہا۔

''ہمارے ہاں عموماً ان ڈاکٹروں کو ڈاک کہا جاتا ہے جو مریضوں سے بڑی محبت اور جذبے سے پیش آتے ہیں۔ وہ خوش ہو جاتے ہیں تاہم میں آئندہ خیال رکھوں گا۔''

''ہمیں یقیناً اس بات پر خوشی ہے کہ تم نے ذہانت سے کام لیا۔'' ڈاکٹر نارنگ نے کہا۔

''تم نے ہمارا راز بے نقاب نہیں کیا...... البتہ اس بات پر مجھے تجسس اور حیرانی ہے کہ ایسا کرنے میں تم نے کیا مصلحت دیکھی؟ تم نے اس لڑکی کو کس مقصد سے اس بات کا یقین دلایا کہ تم ہی سبھاش ہو...... تم نے ہسپتال ہی میں اپنی اصلیت ظاہر کیوں نہیں کر دی؟''

''ہسپتال میں مجھے موقع نہیں ملا کہ میں اپنے آپ کو بے نقاب کرتا۔'' میں نے قدرے تلخی سے کہا۔

''آپ لوگ مجھے فوراً ہی یہاں اٹھا لائے۔ میں نے نرس سے بات کرنی چاہی' تو اس نے مجھے معمول کے مطابق آرام کرنے کے لئے کہا۔ اس کی ہدایت پر میں خاموش ہو گیا تھا۔''

''آج تم نے کس وجہ سے سبھاش کا کردار ادا کیا؟'' ڈاکٹر نارنگ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اس لئے کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس وقت مناسب نہیں سمجھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''کہ اصل حقائق ظاہر کروں۔''

ڈاکٹر نارنگ بستر کے قریب آیا۔ اس کے انداز سے کسی طرح بے چینی اور بے قراری نہیں پائی جاتی تھی۔ اس نے پوچھا۔

''اب تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''میں ابھی کسی فیصلے پر نہیں پہنچا ہوں۔''

میں نے جواب دیا۔

''وہ کس لئے......؟''

ڈاکٹر نارنگ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اس بات کا فیصلہ کرنے میں کوئی قباحت ہے؟''

''اس لئے کہ ذہن بہت الجھا ہوا ہے۔ جب تک ذہنی یکسوئی نہ ہو آدمی کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پاتا ہے۔''

ڈاکٹر نارنگ نے تھرمامیٹر بڑھا کر کہا۔ ''اپنا منہ کھولو۔ اس نے تھرمامیٹر میرے منہ میں

رکھنے کے بعد اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالی۔ دوسری نظر مجھ پر...... اور کھڑکی کے پاس جا کر باہر جھانکتے ہوئے کہا۔

"مجھے ٹھیک طور پر معلوم نہیں کہ مسز سریتا نے تمہیں کیا کچھ بتایا ہے۔ وہ ایک حساس لڑکی ہے' اور اس وجہ سے میں اس کی حفاظت کرتے ہوئے دشواری محسوس کر رہا ہوں۔" چند لمحوں کی دشواری کے بعد اس نے پھر کہا۔

"یہ حقیقتیں اپنی ترجمان آپ کرتی ہیں...... تمہیں اس کے مزاج کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ وہ ایک اکھڑ اور بدمزاج شخص تھا۔ اسے ایک ظالم اور سفاک شخص کہنا زیادہ مناسب ہوگا' اور ہمیں یہ بھی شبہ ہے کہ وہ کسی مافیا کا ایجنٹ تھا۔ نیوی کی تحویل میں جو سونا تھا' اور جو وہ پراسرار طور پر غائب ہو گیا...... اس کے متعلق ایک ایسی بات سنی' جسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ جو چکمہ قبیلہ ہے' اس میں اور بنگال میں ایسے جادوگر اور جادوگرنیاں ہیں' جو معمولی رقم یا کسی شے کے عوض کچھ جادو منتر سکھا دیتے ہیں۔ اس نے دو ایک منتر سیکھ رکھے تھے۔

ایک منتر تو کسی پر پڑھ کر پھونک دے تو اس پر بے ہوشی یا غشی طاری ہو جائے۔ اور نظر بندی...... دوسرے منتر سے آدمی کی نہ صرف نظر بندی ہو جاتی تھی' بلکہ وہ ساکت و جامد ہو جاتا تھا۔ اس کا دورانیہ پندرہ منٹ سے ایک گھنٹے تک کا ہوتا ہے۔ اس نے انہی دو منتروں سے فائدہ اٹھا کر وہ کشتی جس میں سونا تھا' جو دبئی سے آئی تھی' اور نیوی والوں نے چھاپہ مار کر تحویل میں لی ہوئی تھی' اسے بڑے سخت پہرے سے نکال لایا' اور پھر اسے لے جایا گیا۔

اگرچہ کسی ثبوت کے بغیر اس پر یہ الزام عائد کرنا غلط ہے' تاہم اس کے کردار کو سامنے رکھا جائے گا' یہ کوئی ایسی انہونی بات نہیں ہے۔ چھوٹے موٹے جادو منتروں سے لوگ بہت سارے کام لیتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات غلط پڑھنے کی وجہ سے ان کے سارے کام الٹے ہو جاتے ہیں۔ اس نے جو کامیابی حاصل کی، وہ شاید اس جادو منتر کی وجہ سے...... لیکن اس بات کو نیوی کے حکام نہیں مانتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ اس نے سریتا سے شادی کیوں کی......؟

ایک ذلیل اور گھٹیا قسم کے شخص سے......؟ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ جنگ کے زمانے کی شادی تھی۔ پڑوسی ملک سے فرخانہ بیراج کے سلسلے میں جھڑپیں ہوئی تھیں۔ اس نے جنگ کی صورت اختیار کر لی تھی' لیکن امریکہ کی مداخلت کے دوران بعد ازاں جنگ بندی ہو گئی تھی۔ افراتفری کے زمانے میں ایسی شادی ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں۔ سریتا نے اس

شادی پر کسی تاسف یا پریشانی اور کوئی پچھتاوا ظاہر نہیں کیا تھا' لیکن میں جانتا ہوں کہ اسے شادی نے کوئی خوشی اور سکھ نہیں دیا تھا۔ عورت شادی کے بعد خوش ہے یا نہیں اس کے بشرے اور حرکات و سکنات سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی انداز سے زندگی گزارنا اس پر ظاہر کرتا ہے کہ اس نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ وہ بڑی صابر و شاکر عورت کی طرح زندگی گزارتی رہی۔

مسٹر اجیت! اس رات وہ اپنے خیال کے مطابق تمہارا کام کرنے کے ارادے سے چلا آیا۔ اسے یقین تھا کہ سریتا اس کا ہر طرح سے ساتھ دے گی۔ اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی رہے گی۔ اور اس ملک سے فرار ہونے میں مدد کرے گی۔ لیکن سریتا نے اس کے جرم سے پردہ پوشی سے انکار کیا تو وہ سیخ پا ہو گیا۔ اس کے بعد دونوں میں جھگڑا ہوا۔ تلخ کلامی نے ان دونوں کو ہی مشتعل کر دیا تھا' جس پر کسی طرح پستول چل گیا۔ سریتا کہتی ہے کہ اس نے گولی چلائی تھی' لیکن مجھے شبہ ہے کہ ایسا نہ ہوا۔"

اس نے اپنی دستی گھڑی پر پھر ایک نظر ڈالی' پھر اس نے میرے قریب آ کر میرے منہ سے تھرما میٹر نکال لیا۔ اسے دیکھنے کے بعد وہ اسے بیگ کے پاس رکھنے کے بعد پھر کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ سریتا نے مجھے یہاں بلایا' یہاں آ کر میں نے صورت حال کا بغور جائزہ لیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ عدالت میں جا کر اپنی بے گناہی ثابت نہ کر سکے گی۔ سریتا نے مجھے بتایا کہ سہاش کے بارے میں اس نے کیسے اجیت نامی شخص کو اپنا لباس پہنا کر اپنی جگہ مردہ ظاہر کیا' تاکہ فرار کے وقت پولیس کو قطعی شبہ نہ ہو کہ سہاش فرار ہو گیا ہے۔ مجھے یہ صورت حال سریتا کے حق میں بڑی غنیمت معلوم ہوئی۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے قسمت نے سہاش کی موت کے متعلق ایک عجیب مذاق کیا ہو۔ اس نے خود اپنی موت کا منصوبہ بنا کر کسی اور کو اپنی جگہ قتل کیا...... لیکن بعد ازاں خود موت کا شکار ہو گیا۔

اب اہم بات یہ تھی کہ سہاش کی لاش سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ اگرچہ مجھے اپنے پیشے کے وقار کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا کرنا نہیں چاہئے تھا' لیکن بعض اوقات صورت حال' اور ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں' کہ پیشے کے وقار کو ایک طرف رکھ کر انسانیت کے جذبے کو ترجیح دینا پڑتی ہے۔ مسٹر ریحان...... اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہوتا۔"

اس نے کھنکار کر گلا صاف کرنے کے لئے توقف کیا' اور پھر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

سہاش کے بیان کو ہم نے صحیح اور درست مانا تھا۔ یہی ہماری سب سے بڑی غلطی تھی۔ اس نے تمہیں مردہ ظاہر کیا تھا' اور اسے یقین تھا کہ تم مر چکے ہو۔ تمہاری لاش سے چھٹکارا پانے کے بعد ہسپتال سے یہ اطلاع ملی تھی کہ سہاش زخمی حالت میں ہے۔ تو اس سے ہماری جو حالت ہوئی ہوگی' وہ ظاہر ہے۔ اور اب سہاش کے قتل پر پردہ ڈالنے کے لئے ضروری تھا' کہ اگر تم نے ابھی تک اپنی اصلیت ظاہر نہیں کی ہے' تو تمہیں ہسپتال سے فوراً یہاں منتقل کر دیا جائے۔ اور تمہیں اس بات پر آمادہ کر لیا جائے کہ اس راز کو راز رکھا جائے۔ سہاش نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے' اسے ہم کسی ہمدردی کا مستحق نہیں سمجھتے۔ اس کے علاوہ ہم معقول معاوضہ ادا کرنے کے لئے تیار ہیں۔

''معاوضہ......؟''

میں نے حیرت سے کہا۔

''کس بات کا معاوضہ......؟''

''اس بات کا معاوضہ کہ صبح تم نے اس لڑکی کے سامنے جو کردار ادا کیا ہے' اسے اس طرح سے بدستور کرتے رہو۔ سہاش کا پارٹ اس وقت تک کرتے رہو' جب تک ہم اس قابل ہو جائیں کہ حالات کو اپنے حق میں سازگار نہ کر لیں۔ پھر تمہیں رخصت کرنے کے بعد کسی طرح کا شک وشبہ پیدا نہ ہو۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ جب تک سہاش کے متعلق لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ گھر میں موجود ہے' تو اس کی بیوی پر اس کے قتل کا شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا۔'' اس نے بڑی وضاحت سے بتایا تھا۔

میں خاموشی سے اس کی باتوں کو سنتا' اور ڈاکٹر نارنگ کے سراپا کو گھورتا رہا۔ اس نے کل والا وہی سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس سوٹ کو اب استری کی بے حد ضرورت تھی۔ ڈاکٹر نارنگ عادت کے مطابق اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ اس نے مجھے دیر تک چپ پا کر کہا۔

''وہ بڑی نفیس خاتون ہے مسٹر اجیت! اس گھر میں اس کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے' اس کا خیال رکھتے ہوئے میں اسے بچانے کے لئے ہر قدم اٹھانے کے لئے تیار ہوں...... ہر

قدم......''

اس کی آواز سے خلوص ظاہر تھا۔ اس کا اظہار اور ثبوت اس کے ایک ایک لفظ میں موجود تھا۔ اسے یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ وہ سریتا سے کتنا اخلاص رکھتا ہے۔ میرے دل کے کسی کونے میں رحم اور احترام کے جذبات پیدا ہونے لگے۔ ڈاکٹر نارنگ کی عمر کو مدنظر رکھا جائے تو وہ کافی عمر رسیدہ تھا' اور سریتا کے سامنے بوڑھا دکھائی دیتا تھا۔ سریتا کے ساتھ ہونے اور سامنے اس کی عمر جیسے آپ ہی آپ بڑھ جاتی تھی' اور سریتا اور نوجوان دکھائی دیتی تھی۔

اس کے باوجود وہ سریتا کے لئے اپنی زندگی اور سب کچھ...... یہاں تک اپنی عزت تک نچھاور کرنے کے لئے تیار تھا۔ اس کا یہ ایثار اور قربانی قابل ستائش تھی۔ کسی عورت کے لئے چاہے وہ کتنی ہی جوان اور پرکشش کیوں نہ ہو، ہر شخص اتنی بڑی قربانی نہیں دے سکتا۔ اسے سریتا سے بے انتہا محبت تھی۔ محبت کا یہ اندھا جنون محبت کرنے والوں کو بہت متاثر کر دیتا ہے۔

عورت بھی کسی ایسے مرد کو بہت پسند کرتی اور دل میں اس کی پوجا کرتی ہے' جو اس سے نہ صرف محبت اور خلوص رکھتا ہو' یہ محبت کا منتر ہوتا ہے' جو عورت کو اسیر کر لیتا ہے۔ پھر عورت مرد کی عمر نہیں بلکہ اس کے جذبوں کو دیکھتی ہے۔

''ہر قدم......''

ڈاکٹر نارنگ نے چند ثانیوں کے بعد زور دیتے ہوئے کہا۔

''ہر حد کو پھلانگ کر بھی میں اسے بچانا چاہتا ہوں۔ یہاں تک میں ایسے شخص کو بھی سزا دلوانے سے بھی گریز نہیں کروں گا، جو بے قصور ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

میں نے حیران ہو کر تیزی سے کہا۔

اس کی بات عجیب ہی نہیں، پراسرار بھی تھی' اور نہ جانے کیوں میرے سارے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

ڈاکٹر نارنگ نے میری طرف دیکھا' تو اس کا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ اس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

''مطلب صاف اور واضح ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم نے اپنی شخصیت چھپا کیوں رکھی

ہے؟ البتہ میں اتنا اندازہ ضرور کر سکتا ہوں کہ تم یہاں رنگا مائی اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہونے کی غرض سے جا رہے تھے' اور پھر تم اچانک ہی کسی اور نام سے ہسپتال پہنچ گئے۔ ہو سکتا ہے کہ ڈیوٹی پر نہ جانے کی وجہ یہ ہو کہ تمہاری غیر حاضری پر کسی اور کو طلب کر لیا جائے۔''

''دیکھو...... بات یہ ہے کہ......'' میں نے سوچا کہ اسے اصل بات بتاؤں' اور اس کی غلط فہمی دور کر دوں۔

ڈاکٹر نارنگ نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے خاموش کر دیا اور کہا۔

''مجھے تمہارے مقاصد اور وضاحتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس سودے میں تمہیں کوئی نقصان نہیں۔ تم ہمارے راز کو محفوظ رکھو' اور ہم تمہارے راز کی پردہ پوشی کرتے رہیں گے' لیکن میں یہ بات واضح کر دوں کہ سریتا کی حفاظت اور بچاؤ میرے لئے ہر ایک چیز سے مقدم ہے۔ اگر تم نے کسی طرح اس کی سلامتی کو خطرے میں ڈال دیا' تو تم پر نہ صرف فوج سے بھگوڑے ہونے کا الزام لگے گا' بلکہ ایک شخص کے قتل کا الزام بھی تم پر تھوپ دیا جائے گا۔''

ڈاکٹر نارنگ میری طرف کسی قدر جھک گیا' تاکہ اپنی دھمکی میں زیادہ اثر پیدا کر سکے' اور اس کے چہرے پر جیسے ساری دنیا کی خباثت چھا گئی' اور آنکھوں میں ایک پیشہ ور مجرم کی سی سفا کی جھانکنے لگی۔

میں دل میں ہنس دیا۔ اس لئے بھی خاموش رہا کہ اسے میری کسی وضاحت اور مقاصد سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے اس کی بات سننے کو ترجیح دی' تاکہ اندازہ ہو سکے کہ میں کس پراسرار گرداب میں پھنس گیا ہوں۔

''مسٹر اجیت! اپنے موجودہ حالات پر غور کرو۔ تم وہ شخص ہو، جو سبھاش کی گاڑی میں زخمی پائے گئے۔ تمہارے جسم پر اس کا لباس تھا۔ ہاتھ میں دستی گھڑی اور جیب میں اس کا بٹوا...... مگر اس بات پر کون یقین کرے گا' کہ سبھاش نے ایک راہ چلتے مسافر پر رات کے وقت حملہ کر کے اسے بے ہوش کیا...... پھر اپنے کپڑے اتار کر اسے پہنائے اور اپنے گھر اس لئے چلا گیا' کہ اسے گولی کا نشانہ بنا دے۔

تمہارا کیا خیال ہے کہ پولیس تمہارے اس مضحکہ خیز اور بے سروپا بیان پر کوئی توجہ دے گی۔ جب کہ اس بات کا زیادہ گمان ہے کہ فوج میں جانے سے بچنے کے لئے تم نے سبھاش کو قتل کیا۔ پھر اس کی گاڑی' لباس اور بٹوا ہتھیا کر فرار ہونے کی کوشش کی' مگر گھبراہٹ کے

باعث ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔''

''لیکن اس صورت میں سبھاش کی لاش......؟'' میں نے ایک سراغ رساں کے انداز میں اعتراض کیا۔

''اس کے بارے میں کیا سوچا؟''

''ممکن ہے تم نے فرار ہونے سے پہلے سبھاش کی لاش کو دریا کی تہہ میں اتار دیا ہو۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

''ان پہلوؤں پر غور کرو...... مسٹر اجیت بار بار غور کرو۔ تمہارے پاس غور کرنے کے لئے وقت ہی وقت ہے۔''

+++

دن کا باقی ماندہ حصہ میں نے خیالات کے تانے بانے بنتے گزارا۔ کرنا بھی کیا تھا۔ اور مجھے یہ کرنا بے حد ضروری بھی تھا۔ ڈاکٹر نارنگ کی دھمکی اور اس کی جارحانہ انداز کی گفتگو نے مجھے چوکنا اور پریشان کر دیا تھا۔ ڈاکٹر نارنگ کی زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری عورت سریتا ہے۔ اس لئے وہ سریتا سے اتنی محبت اور جذباتی وابستگی رکھتا ہے۔

سریتا کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد ڈاکٹر نارنگ نہیں' بلکہ سبھاش تھا۔ اسے اپنے پتی سے محبت کب تھی۔ اس کی شادی ایک مجبوری کے تحت سبھاش سے ہوئی تھی۔ جس عورت کو جس مرد سے محبت ہوتی ہے' وہ نہ صرف پہلی محبت بلکہ اس کا پہلا مرد بن جاتا ہے۔ یہ بات میرے علم میں نہ آ سکی تھی' اور نہ ہی ڈاکٹر نارنگ نے بتایا تھا کہ سریتا کب سے اور کن حالات میں اس کی زندگی میں آئی۔ میرا اندازہ یہ تھا کہ ان دونوں کی ملاقات اور محبت کسی لمحے کا نتیجہ تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی رفاقت میں زندگی گزارتے آ رہے ہیں۔ شاید وہ ایک برسوں سے...... اس لئے وہ ایک دوسرے کو بڑے والہانہ' جذباتی انداز سے چاہتے ہیں۔ کبھی سبھاش کو شاید شک نہ ہوا ہوگا۔ وہ دونوں بڑے محتاط رہے ہوں گے اور آج بھی تھے۔ ڈاکٹر نارنگ کی کمزوری سریتا اس لئے رہی' کہ وہ نوجوان' حسین اور پرکشش عورت ہے۔ اس نے سریتا کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنا اسیر اور دلبستگی کے لئے کھلونا بنایا ہوا تھا۔ جب کہ سریتا کو سبھاش جیسے شخص سے نفرت ہونے اور نجات پانے کی غرض سے اسے ڈاکٹر نارنگ کی محبت اور سہارے کی ضرورت تھی۔ دونوں ہی ایک ہی کشتی کے سوار تھے۔

رات سونے کے لئے بستر پر دراز ہوا تو نیند کا کوسوں پتا نہیں تھا۔ بہت دیر بعد نیند تو آئی تھی' لیکن سکون سے اس لئے سو نہ سکا کہ تفکرات کے زہریلے سانپ ڈستے رہے تھے۔ دوسرے دن صبح بیدار ہوا تو میں کمرے میں تنہا تھا۔ ذہن تازہ' صاف اور کھلا ہوا تھا۔ اب میں

ہر پہلو پر یک سوئی سے سوچ سکتا تھا۔

''بھگوڑا......؟''

ڈاکٹر نارنگ کا کہا ہوا لفظ میں نے زیرِ لب دہرایا...... اور پھر اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر نارنگ نے مجھے قاتل بھی ثابت کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے دلائل بڑے ٹھوس تھے۔ انہیں غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ صرف ایک ڈاکٹر ہی نہیں' بلکہ پولیس افسر بھی معلوم ہوتا تھا۔ ہسپتال میں اپنی اصلیت چھپا کر' اور پھر کل صبح سروجا کے سامنے خود کو سبھاش اقرار کر کے میں نے خود ہی اس الزام کے لئے زمین ہموار کی تھی۔ کیوں اور کس لئے......؟ ہو سکتا ہے کہ سریتا کے سحر نے مجھے یہاں سے جانے نہ دیا ہو۔ اس عورت میں واقعی ایک عجیب سا سحر تھا۔ اور پھر اس بات سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ عورت شاید مرد کو اسیر کرنے کا کوئی منتر جانتی ہے۔ شاید اس کے اس منتر نے ڈاکٹر نارنگ کو اپنا بنایا ہوا ہے۔ اور اب مجھے...... شاید اس لئے تو میں نے سروجا کی غلط فہمی اور شک دور کر دیا' اور سریتا کی طرف داری کی...... اور پھر اس کی جاذبیت بھی تو سحر انگیز تھی۔ سراپا منتر تھی' مردوں کو غلام بنانے کا۔''

بھگوڑا ہونے کا تصور بھی میں نہیں کر سکتا تھا۔ اب سارا کھیل میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ قصہ یہ تھا کہ ایک ارب مالیت کا سونا جس کشتی میں تھا' اسے نیوی کے محکمے نے اپنی تحویل میں لیا ہوا تھا۔ نیوی کی تحویل سے وہ لانچ پراسرار طور پر نکال لی گئی تھی۔ یقیناً سبھاش نے جادو منتر سے کام لیا تھا۔ فوج کے کڑے پہرے سے لانچ کو نکال لے جانا مذاق نہیں تھا۔ چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی' لیکن فوج اس بات کو تسلیم نہیں کرتی تھی۔ لانچ کسی جادو منتر کے باعث لے جائی جا سکتی ہے۔ اسی لئے فوج نے شاید کسی افسر کو جو محکمہ سراغ رساں کا ہو، تفتیش کے لئے بھیجا ہو۔ شاید وہ میری شباہت کا تھا۔ میں نے نیوی سے ملتا جلتا یونیفارم پہن رکھا تھا' اس لئے سبھاش دھوکا کھا گیا۔ پھر میں اس کے جال میں پھنس گیا۔ میں یہاں تو جڑی بوٹیوں کی تلاش میں اپنے دوست کے پاس آیا تھا۔ کوئی ایسا نہیں تھا کہ میں اسے اس کے ذریعے کوئی پیغام دے سکتا۔ اب معاملات اس حد تک آگے بڑھ چکے تھے' اور نازک ہو گئے تھے کہ سریتا اور ڈاکٹر نارنگ میری کسی بات اور وضاحت کو تسلیم نہ کرتے۔ میرے دوست نے یہ فرض کر لیا ہو گا کہ میں کسی وجہ سے آ نہیں سکا ہوں۔ شاید کسی مشکل میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ وہ مجھ سے

بخوبی واقف تھا۔

اس کا کوئی فون نمبر نہیں تھا' اور نہ ہی کوئی ملازم تھا۔ ایک خانساماں تھا' جو سریتا نے ایک منصوبے کے تحت اسے ملازمت سے میرے یہاں آنے سے پہلے ہی نکال دیا تھا۔ ورنہ وہ میرے دوست سے رابطے کا ذریعہ بن جاتا۔ میں اپنے دوست کو یہاں کی پراسرار واردات اور جادو منتروں کے بارے میں بھی آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ شاید توڑ کرتا' نکال لے جاتا۔

میں نے ایک بات اور سوچی کہ کیا میں صحت یاب ہوتے ہی یہاں سے نکل جاؤں گا؟ سریتا نے مجھ پر جو منتر سے اسیر کیا ہوا ہے اسے توڑ کر جا سکوں گا۔ اس کا حسن و شباب اور پھر جوانی کے منتر کا کوئی توڑ ہوگا؟

نچلی منزل سے برتنوں کے کھنکنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا' اور چادر بدن سے ہٹا کر بستر سے اتر آیا۔

پاؤں پر کھڑے ہوتے ہوئے مجھے خوف سا آیا' کہ کہیں میرا وزن سہار نہ سکیں' چوں کہ کھڑا ہونا ضروری بھی تھا۔ اس لئے احتیاط کے ساتھ آہستہ آہستہ کسی نہ کسی طرح کھڑا ہوگیا' اور پھر اس طرح سے سنبھل سنبھل کر تین چار قدم چلا' جیسے رسی پر چل رہا ہوں۔ اب میں سنگھار میز کے قریب کھڑا تھا۔ پھر میں یہاں سے الماری کی طرف بڑھا' جو دو قدم پر تھی۔ اس کا پٹ کھول کر ملبوسات کا جائزہ لیا۔ اندر بہت کم کپڑے تھے۔ ظاہر تھا سہاش اپنے بیشتر کپڑے اپنے ساتھ رکھتا ہوگا۔ تاہم میں ان باقی کپڑوں میں سے اپنے لئے کوئی کارآمد جوڑا حاصل کر سکتا تھا۔

اتفاق سے میرا اور سہاش کا قد برابر ہی تھا۔ میں نے یہاں سے بھاگ جانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ یہ ضروری بھی تھا' کیوں کہ انہوں نے مجھے شکار کر کے رکھا ہوا تھا۔ اس وقت مجھ پر سریتا کا سحر نہ تھا۔ یہاں سے نکل جانے کا بھوت سوار تھا' بلکہ دل میں ایک خوف سا دامن گیر تھا۔ سریتا ایک قاتلہ تھی۔ اس نے کسی وجہ سے بھی کیوں نہ سہاش کو قتل کیا ہو۔ اس کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے تھے۔ ذہن میں خیالات کی یلغار کچھ ایسی تھی کہ مجھے سریتا کی آمد کی خبر نہ ہوسکی۔

''پیارے!......'' سریتا نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

''تم یہاں کھڑے ہو' جبکہ تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔''

میں نے چونک کر پلٹ کر سریتا کی طرف دیکھا۔ اس نے سفید ساڑھی سیاہ کناری والی اور سفید ہی بلاؤز جو آگے پیچھے سے نیچی تراش اور بغیر آستینوں کا تھا' پہنا ہوا تھا۔ زلفیں کل کی طرح پریشان تھیں۔ البتہ اس کے تراشیدہ رس بھرے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی تپش تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ناشتے کی ٹرے تھام رکھی تھی' اور ساڑھی کا پلو شانے سے ڈھلک کر ایک ہاتھ پر جھول رہا تھا' جس سے ایک دلکش نظارہ بجلی کی طرح میری نظروں کے سامنے کوند گیا تھا۔ اسے اس بات کی پروا بھی نہ تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا' یہ حرکت اس نے دانستہ کی ہے۔ اسے کوئی جلدی نہ تھی کہ اس بے حجابی کو چھپا سکے۔ میرا جواب نہ پا کر وہ بڑے اطمینان سے آگے بڑھی' اور ٹرے میز پر رکھ دی۔ پھر پلو فرش پر آ رہا۔ پھر اس نے بڑے اطمینان سے اٹھا کر اسے سینے اور شانے پر پھیلایا' اور پھر زیر لب مسکرا کر بولی۔

''واقعی تمہارا جسم بڑا مضبوط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل سیڑھیوں پر تمہیں چڑھاتے ہوئے ہمیں کافی وقت پیش آئی تھی۔''

''میں یہاں نہیں رہ سکتا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آخر کیوں......؟'' وہ ایک دم چونکی' اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ شاید اسے اس لئے حیرت تھی کہ اس نے جو حسن کی کرشمہ سازی کی جھلک دکھائی تھی' اس کے جادو نے مجھ پر کوئی اثر نہیں کیا۔ کوئی بھی مرد گھائل نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے؟

''نیوی...... مجھے ڈھونڈ رہی ہوگی۔'' میں نے حالات کے پیش نظر جواب دیا' بلکہ یہ کہنا تھا کہ میرا دوست انتظار کر رہا ہوگا۔'' میں نہیں چاہتا کہ نیوی مجھے بھگوڑا قرار دے۔ ایک فوجی کے لئے بھگوڑا ایک غلیظ اور گھناؤنی گالی ہے' اور اس پیشے کی توہین ہے۔ ایک ایسا داغ ہے' جو کبھی مٹ نہیں سکتا۔''

''انہیں ڈھونڈنے دو پیارے!'' وہ سنجیدگی سے بولی' تو اس کے لہجے میں مٹھاس تھی۔ یہاں کوئی نہیں آ سکتا۔ ان کے فرشتے بھی تمہارا کھوج ساری زندگی نہیں لگا سکتے' لیکن تم یہ بات مت بھولو کہ اب تم کیپٹن اجیت نہیں' بلکہ میرے پتی دیوتا...... سہاش دتہ ہو۔ ایک پتنی اپنے پتی کو کیسے جانے دے گی؟''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' میں نے سنبھل کر کہا۔

وہ میری آنکھوں میں جھانکتی رہی۔ پھر اس کی ساڑھی کا پلو سرسراتا ہوا فرش پر گر کر بکھر

گیا۔ اس نے چند لمحوں تک اس طرح رہنے دیا۔ پھر اسے اٹھا کر سینے اور شانے پر درست کیا۔

"اوہ...... میں سمجھی...... تم نے ارادہ بدل لیا ہے۔ تم جانا چاہتے ہو۔ شاید تم اس لئے مناسب کپڑے ڈھونڈ رہے تھے یہاں۔"

"ہاں......" میں نے اثباتی انداز میں سر ہلا کر اقرار کیا۔

وہ چند لمحے تک مجھے صبر آزما نگاہوں سے دیکھتی رہی' تکتی رہی۔ پھر اس نے ایک سرد آہ بھر کر افسردہ لہجے میں کہا۔

"لیکن تمہیں بھاگنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آخری زینے کے ساتھ ہی ٹیلی فون رکھا ہوا ہے۔ اگر تم پولیس کو بلانا چاہتے ہو تو بلا سکتے ہو۔ میں تمہارے راستے کی دیوار نہیں بنوں گی۔ یوں بھی تم مجھ سے کافی طاقت ور ہو۔ میں تمہیں روک نہیں سکتی۔ تمہاری خواہش ہے کہ مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھو تو تمہیں پورا اختیار ہے کہ تم......"

اس کی آواز گلے میں رندھ گئی۔ اب وہ مجھے بے خوفی سے دیکھ رہی تھی۔

"پیارے!...... تم وہی کرو، جسے ٹھیک سمجھتے ہو۔" اس نے مجھے چپ پا کر دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"میں تمہیں اپنی بدنصیبی اور مصیبتوں میں شریک کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتی۔ اور یہ بھی بتا دوں کہ ڈاکٹر نارنگ کی دھمکیوں کی ذرا بھی پروا نہ کرو۔ اس نے مجھے وہ ساری باتیں بتائی ہیں' جو اس نے تم سے کی تھیں۔ اور میں یہ سن کر اس پر بگڑی بھی تھی۔ تمہیں اس بات پر یقین رکھنا چاہئے کہ میں اپنی خاطر تم پر کوئی الزام آنے نہیں دوں گی۔ اگر میری قربانی دے کر تمہارا ضمیر مطمئن اور آسودہ ہو سکتا ہے' تو میں تمہیں کبھی نہ روکوں گی۔"

اگر اس کی آواز میں بناوٹ تھی تو شیرینی بھی تھی۔ ایک سوز اور گداز بھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی قربت کا احساس بڑا فرحت بخش تھا۔ اس کی آنکھوں سے والہانہ پن جھانک رہا تھا۔ میں نے بڑی بے تکلفی سے اس کے گداز اور سڈول شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو۔ اگر میں فون کے قریب بھی گیا' تو تم مجھے شوٹ کر دو گی' کبھی میرا قیاس غلط نہیں ہوتا ہے۔ میں قیافہ شناس بھی ہوں۔ دل کی بات چہرے اور آنکھوں سے بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔"

"ہاں شاید......" اس کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور گزر گیا' اور اس نے مجھے چمکتی آنکھوں سے دیکھا۔

"مگر مجھے یقین ہے کہ تم پولیس کو یقیناً فون نہیں کرو گے' اور تمہیں یہاں رہنا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم یہاں رہ کر میری مدد کرو گے۔ مجھے تمہاری مدد کی اشد ضرورت ہے۔"

ان باتوں کے دوران جو اس کی ساڑھی کا پلو فرش پر گر گیا تھا' اور اس لہراتے ہوئے ساڑھی کے پلو کو اٹھا کر شانے پر درست کیا' دراصل وہ مجھ پر غیر محسوس انداز سے نفسیاتی حربے آزما رہی تھی۔ ورغلا رہی تھی۔ عورت کے پاس ایک نہیں کئی حربے ہوتے ہیں' جو مہلک ترین ہتھیاروں سے کہیں خطرناک ہوتے ہیں۔ اس کے زخم گہرے ہوتے ہیں۔

میں نے کچھ کہنا چاہا' تو اس کے سرخ و گداز شیریں ہونٹوں نے چند لمحوں تک مجھے کچھ کہنے نہیں دیا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے کمر سے تھامنا چاہا' تو وہ کسی مچھلی کی طرح میرے ہاتھوں سے پھسل گئی۔ اور کچھ دور کھڑی ہو کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"کاش! میں تمہارا چہرہ دیکھ سکتی۔ مجھے یقیناً بڑی خوشی ہوتی۔"

"شاید نہ ہوتی۔" میں نے قدرے رکھائی سے جواب دیا۔

اس نے ساڑھی کے پلو کو سینے اور شانے سے گزارنے کے بعد کمر میں اڑستے اور مجھے درزیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ناشتہ کر لیں۔ ورنہ یہ ٹھنڈا اور بے مزا ہو جائے گا۔"

میرے ہونٹ مٹھاس سے بندھ گئے تھے۔ جب وہ مڑی تو میں اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہوں میں محبت کے دیپ جل رہے تھے۔ اس نے میرے ہونٹوں کو مٹھاس دے کر ایک دوسرے کا ساتھی بنا دیا تھا۔ ایسی مٹھاس جو سدا برقرار رہتی ہے۔ اور اب ہم ایک ہی کشتی کے سوار تھے' اور ایک دوسرے کے شریک کار بھی۔

"میں ایک معمولی سا کیپٹن ہوں حریتا۔" میں نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ حالات کا تقاضا بھی یہی تھا۔ بہرحال وہ ایک زہریلی ناگن تھی۔ ناگن ناگن ہی ہوتی ہے۔

"ممکن ہے تمہاری نگاہ میں میری کوئی قدر نہ ہو۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میں جلد ہی ترقی پا کر بڑے عہدے پر فائز ہو جاؤں...... اس کے لئے کسی کارنامے کی ضرورت ہوگی' اور

میں یقیناً کارنامہ انجام دے سکتا ہوں۔ یہ اس صورت میں ممکن ہوگا کہ جب میں یہاں سے......''

اچانک احساس ہوتے ہی میں چپ ہوگیا' اور پھر میں نے بات بنائی۔

''آخر میں نے ہسپتال میں اپنی اصلیت کو کیوں ظاہر نہیں کیا؟ اور تمہارے ساتھ خاموشی سے چلا آیا؟ یہ کون سا جذبہ تھا؟ میں خود بھی اسے سمجھنے سے قاصر ہوں۔''

ایک بڑی سی پلیٹ، جس میں چار انڈوں کا آملیٹ اور دو پراٹھے تھے' اور کافی کا پیالہ بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔

''بے کار خیالات سے اپنا ذہن پریشان اور پراگندہ نہ کرو۔ سکون سے ناشتہ کرو' کیوں کہ یہ سب کچھ لاحاصل ہے۔''

اس کے انداز و اطوار سے صاف ظاہر تھا کہ اسے میری الجھنوں سے چنداں دلچسپی نہیں۔ بس اس کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ میں نے اس کا ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر کردی۔ وہ اپنے تئیں شاید یہ سمجھ رہی تھی' کہ میں اس کے بدن کی حشر سامانی کی جھلک سے تیار ہوا ہوں۔

ناشتے سے فراغت پانے کے بعد سریتا ٹرے لے کر نیچے چلی گئی۔ وہ ناشتے کی میز پر میرے مقابل بیٹھی تھی۔ ناشتے کے دوران وہ مجھے سمجھاتی بھی رہی تھی۔ جب اس کی چاپیں معدوم ہوگئیں' تو میں جو میز پر سے اٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا تھا' پھر بستر سے اٹھا' اور کھڑکی کے پاس جا کر باہر جھانکتے ہوئے دریا کا نظارہ کرنے لگا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی' اور منظر کل جیسا ہی تھا۔ دور ایک کشتی کٹاؤ کی طرف تیزی سے چلی آ رہی تھی۔ جب کشتی کٹاؤ کے قریب پہنچی تو آواز جانی پہچانی سی لگی۔

اچانک مجھے یاد آیا کہ یہ وہی کشتی ہے' جس کی تصویر میں نے سہاش کے بٹوے میں بے ہوش ہونے سے کچھ دیر پہلے دیکھی تھی' اور پھر ہسپتال میں بھی اس کشتی کا رنگ سفید تھا۔ سہاش نے سروجا کے ساتھ اس کشتی کو ڈیزائن کیا تھا۔ کشتی کے اور قریب آنے پر میرا یہ خیال درست نکلا۔ کشتی کے اگلے حصے میں سروجا کھڑی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

نیوی کے جہازوں کے مقابلے میں اگرچہ یہ کشتی کچھ بھی نہیں تھی' تاہم اپنی جگہ اہم تھی' اور سروجا اسے بڑی مہارت سے چلا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اس نے خصوصی تربیت حاصل کی

ہوئی ہے۔

جونہی یہ کشتی کٹاؤ کے پاس ڈاک پر کھڑی ہوئی۔ ایک کشتی قریب سے گزرنے لگی' تو سروجا نے سر اٹھا کر اس گھر کی طرف دیکھا' پھر اس نے مجھے کھڑکی میں دیکھ کر خوشی سے ہاتھ فضا میں لہرا دیا۔ قدرے تامل سے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ جواب دینا ہی بہتر ہے۔ سو میں نے بھی جوابی طور پر ہاتھ ہلا دیا۔ عقب میں سنہری حروف سے کشتی کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس نام کو دیکھ کر میرے ذہن میں چند اور کشتیوں کے نام گونج گئے۔ میں ان ناموں کو بھولا نہیں تھا۔ سب ہی یاد تھے۔

آہٹ سن کر میں پیچھے مڑا۔ سریتا مجھے عجیب نگاہوں سے تک رہی تھی۔ اس نے مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر معنی خیز لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے کہ تم بھی اس طرح دار نوجوان لڑکی سے متاثر ہو گئے ہو......؟ کیوں......؟ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔''

میں نے جواب دینے کے بجائے گردن گھما کر موڑ کاٹتی ہوئی کشتی کی طرف دیکھا۔ اسے ایک نظر دیکھنے کے بعد جواب دیا۔

''تمہارے مقابلے میں وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اور پھر اس سے متاثر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مصلحت کا کیا تقاضا نہیں ہے کہ اسے سہاش کی طرح ہی جواب دوں۔ ورنہ اسے کہیں شک وشبہ نہ ہوجائے۔''

لمحے کے لئے اپنی تعریف سن کر اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ پھر سریتا نے متعجب لہجے میں کہا۔ ''میں حیران ہوں کہ وہ اتنی صبح یہاں کیا کرتی پھر رہی ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ وہ محض بوٹنگ کر رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں...... مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے شوہر کا بٹوا کہاں ہے' جو ہسپتال میں میرے پاس تھا۔''

سریتا سنگھار میز کی طرف تیزی سے بڑھ گئی۔ اس کی دراز میں سے بٹوا نکال کر حیرت سے پوچھا۔ ''آخر اس کی کیا ضرورت پڑ گئی......؟''

میں نے آگے بڑھ کر بٹوا اس کے ہاتھ سے لے کر تھام لیا' اور پھر بستر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"دراصل ابھی ابھی مجھے ایک نیا خیال آیا ہے؟" پھر میں نے دریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس لڑکی کا نام کیا ہے؟"

"تم جانتے ہو...... اور تم نے اسے سروجا کہہ کر پکارا بھی تھا۔"

"اس کا پورا نام کیا ہے......؟"

"اس کا پورا نام سروجا مکرجی ہے۔ لیکن تم ایک دم سے اس میں اتنی دلچسپی کیوں لینے لگے؟" سریتا نے حیرت سے کہا۔

میں نے اس کی بات سن کر قدرے خفگی سے کہا۔

"بار بار یہ سوال کر کے مجھے پریشان نہ کرو۔ تمہیں یہ بات بھولنا نہیں چاہئے کہ اس وقت میں سبھاش دتہ یعنی تمہارا پتی ہوں۔"

پھر میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے سمجھانے کے انداز میں قدرے نرمی سے کہا۔

"اور سبھاش ہونے کی وجہ سے میرے لئے ضروری ہے' کہ میں اپنی محبوبہ کے متعلق ساری باتیں معلوم کروں...... اور یہ دیکھو کہ اس تصویر میں میری دلچسپی کی وجہ کیا ہے؟"

یہ کہہ کر میں نے تصویر کا ایک کونا موڑ کر پیچھے چپکا ہوا کاغذ علیحدہ کر دیا۔

اور پھر تصویر کی پشت پر دیے ہوئے ناموں کی فہرست سریتا کو دکھاتے ہوئے بولا۔

"ان خفیہ ناموں کا ہسپتال میں مجھ پر انکشاف ہوا تھا' اور بعد میں یہ فہرست میرے ذہن سے اتر گئی۔ ابھی پھر یاد آئی۔ اس لئے میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ کیا میرے ذہن میں درست فہرست موجود ہے۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ سروجا کی کشتی کا نام کیا ہے؟"

"وہ اس کشتی کو ناز دل کہتے ہیں......" سریتا نے جواب دیا۔

میں نے فہرست پر نگاہ ڈالی۔ سریتا بھی حیرت سے اس فہرست کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے فہرست دیکھنے کے بعد کہا۔

"بڑا عجیب اور خوب صورت نام ہے...... لیکن اس فہرست میں ناز دل کا نام شامل نہیں ہے۔"

"لیکن یہ فہرست ہے کیا آخر......؟" سریتا نے جھک کر نام پڑھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کشتی کے آگے ہندسے کیا ہیں......؟ میری سمجھ میں خاک نہیں آ رہا ہے...... کہیں یہ منتر کے ہندسے تو نہیں ہیں؟ منتروں کے ہندسے بھی ہوتے ہیں؟"

"میں بتاتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ منتروں کے ہندسے نہیں ہیں۔ یہ وہ کشتیاں ہیں، جنہیں کوئی کام میں لاتا ہے' اور ان کے نام بے معنی نہیں ہیں۔" میں وضاحت کرنے لگا تاکہ اس کی سمجھ میں آ جائے۔

"ان کشتیوں کے آگے جو ہندسے لکھے ہوئے ہیں' وہ ان کی لمبائی اور چوڑائی ہے۔ اس فہرست کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی' لیکن اس کا مقصد کوئی نہ کوئی ضرور ہے' ورنہ اس تصویر کی پشت پر نام نہیں لکھے جاتے؟ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے پتی نے یہ کشتی کب بنائی تھی؟ تمہیں کیا اچھی طرح سے یاد ہے؟"

"زیادہ دن نہیں ہوئے ہیں۔" سریتا نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ کشتی میرے شوہر اور سروجا نے مل کر بنائی۔ ان دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھ کر میرے سینے پر سانپ لوٹتے رہے تھے' اور حسد کی آگ میں جلتی بھی رہی ہوں۔"

"تم نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ تم اس کی سرگرمیوں میں مخل ہوتی رہی ہو' اور اسے ٹوکتی بھی رہی ہو۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں......" سریتا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"چٹا گانگ میں اس کی سرگرمیاں مجھے قطعی پسند نہیں تھیں۔"

"وہ کس لئے......؟" میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اس لئے کہ ایک فوجی ہوتے ہوئے سبھاش کے سمگلروں اور زیر زمین لوگوں سے روابط رہے' جو مجھے پسند نہیں تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ ہم دنیا کے لئے تماشا نہ بن جائیں' اور حکومت کی نظروں میں معتوب نہ ہو جائیں۔ یہ گھناؤنے جرائم تھے۔ مجھے میرا دیش بہت عزیز تھا' اور آج بھی ہے۔ میں پہلے بنگالی ہوں' اور پھر ہندو ذات کی۔ میں اسے دور رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ یہ جرائم پیشہ لوگ تھے۔ ان کا کوئی دھرم نہیں تھا۔ اور پھر ان میں شامل ہونے کے بعد وہ دولت کے اندھے جنون میں مبتلا ہو کر اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھے تھے۔ چٹا گانگ میں میرے محلے میں دو تین لوگ زیر زمین دنیا کے لوگ تھے۔ انہوں نے نہ صرف اپنی بیویوں کو دوسروں کی زینت بنایا بلکہ اپنی نوجوان کنواری بہنوں کو بھی...... ان کے ہاں

دولت کی ریل پیل تو ہوگئی' لیکن عزت نام کی کوئی چیز نہ رہی۔ وہ اپنی بیویوں اور بہنوں کو ان افسران کے بستروں کی زینت بناتے تھے' جو کالے دھندوں کی چھوٹ دیتے تھے۔ اس سرزمین کے سرغنہ چوں کہ لاکھوں کماتے تھے' اس لئے وہ خوش ہو کر ان کی بیویوں اور بہنوں کو خوب نوازتے تھے۔ یہ بہنیں اور بیویاں بہت خوب صورت تھیں۔ بہرحال میں اسے اس لئے مشکوک لوگوں سے دور رکھنے کی کوشش کرتی تھی' کہ کہیں وہ مجھے بھی کسی انجانے راستے پر چلنے کے لئے مجبور نہ کردے۔ کچھ لوگوں کی بیویوں نے اس راہ پر چلنے سے انکار کیا' تو ان کے چہروں پر تیزاب پھینک دیا گیا۔''

''ممکن ہے تمہارا خیال درست نہ ہو۔'' میں نے کہا۔

''صرف اندازے ہوں' اور سنی سنائی کہانیاں ہوں' اور شاید اس کی سرگرمیاں مشکوک نہ ہوں۔ بعض اوقات آدمی جو سنتا ہے اور دیکھتا ہے وہ غلط بھی ہوتا ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو......؟''

''نیوی سے نکال دیئے جانے کے بعد اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ اس لئے اس نے کشتیوں کے ڈیزائن بنانے شروع کر دیئے۔'' میں نے کہا۔ اس سے لوگ اپنی پسند کے ڈیزائن اور کشتیاں بنواتے ہوں گے۔ اس لئے اس کا ہر قسم کے لوگوں اور تنظیموں سے واسطہ پڑتا ہوگا۔ اس لئے تمہیں وہ لوگ مشکوک لگتے رہے ہوں؟''

''ہاں......'' سریتا نے سر ہلا دیا۔

''اس نے کہا تھا کہ اگر وہ ایک بہت تیز رفتار کشتی بنا کر سالانہ ریس میں شامل کرے' اور وہ ریس جیت لے تو نہ صرف اس کا نام مشہور ہو جائے گا' بلکہ اسے بہت سے آرڈر ملیں گے۔ اسے ایک سنہرا موقع ملا ہے' وہ ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے ناز دل پر بڑی محنت اور وقت بھی صرف کیا۔ بڑی توجہ بھی دی تھی۔''

''کیا اسے نام کے علاوہ دولت کی بھی خواہش یا ہوس تھی؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں......'' سریتا نے نفی میں سر ہلایا۔

''اسے دولت کی چنداں فکر نہ تھی۔ ایشور کی کرپا سے وہ میرے لئے کافی دولت چھوڑ گیا ہے۔ لہٰذا مجھے مستقبل میں کوئی فکر اور پریشانی نہیں ہوگی۔ بڑھاپا بھی آرام سے گزر

جائے گا۔''

''تو گویا وہ بحریہ میں ملازمت پر بھی مجبور نہ تھا؟''

''نہیں...... اسے پیسے کے لئے کسی قسم کی مجبوری نہ تھی۔ وہ تو اس لئے بحریہ میں شامل ہو گیا تھا' کہ اسے فوجی کہلوانے کا شوق نہیں بلکہ جنون تھا۔ اس نے دو ایک دفعہ مجھ سے کہا کہ دولت مند ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آدمی کوئی کام بھی نہ کرے۔ جب اسے مشکوک قسم کی سرگرمیوں کے الزام میں برطرف کر دیا گیا' تو میں سوچنے پر مجبور ہوگئی' اور وہ باتیں مجھے کھٹکنے لگیں' جن کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں بہت پریشان ہوگئی تھی۔''

''کن کن باتوں سے تم بہت پریشان ہوگئی تھیں۔'' میں نے پوچھا۔

''مثلاً ٹیلی فون کالیں۔ آدھی رات کے وقت اس کی مشکوک قسم کے لوگوں سے ملاقاتیں۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی' لیکن اس نے میری باتوں پر ذرا توجہ نہ دی۔ کیوں کہ وہ اس چڑیل کے پھندے میں پھنسا ہوا تھا۔'' اس نے بتایا۔

''لیکن وہ تو خاصی کم سن ہے۔'' میں نے کہا۔

''ان دونوں کے درمیان عمروں کا خاصا فرق ہے۔''

''اسے کم سن نہ سمجھو...... وہ اپنی عمر سے کم تناسب اور چھریرے بدن کی وجہ سے لگتی ہے۔ ہزاروں میں ایک لڑکی ایسی ہوتی ہے' جس کی عمر کا اندازہ جسم کے باعث نہیں ہو پاتا ہے اور وہ کسی نوخیز کلی کی مانند دکھائی دیتی ہے۔ سروجا کا شمار بھی ایسی ہی لڑکیوں میں ہوتا ہے۔'' اس نے توقف کر کے گہرا سانس لیا اور پھر اپنی بات جاری رکھی۔

''پچھلے برس ہی اس نے گریجویشن کی ڈگری لی ہے۔ اور وہ ایک بڑے خاندان کی بگڑی ہوئی لڑکی ہے' اور اس کے عجیب سے آزادانہ خیالات ہیں۔ جو یورپ کی لڑکیوں اور عورتوں کی طرح...... وہ یہ بات بھول جاتی ہے کہ یہ یورپ نہیں بنگال ہے۔ گو بنگال کی لڑکیاں...... ہندوستانی لڑکیوں کے مقابلے میں تیز' طرح دار اور ماڈرن ہیں' اور انہوں نے اپنی اولاد کو بے جا آزادی دے رکھی ہے۔ انہیں کوئی احساس ہے' اور نہ ہی اس بات کا خیال ہے کہ ان کی اولاد بگڑ سکتی ہے۔ اولاد کو بے لگام چھوڑ دینا پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ وہ سہاش کو پھانسنے کے لئے عجیب عجیب چالیں چلتی رہی ہے۔ بلکہ ایک طرح سے اس نے پھانس ہی لیا تھا۔''

“یہ تو چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ جب دولت کی انتہا ہو جاتی ہے' تو پھر اولاد قابو میں نہیں رہتی ہے۔” میں نے کہا۔

“سوال یہ ہے کہ سہاش کیا کرتا رہا ہے؟ اور ڈاک پر جو کشتی کھڑی ہے' اس کا نام کیا ہے؟”

“وہ سہاش کی کشتی ہے اور اس کا نام سپر اسٹار ہے۔” سریتا نے بتایا۔

مجھے یاد آیا کہ اس نام کی کشتی فہرست میں شامل نہیں ہے' پھر بھی میں نے فہرست پر ایک نظر ڈالی اور پھر میں نے کہا۔

“یہ نام بھی فہرست میں شامل نہیں ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس فہرست کی ضرور کوئی اہمیت ہے؟ ورنہ وہ یوں پوشیدہ نہ رکھتا' اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اس لئے یہاں آیا تھا کہ فرار ہو سکے' لیکن موت نے اسے مہلت نہیں دی۔ اگر وہ تمہارے ہاتھوں سے مرنے سے بچ جاتا تو یقیناً فرار ہو جاتا۔”

“وہ کیسے......؟” سریتا نے پلکیں جھپکائیں۔

“وہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر یہاں آیا تھا' کہ وہ کچھ دن روپوش رہے۔ وہ روپوش رہنا چاہتا تھا۔ اس کے آنے سے یہ امکان پیدا ہوا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا۔ شاید اس کے تعاقب میں اور تلاش میں کوئی تھے یا ہوں گے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اس نے اپنے آپ کو مردہ ظاہر کرنے کے لئے ایک قتل کیا...... تمہارے سامنے زندہ آنے کی وجہ کیا تھی؟” میں نے کہا۔

“دراصل وہ یہ چاہتا تھا کہ میں اس لاش کو اس کی لاش کے طور پر شناخت کروں۔” سریتا نے وضاحت کی۔

“اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں تھی۔ میرے خیال میں وہ روپوش ہونے کے لئے نہیں آیا ہوگا۔ اس کے لئے جگہوں کی کیا کمی تھی؟”

“اگر اس کے منصوبے کے مطابق میری لاش جل گئی ہوتی' اور جلنے سے چہرہ مسخ ہو گیا ہوتا......؟ تو پھر کیا ہوتا؟ میرا خیال ہے کہ یہاں وہ کسی اور مقصد کے تحت آیا تھا۔ یہاں سے وہ کسی اور کشتی پر سوار ہونا چاہتا تھا۔”

یہ بات کہتے کہتے پل بھر کے لئے میرے دماغ میں ایک خیال کوندا...... کہیں فہرست

والی کشتی میں سونا تو نہیں تھا؟ یا پھر اس کشتی میں جس پر سہاش سوار ہو کر جانا چاہتا تھا۔ یہ محض ایک قیاس تھا۔ اس وقت تو کوئی اور ہی کہانی چل رہی تھی۔ میرے دل میں یہ خیال اچانک آیا تھا' اور جو میں قیاس کر رہا تھا' وہ غلط نہیں تھا۔ میں نے لمحاتی توقف کے بعد بات جاری رکھی۔

“ہو سکتا ہے وہ کشتی اس فہرست میں دی گئی کشتیوں میں سے ایک ہو۔ سہاش اس مخصوص کشتی کے آنے تک یہاں چھپا رہنا چاہتا تھا۔ کشتی آنے پر وہ یا تو تمہیں ساتھ لے جاتا' یا ہمیشہ کے لئے خاموش کر جاتا' تاکہ تم اس کا راز فاش نہ کر سکو۔ میرا خیال ہے کہ اسے اپنی کشتی کی آمد کا صحیح وقت معلوم نہ تھا۔ ایسی کشتیاں مختلف وجوہ کی بنا پر اپنے پروگرام بدل دیا کرتی ہیں۔ مثلاً طوفان یا انجن کی خرابی...... کسی انجانے خطرے کے پیش نظر...... اس طرح وہ ایک ہفتے کے لئے لیٹ ہو جاتی ہیں۔”

فہرست پر نظر ڈالتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ جانے کتنی کشتیاں ایسی ہوں گی' جنہیں جرائم پیشہ لوگ اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتے ہوں گے۔ میرے ذہن میں ایک اور بات آئی کہ سہاش نے جب وہ کشتی جس میں سونا موجود تھا' نیوی کے کڑے پہرے میں اپنے منتروں سے نکال لایا تھا' تو اب وہ اس کشتی کو کیوں نہیں نکال لے گیا؟ میں نے یہ سنا ہوا تھا کہ منتروں کو صرف جادوگر یاد رکھ پاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ برسوں سے اس کی جاپ کرتے رہتے ہیں' اور پھر نیوی پولیس اس کشتی کی تلاش میں سرگرداں ہوا' لیکن میں نے اس بات کو سریتا سے کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ شاید وہ اس بات کو نہیں مانتی اور پھر لاحاصل بھی تھا۔

میں نے سریتا کی طرف دیکھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں غرق نظر آئی۔ میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

“سریتا! ہمارا فرض ہے کہ ہم فیڈرل بیورو آف نیوی انویسٹی گیشن یعنی حکومت کے تحقیقی ادارے کو تمام حالات سے آگاہ کر دیں۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔”

“دیکھو...... تم پھر بہک چلے ہو۔” سریتا نے پیار بھرے لہجے میں مسکرا کے کہا۔

“یہ خیال کس لئے آیا؟”

“اس لئے کہ جانے کتنی مسافر بردار کشتیاں سمگلنگ کے لئے کام کر رہی ہیں۔” میں نے جواب دیا۔

“ممکن ہے یہ ایسی ان چند کشتیوں کی فہرست ہو، جو چٹاگانگ کی سمندری حدود میں

کام کر رہی ہوں۔"

"یہ فضول باتیں ہیں۔" وہ بستر سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے اپنا لباس اور بے ترتیب بکھرے بالوں کو درست کیا۔

"کیپٹن اجیت! کیا سمگلروں کی سرگرمیاں حکومت کے علم میں نہیں ہوں گی؟ وہ ان سے غافل ہونے سے رہی۔"

"ہم خاموش رہیں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم تماشا دیکھ رہے ہیں' اور مجرموں کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ایک فرض شناس شہری کے ناتے یہ ہماری ذمے داری ہے کہ ہم تماشا نہ دیکھیں۔"

"ہمیں تماشا نہیں دیکھ سکتے تو پھر اور کیا دیکھنا چاہئے؟" سریتا نے غرا کر کہا۔

"اور بھی تو لوگ ہیں انہیں حکومت سے تعاون کرنا چاہئے۔"

"پھر اس نے اچانک میرے ہاتھ سے تصویر چھین کر پھاڑ دی' اور اس کے ٹکڑے فرش پر پھینک دیئے۔ مجھے غصہ تو بہت آیا' لیکن میں کیا کر سکتا تھا۔ پھر میں فرش سے تصویر کے ٹکڑے اٹھانے لگا تا کہ جوڑ دوں۔

سریتا جانے لگی' تو میں نے اسے روکنے کی کوشش کی' تا کہ اسے فون کر کے اطلاع دینے پر آمادہ کر سکوں۔ اسے غلط فہمی سی ہوگئی۔ وہ شاید یہ سمجھی کہ میں اسے دبوچ کر قابو میں کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے اس نے بڑی پھرتی سے اپنی کہنی میرے زخمی سینے پر ماردی۔ میں درد کی شدت سے تڑپ کر کراہا اور بے حال ہوگیا' اور پھر بستر کے کنارے بیٹھ کر تیز تیز سانسیں لینے لگا۔ اتنے میں سریتا تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ اس نے میری تکلیف کا کوئی خیال کیا' اور نہ ہی پروا۔

یہ عورت بھی بھگوان نے کیا شے بنائی ہے۔ یہ ایک معمہ ہے۔ پل میں تولہ اور گھڑی میں ماشہ...... کہاں تو اس نے میرے ہونٹوں میں اپنے ہونٹوں کی شیرینی بھر دی' اور اب وہ ناگن کی طرح پھنکارتی چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں آئی' تو اس کے چہرے پر ندامت کی سرخی تھی' اور آنکھوں سے خفت جھانک رہی تھی۔ اس کی حالت ایک مجرم کی سی ہو رہی تھی۔ پھر اس نے اپنی پلکیں اٹھا کر شرمساری کے سے انداز میں کہا۔

"پیارے!...... مجھے افسوس ہے...... میں تمہیں دکھ دینا نہیں چاہتی تھی' لیکن تمہارے مہمل خیالات سے زچ ہوگئی تھی۔ پلیز! مجھے معاف کر دو...... مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔" اس کی آواز گلے میں رندھ گئی۔

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے......" میں نے جواب دیا۔

"تم زیادہ جذباتی اور پریشان نہ ہو۔" میں اس کے علاوہ اس سے کہہ بھی کیا سکتا تھا' کیوں کہ میں جو اس کے رحم و کرم پر اور ایک طرح سے بے بس بھی تھا۔

"مجھے امید ہے کہ اب تم......"

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ نیچے ڈاک کے پاس ایک موٹر بوٹ کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ پھر اس کا انجن ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ بند ہوگیا۔ اس آواز کو سنتے ہی سریتا کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ اب مجھے اس بات کا یقین ہوگیا کہ اس موٹر بوٹ میں ڈاکٹر نارنگ نہیں آیا' کیوں کہ اس نے خوف زدہ ہو کر میرا بازو تھام لیا تھا۔ پھر وہ کھڑکی کی طرف تیزی سے بڑھی۔ میں نے بھی سریتا کے پیچھے سے باہر جھانکا۔ ایک بہت ہی شان دار اور جدید ترین قسم کی موٹر بوٹ ڈاک پر کھڑی تھی۔ اس میں سے ایک عمر عورت لاٹھی ٹیکتی ہوئی عمارت کے بیرونی دروازے کی طرف قدرے تیزی سے بڑھ رہی تھی۔

سریتا اسے دیکھ کر جیسے بت بن گئی تھی۔ اگر اس کے سینے میں سانسوں کا زیر و بم نہ ہوتا' تو اس پر ایک مجسمے کا دھوکا ہوتا۔

اس عورت نے دروازے پر بڑے زور سے تین مرتبہ دستک دی' اور پھر اس نیت سے پیچھے ہٹی کہ بالائی منزل کی طرف دیکھے۔ اس سے پہلے کہ وہ دیکھتی۔ سریتا نے میرا بازو تھام کر مجھے پیچھے کر دیا تھا کہ اس کی نظر نہ پڑ سکے۔

"اوہ میرے بھگوان!" سریتا نے سراسیمگی سے کہا۔

"وہ یہاں کیا کرنے آئی ہے؟ اور اب ہم کیا کریں؟"

سریتا کے چہرے سے خوف عیاں تھا۔ اس خوف زدہ چہرے نے مجھے پہلی ہی بے بس کر دیا تھا۔ اب میں سریتا کے لئے اپنائیت کے جذبات محسوس کرنے لگا تھا۔ میں نے اپنا بازو سریتا کے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے اسے دلاسا دیا۔

"گھبراؤ مت...... اور مجھے جلدی سے اس عورت کے بارے میں بتاؤ۔ میں اسے کیا

کہہ کر بلاؤں......؟ جو بھی حالات ہوں گے میں سنبھال لوں گا۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرو۔"

نیچے سے ایک مرتبہ اور دستک کی آواز آئی۔ اس مرتبہ اس عورت نے لاٹھی سے دروازہ بڑے زور سے بجایا تھا۔ لگتا تھا کہ وہ لاٹھی سے دروازہ توڑ کر رکھ دے گی۔ سریتا لرز کے رہ گئی۔

"لیکن تم کیسے......؟"

"تم نے مجھے یہاں کس لئے رکھ چھوڑا ہے؟" میں نے جھلا کر اس کی بات کاٹی۔

"اپنے آپ کو سنبھالو۔ تمہارا چہرہ زرد ہو رہا ہے۔ اور مجھے جلدی سے اس کے متعلق بتا دو؟ کیا وہ کوئی رشتہ دار یا پڑوسن ہے؟ سہیلی تو نہیں ہے؟"

"وہ......" سریتا نے لرزتے ہوئے ہاتھ منہ کے پاس لے جا کر سرگوشی میں کہا۔

"وہ تمہاری......سبھاش کی......"

"ہاں......ہاں......وہ میری کون ہے......؟" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ اس وقت میں سبھاش ہوں۔"

"یہ تمہاری دور کی خالہ لگتی ہے۔ پتا نہیں کس رشتے سے......؟ بہرحال تم اسے خالہ سرسوتی کہتے ہو اور میں اسے مسز پرکاش کہتی ہوں۔" اب سریتا قدرے سنبھل گئی تھی۔

"بات یہ ہے کہ تمہارے رشتہ دار مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں تمہاری گمراہی کی ذمے دار ہوں...... پتا نہیں......وہ کس لئے آئی ہے؟"

دروازے پر اس بار اور بڑے زور کی دستک ہوئی' تو سریتا نے غصے اور نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"بند کرو بوڑھی چڑیل......کیا دروازہ توڑ کر رکھ دو گی۔ بھگوان تمہیں غارت کرے۔"

"تمہارا باورچی کہاں ہے؟" مجھے اچانک یاد آ گیا۔

"شاید تم نے باورچی کو چھٹی دے دی ہے اور تم اسے مسز پرکاش کہتی ہو؟"

سریتا ہونٹ چباتی ہوئی بولی۔

"وہ رنگا مائی کے شمال میں کپتائی سے دس میل پرے رہتی ہے۔ ایک دفعہ سبھاش تم مجھے اپنی موٹر بوٹ میں لے کر اس کے ہاں گئے تھے۔ اس کا مکان ایک طرح سے ایک

عجائب گھر جیسا ہے۔ جس میں طرح طرح کی پرانی چیزیں سجی ہوئی ہیں۔ کم از کم لوگ یہی کہتے ہیں۔ لیکن مجھے تو اس مکان پر کسی کباڑیے کی دکان کا دھوکا ہوتا ہے۔ کہیں تم اس موضوع پر بات مت چھیڑ دینا۔ ورنہ وہ گھنٹوں بیٹھی رہے گی' اور تم جانتے ہو کہ میں اس وقت کتنی ابتر حالت میں ہوں۔"

وہ سنگھار میز کی طرف بڑھی۔ وہ اپنے بال سنوارنے لگی۔ پھر اس نے لباس کی شکنیں درست کیں۔ اس نے میری طرف اس طرح سے دیکھا' جیسے اس کی حالت کا ذمے دار میں ہوں۔

"وہ ہمیشہ یہی سوچتی ہے کہ میں اس طرح خادمہ کی طرح گھر میں ہر وقت رہتی ہوں۔"

"چلو اب تمہارے بال اور حلیہ ٹھیک ہو گیا۔" میں نے بستر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"اب تم جلدی سے جا کر دروازہ کھول دو۔ ورنہ یہ بوڑھی عورت جو بے حد صحت مند اور مضبوط جسم کی ہے' اور اس کی لاٹھی بھی بڑی مضبوط ہے' اس سے دروازہ توڑ دے گی' اور دروازہ نہیں کھلے گا' تو شاید وہ پولیس کو لے کر نہ آ جائے۔ بڑی ڈھیٹ اور خراہنٹ معلوم دیتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ دروازے کی طرف سنسناتے ہوئے تیر کی طرح لپکی۔

"گھبرانا نہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "معمول کے مطابق اس سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔"

سریتا اب مسکرانے کے قابل ہو گئی تھی۔ "تم بہت اچھے ہو......اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

پھر میں نے اسے جاتے ہوئے مسکرا کر دیکھا۔ پھر بستر پر آ کر تکیوں کے سہارے نیم دراز ہو گیا' اور چادر اوڑھ لی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ کھڑکی کے پردے گرا دوں' تاکہ روشنی کم ہو جائے' اور پہچان لئے جانے کا امکان مزید کم ہو جائے' لیکن اب اس پر عمل کرنے کا وقت نہیں رہا تھا۔ کیوں کہ مجھے کمرے کے باہر زینے پر ہلکی گفتگو کی آواز سنائی دینے لگی تھی' اور اس کے ساتھ لاٹھی ٹیکنے کی آواز بھی واضح ہونے لگی تھی۔ چند لمحوں کے بعد آواز بھی صاف اور واضح سمجھ میں آنے لگی۔

مداخلت تو ہے مگر مجھے وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔ میرا خیال ہے تم دونوں ابھی بیدار ہوئے ہو۔ اور بڑی دیر تک سوتے ہو۔ پتا نہیں سبھاش پر میری ناوقت آمد کا کیا اثر ہو؟"

"سبھاش تمہیں دیکھ کر بہت ہی خوش ہوگا مسز پرکاش!" سریتا نے بڑی خوش دلی سے کہا۔

"وہ بستر پر بیٹھے بیٹھے اکتا گیا ہے' اور تم سے اس کا باتیں کرنا اس کے لئے بہتر رہے گا۔ ملاقاتیوں سے مریض کی بڑی دل جوئی ہوتی ہے۔"

میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے کبھی حقیقی زندگی میں اداکاری کرنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ لیکن ہر آدمی کے اندر ایک اداکار ہوتا ہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت...... لیکن عورت سب سے بڑی اداکارہ ہوتی ہے۔

فوراً ہی دروازے پر وہ نمودار ہوئی۔ وہ لاٹھی کے سہارے سیڑھیاں چڑھنے سے ہانپ رہی تھی۔ وہ ایک بھاری بھرکم عورت تھی۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی' تو میں نے اسے نمستکار کیا' تو اس کے چہرے پر بشاشت پھیل گئی۔

"بیٹا سبھاش! تمہیں تو پٹیوں سے بری طرح باندھا گیا ہے۔ سروجا نے مجھے بتایا تھا کہ......"

"کیا واقعی...... سروجا نے تمہیں بتایا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"اوہ...... اس کا نام خوامخواہ میری زبان سے نکل گیا۔" وہ یہ کہنے کے باوجود تاسف یا پشیمان نہ تھی۔ میں نے سریتا پر نگاہ ڈالی۔ "عزیز بچی!" وہ سریتا سے بولی۔

"میرے لئے کرسی لاؤ۔ سبھاش کی پیدائش سے ایک مہینہ پہلے میں نے اس کی ماں سے کہا تھا' کہ بچے زیادہ ہوگئے تو یہ سیڑھیاں مصیبت ہوں گی' لیکن اس وقت خیال نہ آیا کہ یہی سیڑھیاں میرے لئے مصیبت بن جائیں گی۔ خیر کوئی بھی ہمیشہ جوان نہیں رہتا' اور نوجوان لوگ تو ہر وقت کوئی نہ کوئی نئی چیز ایجاد کر کے اپنے لئے بکھیڑا ڈالتے رہتے ہیں۔"

سریتا نے فوراً ہی کرسی لا کر رکھ دی۔ وہ اس پر آہستگی سے بیٹھنے کے بعد بولی۔

"پیاری بچی! اگر میں تمہیں گرم گرم کافی کے ایک کپ کے لئے کہوں گی' تو تمہیں ناگوار نہیں گزرے گا۔ اگر تم لوگ ناشتہ کر چکے ہو تو خیر...... پھر رہنے دو۔ میں نے ناشتہ تو کر لیا تھا۔ سوچا کہ تمہارے ہاں چل کر کافی پی لوں۔ تم کافی بہت اچھی بناتی ہو۔"

سریتا کسی قدر ناگواری اور بڑے ضبط وتحمل سے بولی' لیکن اس کے لہجے میں استہزائیہ انداز بھی تھا۔

"ہاں...... ہم ناشتہ کر چکے ہیں مسز پرکاش! لیکن میرا خیال ہے کہ کچھ بچی ہوئی کافی اسٹو پر رکھی ہوئی ہے۔" پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس...... ایک منٹ...... میں آتی ہوں۔"

"تمہیں خوامخواہ زحمت دے رہی ہوں پلیز......' دیکھو کچھ خیال مت کرنا۔" اس بوڑھی عورت نے بڑے تکلف سے کہا۔

"نہیں...... زحمت کیسی......؟" سریتا نے مردہ لہجے میں کہا۔

وہ یوں بے دلی سے قدم اٹھانے لگی' جیسے کوئی نادیدہ طاقت اسے کمرے سے باہر نکال رہی ہو۔

سریتا کمرے کی طرف نکل گئی' تو میں نے بڑھیا کی طرف دیکھا۔ وہ ہولے ہولے چہرے پر رومال پھیر رہی تھی۔ چہرے پر پٹیوں کی بھرمار ہونے کے باوجود مجھے وحشت سی ہونے لگی۔ مجھے یوں گمان ہونے لگا جیسے میں ایک مجبور شخص ہوں۔

"اس کمرے میں تم پل کر جوان ہوئے ہو...... ہیں نا......؟" پھر جواب کا انتظار کئے بغیر مجھ پر نگاہیں جما کر بولی۔

"میں کہتی ہوں یہ کیا احمقانہ باتیں ہیں سبھاش......؟ اور وہ سروجا اور تم یہ کہتے ہو کہ مجھے ایسی گھٹیا باتوں میں گھسیٹ سکتے ہو؟ تم ویسے خاصے احمق ہو۔ تمہارے پاس بھلی چنگی خوبصورت بیوی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی وقت بھی بن ٹھن کر رہتی ہوگی۔ خوب صورت عورتوں کو یہی بن سنورنے کی زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ اگر وہ نہیں رہتی ہے تو اسے پیار ومحبت سے سمجھا بجھا کر ٹھیک کر سکتے ہو۔ میں یہ سمجھتی ہوں کہ یہ تمہاری اپنی کوتاہی ہے' کہ تم اسے اپنے ڈھب پر نہیں لا سکے۔ میرے وقتوں میں مردوں کو بناؤ سنگھار کی اتنی پروا نہیں ہوتی تھی۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری بیوی کی عدم موجودگی میں...... میں تمہاری خفیہ ملاقاتوں کا بندوبست کرتی پھروں گی۔ کیا میں اس کی سہیلی ہوں؟ ذرا میری عمر بھی تو دیکھو۔"

"نہیں خالہ سرسوتی......" میں نے کہا۔

"میں ایسا تو نہیں سمجھتا ہوں' اور نہ چاہتا ہوں۔ تمہاری عزت اور احترام میرے دل

میں ہے۔"

"خیر تم سمجھتے ہو گے یا نہیں مگر...... وہ تمہاری کچھ لگتی سروجا ضرور یہ سمجھتی ہے...... وہ چاہتی ہے کہ میں کسی طرح تم دونوں کی ملاقات کرا دوں۔ دیکھا جائے تو وہ سچ مچ کی لیلیٰ کی طرح بنی ہوئی ہے۔ اس کا نام لیلیٰ ہونا چاہئے تھا۔ اس نے مجھے تمہارے نام ایک پریم پتر لکھ کر دینا چاہا تھا...... اونہہ...... میری عمر ہے محبت نامے لانے لے جانے کی۔ میں اسے بچی ہی سمجھتی رہی ہوں۔ حالانکہ اس عمر میں میں تین بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ خیر میں نے تمہاری اس بنگالی لیلیٰ سے صاف صاف کہہ دیا ہے اور تم سے بھی یہ کہنے آئی ہوں کہ اپنے رومانی معاملات میں مجھ بڑھیا کو مت گھسیٹو۔ میں اس معاملے میں کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتی۔ میں نے سنا ہے کہ پہلی گرمیوں میں تم دونوں کافی عرصہ ساتھ رہے ہو۔ خیر تم جو بھی کرو، میں تمہاری کبھی تائید نہیں کروں گی۔ ہمارے وقتوں میں تو ایسی باتیں بڑی سوچ بچار کے بعد ہوتی تھیں۔ بہرحال میں نے اسے بہت بری طرح جھاڑ دیا۔ لڑکی! میرے پاس ٹسوے بہاتے ہوئے آنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ تمہارے مجنوں کے دل میں کثافت پیدا ہو گئی ہے۔ آخر تم ایک شادی شدہ مرد کے ساتھ کیا تماشا کرنا چاہتی ہو؟ اگر اسے کوئی پیغام دینا ہے تو خود لے کر جاؤ۔ میں نے اس سے کہا۔ اگر اس کی بیوی اس کی مناسب دیکھ بھال کر رہی ہے تو یہ ٹھیک ہے اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے۔ میں اسے کبھی نہیں کہوں گی کہ جب وہ چلنے اور ملاقات کرنے کے قابل ہو جائے تو تمہیں دیکھتے ہی خفیہ اشارے کر کے مخصوص جگہ پر ملے۔ میں ان کی زندگی میں خلفشار پیدا نہیں کر سکتی۔ میں نے یہ بھی کہا ہے کہ دن میں دو مرتبہ صبح شام کشتی رانی کے بہانے گھر کے قریب سے گزر کر اپنے آپ کو تماشا نہ بناؤ۔ اگر تم ایسا کرنے سے باز نہیں آ سکتیں تو......"

"آپ نے اسے کھری کھری سنا کر بہت اچھا کیا۔" میں نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

"آپ کی باتوں نے دل خوش کر دیا۔"

"میں نے سنا ہے کہ تم نے کسی سمگلر سے دوستی کر لی ہے۔" وہ تلخی سے بولیں۔

"کسی جادوگر سے جادو منتر بھی سیکھ رہے ہو؟"

"جی نہیں......" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "بھلا میں ایسا کیوں کرنے لگا۔ یہ گھناؤنے

کام ہوتے ہیں۔"

"یہ تمہارے لئے بہتر ہے کہ غلط لوگوں سے دوستی نہ کرو اور نہ ہی جادو منتر سیکھو۔ منتر الٹے ہو جاتے ہیں تو آدمی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ آہا پیاری بہو...... تم کافی لے آئیں۔ میں نے تمہیں بڑی زحمت دی۔"

+++

جب سروتی خالہ کی موٹر بوٹ نظر سے اوجھل ہوئی تو میں کھڑکی سے ہٹ آیا اور پوچھا۔

"کیا موٹر بوٹ خود ہی چلاتی ہے؟"

"ہاں...... پہلے تو اس نے ایک آدمی رکھا ہوا تھا جب خود چلانا سیکھ لیا تو اسے نکال دیا۔" سریتا بولی۔

"تم نے اس کی باتوں سے بوریت تو محسوس نہیں کی؟ لیکن یہ کیا کرنے آئی تھی...... اس نے تمہیں کیا بتایا؟"

میں کھڑکی سے ہٹ کر بستر پر آیا۔ دوبارہ تکیوں کا سہارا لینے کے بعد کہا۔

"ایک طرح سے وہ سروجا کا پیغام پہنچانے آئی تھی۔ مجھے پہنچا گئی۔"

"کیسا پیغام......؟" سریتا نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

+++

"یہی کہ سروجا مکرجی...... بڑی اداس اور دل گیر ہے' لیکن وہ مایوس نہیں' اور مجھ سے تنہائی میں ملنا چاہتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ صبح وشام اس گھر کے قریب سے گزرتی رہتی ہے' تاکہ میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں تو مخصوص اشارے سے اسے ملاقات کے لئے اشارہ دے دوں۔ اور پھر اس سے کسی مخصوص مقام پر ملوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اشارہ......؟ کیا مخصوص اشارہ......؟ اور کون سا مقام......؟" سریتا ایک ہی سانس میں بول گئی۔

"یہ میں کیسے جان سکتا ہوں......؟ میرا خیال ہے ان دونوں نے کوئی مخصوص اشارہ مقرر کر رکھا ہوگا' اور اس کے ساتھ ہی ملاقات کی شام اور وقت بھی طے کر رکھا ہوگا۔ سروتی خالہ نے اپنی گفتگو میں اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ شاید تمہیں کچھ اندازہ ہو......؟"

سریتا نے انکار کی صورت میں سر ہلایا۔ چند لمحوں تک کچھ سوچتی رہی' پھر وہ سپاٹ سے لہجے میں بولی۔

"مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے' اور نہ ہی کبھی یہ خیال گزرا کہ معاملات اس نازک حد تک بڑھ جائیں گے۔"

"خیر اب یہ ظاہر ہو گیا کہ دونوں خطرناک حد تک ایک دوسرے کے قریب تھے۔ ان کے درمیان کوئی دیوار اور فاصلہ نہیں تھا۔ کاش! میں وہ اشارے اور ملاقات کے مخصوص مقام کے متعلق جان سکتا۔ تاہم کوئی بات نہیں۔ میں سروجا سے سبھاش کے روپ میں ہرگز نہیں مل سکتا۔ لہٰذا مجھے ملاقاتوں سے احتیاط اور اجتناب کرنا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"کیوں نہیں مل سکتے......؟" سریتا بولی۔

"تمہاری یہ حالت اسے دھوکا دے سکتی ہے۔"

"اس لئے کہ ایسا کرنے سے راز کھل جائے گا۔ ایک ایسی بوڑھی عورت کو بے وقوف تو بنایا جا سکتا ہے' جس سے سبھاش کی وقتاً فوقتاً ملاقات ہوتی تھی۔ ان پٹیوں میں لپٹے ہوئے چہرے کے باوجود اس جوان لڑکی کو احمق نہیں بنایا جا سکتا' جو سبھاش سے محبت کرتی ہے' اور شدید دونوں بھی ملتے رہے ہیں۔ بہت ہی قریب رہے ہیں۔ برسوں کی آشنائی ہو۔"

میں نے لحاتی توقف کے بعد پھر کہنا شروع کیا۔ "دوسری طرف اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے' کہ وہ سبھاش سے ملنے کے لئے بہت بے قرار ہے' اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے' اور اگر اسے جلد ہی ملاقات کا اشارہ نہ ملا تو وہ مضطرب ہو کر کسی اور کو یہاں بھیجے گی' یا پھر خود ہی آ دھمکے گی' اور تم اسے اندر گھسنے سے روک نہ سکو گی۔ پھر ہمیں......"

اس نے تیزی سے بات کاٹ کر پوچھا۔

"ہمیں کیا کرنا چاہئے اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟ تمہارے ذہن میں کیا کوئی بات آ رہی ہے؟"

"تم نے مجھے اپنی بات پوری کرنے نہیں دی۔ میں یہ مشورہ دوں گا کہ ڈاکٹر نارنگ کو بلا کر اس سے مشورہ کرنا چاہئے' کیوں کہ معاملہ خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اگر کوئی تدبیر نہیں کی گئی' تو یہ راز جلد بے نقاب ہو جائے گا۔ ممکن ہے ڈاکٹر نارنگ مجھے آپریشن کے بہانے کسی ہسپتال میں پہنچا کر صورت حال کو سنبھال سکے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں مجھے یہاں اب دیر تک رکھا نہیں جا سکتا۔ اس لئے کوئی سا بھی فوری قدم اٹھانا ضروری ہو گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے......" اس نے اثبات میں سر ہلایا' پھر وہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا عکس دیکھتی ہوئی بولی۔ "ہمیں سہ پہر تک کوئی نہ کوئی انتظام تو کرنا پڑے گا' کیوں کہ وہ سہ پہر تک بہت مصروف رہتا ہے۔"

"اچھا خیر! سہ پہر ہی کو سہی۔" میں نے ایک گہرا سانس لیا۔ میں نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا' لیکن میری تشویش میں کوئی کمی نہیں آئی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ کھیل ختم ہو گیا ہے' اور بس کشتی ڈوبنے ہی والی ہے۔ اگر میں یہاں سے دور نہ چلا گیا' تو کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ میں جس مقصد کے تحت آیا تھا' وہ بے مقصد ہو جائے گا۔ میں پولیس کے چکروں میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس جال سے نکل کر جانا ہی میرے لئے مفید تھا۔ سبھاش کا قتل میری

گردن میں بھی پھندا ڈال سکتا تھا۔

معاً میرے ذہن میں ایک اور خیال کسی سانپ کی طرح سرسرایا' اور میں نے چند لمحے تذبذب میں رہنے کے بعد کہا۔ "سریتا!"

سریتا میرے لہجے پر چونک کر بولی۔ "کیا بات ہے......؟"

"وہ پستول...... کیا اب بھی تمہارے پاس ہی ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔

"کیا...... کیا مطلب......؟" سریتا کی آنکھیں پھیل گئیں' اور اس کے چہرے پر ایک خوف کی سی گھٹا گزر گئی۔

"وہ اب بھی میرے پاس موجود ہے...... اور میرے جاننے والوں کے علم میں ہے کہ سہاش نے مجھے ایک پستول لا کر دیا ہے۔ یہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے' اور اس کا لائسنس بھی میرے پاس موجود ہے۔ یہ غیر قانونی پستول نہیں ہے۔ سہاش کی یہ خوبی تھی کہ وہ کوئی کام ایسا نہیں کرتا تھا' جس سے پریشانی اٹھانی پڑے۔ میں نے ڈاکٹر نارنگ سے مشورہ کرنے کے بعد یہی مناسب سمجھا کہ پستول کو ضائع کرنا نہیں چاہئے' اور وہ اس لئے ممکن ہے پستول کے متعلق پوچھ لیا جائے۔ اس وقت بتانا کتنا عجیب ہوگا کہ یہ کھو گیا ہے۔ اس لئے اسے ڈاکٹر نارنگ نے صاف کر کے رکھ دیا ہے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ اور اس میں کس لئے اتنی دلچسپی لے رہے ہو؟"

"مجھے وہ پستول لا دو۔" میں نے ایک دم سے قدرے سپاٹ اور جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

"لیکن کیوں......؟" سریتا نے قدرے مشکوک لہجے میں پوچھا' اور اس کے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا ہوئے۔

مجھے اس بات کی توقع تھی کہ وہ یک لخت کسی آتش فشاں کی پھٹ پڑے گی۔ یا پھر ہذیانی انداز میں چیخنا چلانا شروع کر دے گی۔ اس کے لئے یہ بات غیر متوقع تھی۔ حیرانی سے زیادہ پریشان کن تھی' اور ناقابل برداشت بھی۔

آخر میں چند لمحوں کے بعد دل میں ابلتے ہوئے شک کو زبان پر لے آیا۔ اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم ڈاکٹر نارنگ کے ساتھ مل کر مجھے قتل کر دو۔ تم دونوں کے لئے یہ شبھ کام چنداں مشکل نہیں۔ میں اس سے اپنی حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہے۔"

میری بات اس نے بڑے تحمل سے سنی' لیکن وہ خلاف توقع مجھے سرد مہر نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ مشتعل اور برہم ہونے کے بجائے اس کے چہرے پر پیلاہٹ تیر گئی۔ منہ کسی قدر اور تنگ ہو گیا۔ میں اس کے ہذیانی انداز سے چیخنے کا انتظار کرتا ہی رہ گیا۔

پھر وہ تیزی سے مڑی اور تیر کی طرح کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں جانتا تھا کہ وہ پلٹ آئے گی۔ واقعی چند لمحوں کے بعد وہ پلٹ آئی۔ ایک پستول جو سپیشل قسم کا تھا' اور گولیوں کا ڈبہ اس نے خاموشی سے میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے پستول کا معائنہ کیا' اور پھر چیمبر کھول کر گولیاں دیکھیں۔ پستول بھرا ہوا تھا۔ پستول کو احتیاط سے چیک کرنے کے بعد میں نے اسے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ گولیوں کا ڈبہ ایک نظر دیکھنے کے بعد قریبی میز کی دراز میں رکھ دیا۔

پھر میں نے کسی قدر بوجھل سی آواز میں کہا۔ "سریتا! تمہارا بہت بہت شکریہ۔"

"اس میں شکریے کی کیا بات ہے؟" سریتا نے رکھائی سے کہا۔

"یہ تمہارا جائز مطالبہ تھا۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ تم ہم پر اعتبار نہ کرو۔" وہ اچانک تیزی سے مڑی' لیکن اس کی پلکوں پر تیرتے آنسو نظر آ گئے۔

"سریتا!" میں نے محبت بھرے انداز میں پکارا۔

"سنو!"

"اب کیا ہے......؟" اس نے مڑے بغیر بے اعتنائی سے پوچھا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی افسردگی تھی۔

"میں...... مجھے افسوس ہے۔" میں نے ندامت کے انداز میں کہا۔

"پلیز! تم کچھ خیال مت کرو۔"

"تمہیں افسوس اور معذرت نہیں کرنا چاہئے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس لئے کہ آخر میں ایک خونی ہوں' اور اپنے شوہر کی قاتل...... تمہاری احتیاط بالکل بجا ہے۔ کیوں کہ کہیں قتل و غارت گری میری عادت نہ بن جائے۔ اوہ! میرے بھگوان......

میں آخر میں......''

اس نے ساڑھی کے پلو میں اپنے آنسو جذب کئے۔ کچھ دیر روتی رہی۔ جب وہ مڑی تو اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا' اور اپنا ایک ہاتھ بالوں پر پھیرتی ہوئی بولی جیسے کچھ ہوا نہ ہو۔

وہ بڑھیا بہت دیر تک میرے بالوں کو گھورتی رہی تھی۔ کہیں ان میں کوئی خرابی تو نہیں؟''

''کوئی نہیں......'' میں نے بے چینی سے کہا۔

''تم اس بڑھیا کے اس طرح گھورنے سے مشکوک کیوں ہو رہی ہو؟''

''اس لئے کہ وہ کسی جادو منتر سے کوئی کام لے سکے......تم نہیں جانتے ہو' نہیں جانتے ہو' میں جانتی ہوں۔ لیکن بنگال میں جادو منتروں اور ٹونکوں سے بہت کام لیا جاتا ہے۔ بالوں پر جو بھی جادو منتر کیا جائے' اس کا بڑا زبردست اثر پڑتا ہے۔ شاید وہ اس ارادے سے بھی آئی ہو۔ شاید سرو جانے اس سے کہا ہو کہ میرے دو ایک بال لے آؤ' تاکہ اسے جادوگرنی کے پاس لے جاؤں اور منتر پھونکنے کے بعد میں اپنے شوہر سے نفرت کرنے لگوں' اور علیحدہ ہو جاؤں۔ جب اس نے میرے بالوں کو گھورنا شروع کیا تھا' تب میں بڑی محتاط ہو گئی تھی' اور اس سے الگ الگ سی رہی کہ کہیں وہ کسی بہانے میرے دو ایک بال نوچ کر نہ لے جائے۔''

''ہشت......'' میں نے کہا۔

''یہ تم کیا واہیات باتیں سوچنے لگی ہو۔ اس کا کوئی سر پیر نہیں ہے۔''

یہ بات کہنے کے ساتھ ہی مجھے اچانک ایک خیال آیا' کہ یہ عورت معمول کے مطابق تعلقات چاہتی ہے تو آخر کیوں......؟

اس حد تک جانے کے بعد بھی......سریتا پر اعتماد نہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ کسی بھی لحاظ سے اعتبار کے قابل معلوم نہیں ہوتی تھی۔ میں نے اس معاملے کو انتہائی حد تک لے جانے کی نیت سے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

''تم میری بات کا برا نہ مانو تو میں یہ بات صاف گوئی سے کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم اس حالت میں ایک آوارہ جیسی عورت دکھائی دیتی ہو۔''

''میں اس لئے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ تم......''

وہ بل کھا کر مڑی' اور اس نے تیزی سے میری بات کاٹی۔ ''ڈارلنگ! میں پہلے ہی بہت دکھی ہوں......کاش! میں اپنا سینہ چیر کر دکھا سکتی۔ اس میں کتنے زخم اور گھاؤ لگے ہوئے ہیں۔ میرے شوہر اور اس کے رشتہ داروں نے میری زندگی عذاب کر رکھی ہے۔ اگر وہ مجھے خاندان کا ایک فرد ہی سمجھتے' اور اپنوں جیسا سلوک کرتے تو بھی......''

''لیکن میرا اس معاملے سے کیا تعلق ہے......؟'' میں نے اکتا کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''تم مجھے یہ بات کیوں اور کس لئے سنا رہی ہو......؟ میں نے تو......''

''بھگوان کے لئے کوئی اور بات نہ کہنا۔'' وہ چلا کر تقریباً ہذیانی لہجے میں بولی۔

''تم نے مجھے قاتل اور آوارہ کہا......ایک طرح سے میرے لئے یہی کافی ہے۔ شاید تمہیں اس بات کا خدشہ ہوگا کہ کہیں میں تمہارے کھانے میں زہر ملا دوں۔ میں تمہیں بری عورت لگتی ہوں۔ مجھے دیکھ کر تمہیں ندامت ہو رہی ہوگی۔ کیوں......؟''

''سریتا!......میرا مطلب......؟''

وہ تیزی سے میری بات کاٹ کر بولی۔ ''اب مطلب وطلب رہنے دو۔ صفائی پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ابھی دل نہیں بھرا ہے تو دل کی بھڑاس نکال سکتے ہو۔''

''کیا مطلب......؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''اور اگر کچھ کہنا ہے تو وہ بھی کہہ دو...... میں یہی کہوں گی کہ میرے مقدر میں لعنت و ملامت لکھی ہے۔'' وہ اداسی سے بولی۔

اس کی باتوں سے میری الجھن اور خفگی بڑھ گئی۔ میں نے الجھ کر کہا۔

''تمہارا دل جو چاہے سمجھو۔''

میں نے جو سمجھنا تھا' وہ سمجھ لیا ہے۔ تمہیں میرے ناخنوں کی پالش بھی ناپسند ہوگی' جو کئی جگہ سے پھٹ رہی ہے اور یہ میرا لباس' جس پر شکنیں پڑی ہوئی ہیں' اور میلا سا ہو رہا ہے' تم اسے ایک نوکرانی کا لباس سمجھتے ہوگے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں......مرد کی ہمیشہ سے یہ فطرت ہے کہ وہ ہر قدم پر عورت کو معطون کرتا ہے۔ چاہے وہ سہاش ہو یا اجیت! میرا مقدر ہی خراب ہے۔ لہٰذا میں کسی کو کیا دوش دوں؟''

اتنا کہہ کر وہ اپنا چہرہ ہاتھوں سے ڈھانپ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس کے اس طرح رونے پر وہی اثر ہوا' جو عورت کے آنسوؤں کا مرد پر ہوتا ہے۔ میں

قدرے جذباتی ہو گیا' اور اس کی دل جوئی کے لئے کہا۔

"تم خوامخواہ بات بڑھا رہی ہو سریتا۔ میری کیا ہر مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ عورت بن سنور کر رہے۔ ایک اداکارہ کی طرح...... اداکارہ اور گھر کی عورت کے بن سنورنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ عورت کو ایک طرح سے سگھڑ ہونا چاہئے۔ تم نہ صرف بہت حسین ہو' بلکہ بے حد پیاری اور موہنی سی بھی ہو۔ تمہارے حسن میں ایک عجیب سی دل کشی ہے۔ تمہارا ذرا سا بھی بن سنورنا نہ صرف تمہیں باوقار بنا دے گا' بلکہ ایک رانی جیسا بنا دے گا۔"

سریتا نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اس کی بھیگی بھیگی آنکھوں نے مجھے موم کر دیا۔ البتہ سریتا میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس طرح سے دیکھتی رہی' جیسے میرے دل کا حال جاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر وہ بڑی دل سوز آواز میں بولی۔

"تم مجھے یہاں سے لے چلو...... کہیں اور...... جہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ ہو۔"

میں اس کی آنکھوں کے سحر میں ڈوب گیا۔ اس کی آنکھوں نے ایسا منتر مجھ پر پھونکا تھا کہ میں اس کی گہرائیوں میں ڈوب گیا تھا' کہ مجھے احساس ہی نہ ہو سکا کہ سریتا نے کیا کہا ہے؟ وہ تو جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کے حسن کے منتروں نے مجھے دنیا و مافیہا سے جیسے بیگانہ کر دیا تھا۔ جب مجھے اس کے آخری فقرے کا احساس ہوا' تو میں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

سریتا آگے بڑھی اور گھٹنوں کے بل بیٹھنے کے بعد وہ میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولی۔

"اجیت! مجھے یہاں سے لے چلو...... یہاں کچھ دیر بھی رہی تو میرا دم گھٹ جائے گا۔"

"لیکن سریتا......؟" میں نے کچھ کہنا چاہا۔

"میری ضرورت سے تم انکار نہیں کر سکتے......؟" وہ سرگوشی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہم یہاں جب تک رہیں گے مسٹر اور مسز سہاش ہی رہیں گے' لیکن کہیں اور جا کر ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ یہ ابتداء بہت خوب صورت اور خوش گوار ہو گی۔ اس میں ایک حسن اور سحر ہو گا۔ ہمارے جانے سے اس لیلیٰ کے سوا جس کا اصل نام سروجا ہے' کسی اور کو دکھ نہ ہو گا۔ وہ جو تمہاری لیلیٰ بنی ہوئی ہے...... نئی جگہ جا کر میں یہی سمجھوں گی کہ میں نے اب شادی کی ہے۔ میں سہاش کی ساری زیادتیوں کو فراموش کر کے اپنا سہاش ہی سمجھوں

گی۔ میں اپنی آتما کا سارا پیار تم پر نچھاور کر دوں گی اور کرتی رہوں گی۔"

"سریتا!......" میں ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"پیارے!......" سریتا نے مجھے کچھ کہنے نہیں دیا۔ اس نے تیزی سے میری بات کاٹ دی تھی۔

"اس بات پر غور کرو اور سوچو۔ ہمارے پاس کافی دولت ہو گی۔ ہمارا مشترکہ اکاؤنٹ بینک بھی ہے۔ یہ اکاؤنٹ سہاش نے اس وقت کھولا تھا' جب اسے تربیت کا کورس کرنے کے لئے لندن بھیجا گیا تھا۔ وہ وہاں سے تنخواہ کے علاوہ جز وقتی ملازمت کر کے ہزاروں پونڈ لے کر آیا تھا۔ شاید اس نے وہاں ایک قمار خانے میں جا کر بہت بڑی رقم جیتی بھی تھی۔"

"میں اس کمینے کی رقم کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔" میں نے جز بز ہو کر کہا۔

"میں کوئی بھکاری نہیں ہوں۔"

"نادانی کی اور جذباتی باتیں مت کرو۔" سریتا دل کش انداز سے مسکرا دی۔

"تم نے اس کا نام اور گھر اپنا لیا ہے۔ اس کی خوراک کھائی ہے اور اس کی خوب صورت پتنی کو چرایا ہے...... تو اب رقم کے بارے میں اتنی غیرت کا کیا مطلب......؟ یہ رقم ہم نے استعمال نہیں کی تو بینک میں پڑی رہے گی اور بینک والے مفت میں مزے کریں گے۔ کیا معلوم کوئی غبن بھی کر لے۔ اس کا لین دین نہ دیکھ کر...... اس رقم سے ہم عیش کریں گے۔"

میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ کھڑکی سے آتی ہوئی سورج کی روشنی میں وہ بہت حسین اور دل ربا دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے بھیگے ہوئے گال پھول کر ان پتیوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے' جن پر دست فطرت نے بڑے اہتمام سے شبنم چھڑکی ہو۔ اس کی خوب صورت اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کی گہرائیوں میں پیار کے دیئے جل رہے تھے۔

مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں اس عورت کو پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔ میں اسے باقی ساری دنیا سے زیادہ چاہتا ہوں۔ میں اس کی خواہشات' مسرتوں اور غموں کو پہلی نظر میں پڑھ سکتا ہوں۔ اسے جب چاہے رلا سکتا ہوں' حالات' اور اتفاقات نے اس عورت کو اس راستے پر ڈال دیا ہے۔ اسے بری طرح کچل کر رکھ دیا ہے۔ اگرچہ میں اس عورت پر اندھا دھند اعتماد نہیں کر سکتا تھا' لیکن یہ دنیا کی واحد ہستی ہے' جو برسوں بعد میری زندگی میں آئی ہے۔ اس نے چاندنی کو بھی بھلا دیا تھا۔

میں نے بڑی سنجیدگی سے سوچا کہ اگر اس عورت کو اپنا لیا جائے' تو زندگی خوشگوار گزر سکتی ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے واقف ہیں، اس لئے جیون کے اس لمبے سفر میں ایک دوسرے کی کوتاہیوں کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ نظر انداز کرنے سے پیار میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ پیار تو ایک امرت کی طرح ہوتا ہے' جو جیون میں گھلتا جاتا ہے۔

''لیکن یہ بات اچھی طرح سوچ اور سمجھ لو کہ یہ ایک دن کا نہیں' بلکہ ساری زندگی کا سودا ہے۔'' میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''مجھے یہ سودا دل و جان سے قبول ہے۔'' اس نے مجھے تیکھی تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ محبت کا سودا ہے' جو کبھی مہنگا نہیں پڑتا ہے۔'' پھر قدرے رک کر بولی۔

''ڈاکٹر نارنگ آئے تو اسے کچھ بھی نہیں بتانا۔''

مجھے ڈاکٹر نارنگ کے بارے میں یاد ہی نہیں رہا تھا۔ اب جو مجھے اس گنجے سر والے ادھیڑ عمر ڈاکٹر نارنگ کا خیال آیا' تو جلن سی ہوئی اور میرے سینے میں جذبہ رقابت پیدا ہو گیا۔ میں یہ بات سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ یہ حسینہ اس بوڑھے کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے کتنا جبر کرتی رہی ہو گی' اور اس نے سریتا کی مجبوریوں اور محرومیوں سے فائدہ اٹھا کر کھلونا بنا لیا۔ ایسا خوب صورت اور رنگین کھلونا اسے اپنی زندگی میں شاید ہی کبھی ملا ہو گا۔

''معلوم نہیں...... سریتا!...... میری شکل دیکھنے پر تم مجھے پسند کرتی ہو یا نہیں......؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''یہ جیسی بھی ہو گی' ایک عورت کے ناتے قبول ہو گی۔ عورت شکل و صورت نہیں' بلکہ محبت کو دیکھتی ہے۔ اگر ناگوار لگے تو اپنی آنکھیں بند کر لیا کروں گی۔ پھر اس لمحے تصور میں تمہیں کسی راج کمار کی طرح دیکھوں گی۔''

سریتا یہ کہہ کر ایک دم سے ہنس پڑی۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو اس کے لب شیریں نے کچھ کہنے نہیں دیا۔

+++

میں ایک مرتبہ پھر وہی بھیانک خواب دیکھ رہا تھا۔ کشتی بس ڈوبا ہی چاہتی تھی' اور میں اپنی پوری کوشش اور جدوجہد سے اسے بچانے میں مصروف تھا۔ اس مرتبہ خواب میں سریتا

سے مشابہ ایک عورت تھی' لیکن وہ اتنی پرکشش نہ تھی' جتنی سریتا تھی۔ لیکن بھرپور جوان تھی' اور انگ انگ میں بجلیاں کوندتی محسوس ہو رہی تھیں۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ اس عورت نے میرے قریب آ کر اپنی مرمریں اور سڈول بانہیں میرے گلے میں حائل کر دیں اور میرے چہرے پر جھکتے جھکتے' مجھے کشتی سے دریا میں دھکا دے دیا۔ اور کشتی کے کنارے کھڑی قہقہہ لگانے اور ہنسنے لگی۔ پھر اس کے ہونٹ بدبدائے' جیسے وہ کوئی منتر پڑھ رہی ہو۔ اس کے منہ سے ایک شعلہ سے نکلا' اور مجھے اپنی زد میں لے لیا۔ پانی میرے منہ اور نتھنوں میں گھسنے لگا۔ اس نے یہ منتر اس لئے مجھ پر پڑھ کر پھونکا تھا' کہ میں ڈوب جاؤں اور اپنی جان نہ بچا سکوں۔ میں تیزی سے پانی کی تہہ میں اترنے لگا' تو میرے منہ سے چیخیں بلند ہونے لگیں۔ میرا سانس تیزی سے اکھڑنے لگا تھا' اور پھر ایک دم سے میری آنکھ کھل گئی۔

میں پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ دل کی دھڑکن بہت تیز تھی۔ چھت پر لگے ہوئے بلب کی روشنی کچھ زیادہ ہی تیز محسوس ہو رہی تھی۔ معاً مجھے سیڑھیوں پر کسی کے تیزی سے چڑھنے کی چاپ سنائی دی۔ یہ چاپ رفتہ رفتہ میرے زینے کے قریب آتی گئی۔ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں تکیئے کے نیچے رکھے ہوئے پستول کو نکال لوں۔ معلوم نہیں کون گھس آیا ہے۔ پھر معاً میری نگاہ سریتا پر پڑی۔ میرا ہاتھ جہاں تھا' وہیں رک گیا۔

''کیا بات ہے پیارے......؟'' سریتا نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''کیا ہوا خیریت تو ہے؟''

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ سریتا کی سانس زیر زبر ہو رہی تھی' جیسے وہ کہیں دور سے بھاگتی ہوئی آ رہی ہو۔ اپنی سانسوں پر قابو پانے کے لئے اس نے دھڑکتے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

''مجھے افسوس ہے سریتا!'' میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''میں ایک بہت ہی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا تھا۔ شاید میں خواب میں چیخ رہا تھا۔ میں نے تمہاری نیند خراب تو نہیں کی...... مگر نہیں تم تو......؟'' میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

سریتا بستر پر میرے پاس بیٹھ گئی۔ اس کی سانسیں ابھی تک قابو میں نہیں آئی تھیں۔ اس نے حیرت سے مجھے تکتے ہوئے میرے چہرے پر ایک گہری نگاہ ڈالی' پھر اس نے ساڑھی کا پلو اٹھا کر سینے اور شانے پر درست کیا' جیسے وہ سانسوں کے تلاطم کو چھپانا چاہتی تھی۔ اپنے

چہرے سے بالوں کو ہٹاتے ہوئے بڑی اپنائیت سے بولی۔

''میں ٹھیک ہوں...... تم میری چنتا نہ کرو...... تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میں ہانپ گئی ہوں۔ تمہاری چیخیں سن کر بدحواسی سے بھاگتے ہوئے میری یہ حالت ہوئی ہے۔ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ تم پریشان نہ ہو۔''

اس نے بڑے محبت بھرے انداز سے دلاسا دیا تھا۔ یہ بات میرے لئے خوشی کا باعث تھی' کہ اس بھری دنیا میں ایک ایسی ہستی تو ہے' جو میرے لئے اتنی رات گئے پریشان ہو سکتی ہے۔ میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ گھڑی کی سوئیاں ایک بج کر پندرہ منٹ ظاہر کر رہی تھیں۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بے اختیار پوچھا۔

''لیکن اس وقت تم نیچے کیا کرنے گئی ہوئی تھیں؟''

میں نے سوال کیا تھا' لیکن سریتا کی حالت غیر ہو گئی۔ اس کے چہرے پر سختی سی آ گئی۔ اس نے بوکھلا کر جواب دیا۔

''میں...... دراصل مجھے نیند نہیں آ رہی تھی' اس لئے نیچے چلی گئی تا کہ......'' اس نے سانس لینے کے لئے توقف کیا۔

پھر بولی۔ ''تا کہ دودھ بنا کر لے آؤں۔ میں ڈاکٹر نارنگ سے خواب آور گولیاں لینا بھول گئی تھی' جب کبھی ایسا ہوتا ہے تو مجھے دودھ پینے سے نیند آ جاتی ہے۔'' اس نے آخری الفاظ غیر معمولی تیزی سے کہے تھے۔

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ اس کی بات میں وزن نہیں تھا۔ جس سے میں نے محسوس کر لیا تھا' کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوڑی کو تھاما' اور اس کے سر کو جو قدرے جھکا ہوا تھا' اوپر روشنی کی طرف اٹھایا۔ وہ میری نظروں کی تاب نہ لا سکی۔ اس نے نظریں چرانے کی کوشش کی۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پہلی مرتبہ یہ بات محسوس کی کہ وہ شب خوابی کے لباس میں نہیں' بلکہ پورا لباس پہنے ہوئے ہے' اور اس کی صراحی دار گردن میں سفید موتیوں کا ایک ہار بھی تھا' اور اس کے جوتے بھیگے ہوئے تھے۔

میری باریک بین اور تیز نگاہ نے سریتا کو بے چین کر دیا' اور وہ ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی۔

پھر اس کی نگاہ میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی' اور اس کی ایک ٹانگ میں حرکت ہوئی۔ اس نے جھک کر پلنگ کے نیچے جھانکا۔ اس سے پہلے اس نے جو پلنگ کے نیچے حرکت کی وہ

میرے علم میں آئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ سریتا نے پاؤں کی حرکت سے ایک ٹارچ کو میری نظروں سے چھپانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ٹارچ تھام لی۔

''میں باہر تھی......'' آخر سریتا نے فوراً ہی اقرار کیا۔

''ہوں......'' میں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا' لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔ اس کی طرف اس طرح میرا دیکھنا ہی کافی تھا۔

''میری طرف اس انداز سے نہ دیکھو۔'' سریتا نے سرگوشی کی۔

''میں تمہاری ایسی چبھتی نگاہوں کو برداشت نہیں کر سکتی۔''

میں اس کے جواب سے اندر ہی اندر دہل گیا' کہ وہ کچھ زیادہ ہی بناوٹ سے کام لے رہی ہے۔ اس لئے میں کہے بغیر نہ رہ سکا۔

''سریتا! صاف گوئی سے کام لو...... چھپانا فضول ہے۔ جو بات ہے وہ سچ سچ بتا دو۔''

چند لمحوں تک وہ بڑی پریشان سی رہی۔ پھر سنبھل گئی۔ پھر اس نے قدرے تذبذب سے رک رک کر کہا۔

''دراصل...... میں نہیں چاہتی تھی کہ تم یہ بات جانو...... اس لئے میں نے جھوٹ بولا تھا کہ تم کچھ خیال نہ کرو۔''

''کچھ چھپانے کے لئے یہ بہانہ بہت عام سا ہے۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں...... میں نے کچھ شور سا سنا تھا۔'' سریتا نے چند ثانیوں کے بعد کہا۔

''تو شور سنتے ہی تمہیں لباس بدلنے کی ضرورت پڑ گئی؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ایک کشتی تھی...... وہاں۔'' سریتا نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اس نے لباس بدلنے والی بات بڑی صفائی سے گول کر دی۔ لیکن اس کے پاس یہ کہنے کا جواز تھا کہ وہ شب خوابی کے لباس میں کیسے باہر جا سکتی تھی۔ بے حجابی کی حالت میں باہر جانا مناسب نہیں۔

میں چاہتی تھی کہ تمہیں جگاؤں۔ اتنے میں تمہاری چیخیں سنائی دیں۔ تمہاری چیخیں سن کر واپس بھاگی۔ مجھے ایسا لگا جیسے تمہیں کوئی قتل کر رہا ہو۔ بھگوان جانے...... میں تمہارے لئے اتنی متفکر اور پریشان کیوں ہو گئی تھی؟''

میں اسے برابر دیکھے جا رہا تھا۔ میرا چہرہ اس کی نظروں کی گرفت مین تھا۔ ابھی کچھ

اندازہ نہ ہو سکا کہ آیا وہ اب بھی مبالغے سے کام لے رہی ہے یا نہیں۔ میں نے چادر جسم سے ہٹا دی۔

''ایک کشتی......؟''

''پیارے!'' وہ نرمی سے بولی۔

''یہ کوئی ضروری نہیں کہ یہ وہی کشتی ہو' جس کا سبھاش منتظر تھا۔ اس گھر کی ڈاک پر کشتیاں رکتی رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی کشتی ہو۔''

''کیا تم نے اس کشتی کا نام پڑھا......؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کشتی کا نام کیا تھا؟''

''نہیں......'' سریتا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اس لئے کہ اندھیرا بہت گہرا تھا۔ باوجود کوشش کے، نام نہیں پڑھ سکی۔''

''کیا یہ اب بھی وہیں کھڑی ہے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ شاید وہ ابھی گئی نہیں ہو گی۔ میں یہی دیکھنے جا رہی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔

''اچانک تمہاری ہذیانی چیخوں نے مجھے حواس باختہ کر دیا۔ میں الٹے قدموں چلی آئی۔ یقین کرو اجیت...... میں سچ کہہ رہی ہوں۔''

میں اب تک اس کی بات کا یقین کر رہا تھا۔ اب مزید یقین دہانی سے پریشان ہو کر میں نے اچانک سریتا کی طرف دیکھا' لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ اس نے مجھے عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا۔

میں اٹھا' سبھاش کی الماری سے اس کا پرانا گون اور جوتے نکال کر جلدی جلدی پہنے اور پھر سریتا کے پاس آ کر کہا۔

''تم نے صرف شور ہی سنا تھا......؟ کیا کچھ دیکھا بھی......؟''

اتنی رات گئے میں کشتی کی آواز سن کر جاگی۔ میں نے جا کر دیکھا تو کشتی سے کچھ لوگ اتر کر عقبی حصے کی بڑھے۔ عقب میں ایک ڈاک اور چھوٹی کشتی بھی ہے۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا جنگل بھی ہے۔''

''کیا کوئی اور بھی وہاں موجود تھا' جو ان سے آ کر ملا تھا؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں...... وہ صرف دو تھے۔ اگر تم کہو تو میں ان کا حلیہ بیان کر دوں' تو میں شاید ہی ان کا حلیہ......'' وہ ایک دم رک گئی۔ کمرے میں اچانک ہی خاموشی چھا گئی۔

دریا کے کنارے کسی کشتی کے چپو حرکت میں آنے کی آواز سنائی دی تھی۔ میں کھڑکی کی طرف بڑھتے بڑھتے اس خیال سے رک گیا کہ روشنی کی وجہ سے باہر والوں کو صاف دکھائی دے جاؤں گا' بجلی گل کر دینے کا ارادہ بھی میں نے ترک کر دیا۔ کشتی میں جو کوئی بھی ہے' وہ کمرے میں اچانک اندھیرا ہوتا دیکھ کر چوکنا ہو جائے گا۔

میں ٹارچ ہاتھ میں تھامے کمرے سے باہر نکل کر ہال میں آیا' اور پھر دریا کی سمت واقع ایک اور کمرے میں داخل ہوا۔ یہ کمرہ بڑی ابتر حالت میں تھا' اور خانہ خاتون کے پھوہڑ ہونے کا آئینہ دار تھا۔ دروازوں' کرسیوں اور دوسری ہر چیز پر جا بجا میلے زنانہ کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ ٹارچ کی مدھم روشنی میں یہ کمرا بے حد بکھرا ہوا سا نظر آ رہا تھا۔ پھر میں کھڑکی کی طرف بڑھا اور ٹارچ بجھا کر باہر کی طرف دیکھا۔ سریتا بھی میرے ساتھ تھی۔

چاند کی دودھیا روشنی میں باہر کا منتظر صاف نظر آ رہا تھا۔ درختوں سے پرے دریا بھی صاف دکھائی دیتا تھا' اور اس کا پانی چاندنی کی طرح چمک رہا تھا۔ دوسرے کنارے پر مشرقی سمت میں ایک کیبن میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ کھاڑی میں سبھاش کی کشتی کے پاس ایک اور کشتی بھی کھڑی تھی۔ جس کی کھڑکیوں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہو رہی تھی کہ خفیہ مقاصد کے تحت آنے والے کشتی کے مسافر یوں واضح طور پر روشنی کر کے بیٹھیں گے۔

''سریتا......!''

میں نے سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔

''کیا تمہارے شوہر کے پاس کوئی دوربین وغیرہ تھی؟''

وہ کچھ جھجک کر بولی۔

''میرا خیال ہے کوئی نہیں۔ اگر ہو گی تو شاید اس کی کشتی پر ہو گی۔''

''کاش! میں اس کشتی کا نام پڑھ سکتا؟'' میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

چند لمحوں کے بعد کشتی کے تختے یوں چرچرائے' جیسے اس پر کوئی سوار ہوا ہو۔ اس کے

بعد چپوؤں کی آواز صاف سنائی دی' اس کا انجن دانستہ کسی وجہ سے سٹارٹ نہیں کیا گیا تھا۔ کشتی حرکت میں آ گئی تھی۔ رات کی خاموشی میں یہ آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ اسی اثنا میں ایک اور شخص تیزی سے کشتی میں سوار ہوا۔ اب کشتی ڈاک سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

پھر مجھے ایک شخص کشتی پر دکھائی دیا' اور اس وقت کشتی کی موٹر سٹارٹ ہوئی۔ وہ شخص شاید اب کشتی سے کیچڑ ہاتھوں میں بھر بھر کر دریا میں پھینک رہا تھا۔ کشتی کی عقبی سرخ روشنیاں جل رہی تھیں۔

کشتی نے تھوڑی دیر تک سہاش کے ڈاک پر قیام کیا تھا' جیسے یہ کوئی گھاٹ ہو۔

مسافروں نے کنارے پر اتر کر تھوڑی دیر چہل قدمی کی' اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اور رات ایک کشتی کا یوں قیام کرنا جرم قرار نہ دیا جا سکتا تھا۔

جب کشتی ایک ٹیلے کی اوٹ میں جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی' تو سریتا نے قریب آ کر پوچھا۔

"ڈیئر! کیا اب بتی جلا دوں؟ روشنی کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟"

"ہاں......"

میں نے کہنے کو کہہ دیا تھا' لیکن کمرے کی حالت ایسی تھی کہ بتی جلانا مناسب نہیں تھا۔ کیوں کہ سریتا کا پھوہڑ پن ظاہر ہو جاتا۔ میں دل میں حیران تھا کہ کیا ایک عورت اتنی پھوہڑ اور بدسلیقہ بھی ہو سکتی ہے۔

میں اسے دوسرے لمحے منع کرنے والا ہی تھا' مگر فوراً ہی کمرے میں روشنی پھیل گئی' جس نے کمرے کو عریاں کر دیا۔

سریتا میری طرف منہ کئے مقابل کھڑی تھی۔ جیسے اپنے جھوٹ پر اب تک نادم ہو' اور میری لعن طعن کا انتظار کر رہی ہو۔

پھر وہ شرمساری سے ایک ایسی لڑکی کی طرح بڑھی' جو اپنے کسی قصور پر معافی مانگنے والی ہو۔

اس کے اس انداز پر میں بڑی گومگو اور اضطراب کے عالم میں تھا۔ پھر مجھے کچھ نہ سوجھا تو میں نے سریتا کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ یہ میری غیر اختیاری حرکت تھی' اور میں خود

اسے سمجھنے سے قاصر تھا۔

میں اس عورت پر اندھا اعتماد کرنا چاہتا تھا' جب کہ اس کی حرکتیں میرے اعتماد کو بار بار متزلزل کر رہی تھیں۔ مگر میری اور اس کی محبت کا یہ رشتہ عقیدت اور اعتماد کی بنیادوں پر نہیں' بلکہ باہمی ضرورت کی بنیاد پر استوار تھا۔

میں نے چند لمحوں کے بعد اس کی بڑی بڑی خوب صورت سیاہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں...... تم اس کاٹھ کباڑ میں کیسے رہتی ہو؟ جانے تمہاری تربیت کہاں ہوئی ہے؟"

سریتا نے میرے زخمی سینے پر ہلکی سی تھپکی دی' جیسے جتلا رہی ہو کہ وہ اب بھی اس پر چوٹ لگا سکتی ہے۔ پھر اس نے کہا۔

"اگر تمہیں یہ کمرہ پسند نہیں ہے تو تم اپنے کمرے میں جا کر بستر پر آرام کرو۔"

اس کا چہرہ میری طرف اٹھا ہوا تھا۔ ایک جذباتی لہر نے مجھے اس کے چہرے پر بے اختیار جھکنے پر مجبور کر دیا۔

اس نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اسے لے کر اپنے کمرے میں پہنچا اور ہم آزادی کا لبادہ اوڑھے دھول بھرے راستے سے گزرتے' بھٹکتے اور بہکتے رہے تھے، انجانے گاؤں میں پہنچ گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جب ہم جذبات کی زد سے نکل آئے تو ہمیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ کمرے میں بدستور روشنی تھی' پھر ہم دونوں بلاوجہ ہی ہنس دیئے۔ میں نے پیار سے سریتا کی چاندی سی پیشانی پر سے پریشان لٹ کو ایک طرف ہٹایا' اور سوچا۔ بلاشبہ یہ لمحے بڑے خوشگوار ہیں' جو یادگار اور ناقابل فراموش بن گئے۔ حسین اور رنگین...... کسی سہاگ رات کی طرح...... مگر معلوم نہیں مستقبل ہمارے لئے کیا لائے؟

"میری زندگی......" سریتا نے سرگوشی کی۔ اس کی آنکھوں میں والہانہ پن' اور لہجے میں وارفتگی تھی۔

"آؤ کہیں دور نکل جائیں۔ یہ دنیا بہت بڑی ہے...... بہت خوب صورت بھی...... زندگی بھی حسین گزار سکتے ہیں۔"

"ابھی...... اور اسی وقت......؟"

میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"اتنی جلدی...... اتنا بڑا فیصلہ تم نے لمحے میں کر لیا؟"

"ہاں ابھی......"

سریتا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اس لئے کہ بھگوان جانے صبح تک کیا حالات ہو جائیں۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا؟"

"لیکن میری جیب میں تو سفر کے اخراجات کے لئے رقم نہیں ہے۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"نہ اتنی رقم ہے کہ کچھ دنوں تک کھا پی سکیں۔"

"میرے پاس فوری ضرورت کے لئے بارہ پندرہ ہزار کی رقم موجود ہے۔ اکثر مرد...... عورتوں کو احمق اور الٹی عقل کا سمجھتے ہیں' لیکن مجھے ہرگز ایسا نہ سمجھو۔ میں جن حالات سے دوچار تھی' ان کے تحت مجھے یقین تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا، جب مجھے یہ گھر چھوڑنا پڑے گا۔ تب مجھے رقم کی اشد ضرورت پڑے گی۔ اس لئے یہ رقم میں نے بینک سے نکال کر اپنے پاس رکھ لی۔ اس رقم سے ہم کافی دور جا سکتے ہیں۔

کسی کو یہ پتا نہیں چلے گا کہ سبھاش مر چکا ہے۔ کچھ عرصہ تک تم ان پٹیوں میں لپٹے سمیت سبھاش ہی رہنا۔ پھر ہم بنگال کی حدود سے نکل کر ان پٹیوں کو اتار پھینکیں گے۔ پھر ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔ اس کی بنیاد رکھیں گے۔"

پھر وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ بکھرے بالوں کو سمیٹ کر جوڑا باندھتے ہوئے بولی۔

"اٹھو اور تیار ہو جاؤ...... صبح تک ہم بہت دور پہنچ چکے ہوں گے۔ دیکھو اس شبھ کام میں دیر نہ کرو۔"

میرے ذہن میں عجیب سے شکوک جنم لے رہے تھے۔ وہ ایک پراسراری عورت لگ رہی تھی۔ حالات بھی تو بڑے پراسرار قسم کے پیش آئے تھے۔ وسوسے اور اندیشے جنم لے رہے تھے کہ اگر میں جانے کے لئے تیار ہو گیا' تو تباہی کی طرف میرا آخری قدم ہو گا۔ مجھے جلد بازی نہیں کرنی ہے۔ میں نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے...... چلتے ہیں...... لیکن کیا تم نے یہ سوچا کہ ڈاکٹر نارنگ کا کیا ہو گا؟"

"وہ خود ہی سنبھل جائے گا۔" سریتا نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"اس کے لئے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ وہ جس ہسپتال میں ہے، وہاں کی نرسوں اور جونیئر لیڈی ڈاکٹروں کی کمزوریوں سے خوب فائدہ اٹھاتا ہے۔ منہ کالا کرتا رہتا ہے۔ بوڑھا ہو کر بھی اسے جوان اور معصوم نرسوں کی عزت تباہ کر کے شرم نہیں آتی ہے۔"

ڈاکٹر نارنگ کے لئے سریتا کا یہ رویہ مجھے سنگ دلانہ محسوس ہوا' جب کہ اس شخص نے سریتا کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ وہ اس کی کردار کشی کر رہی تھی۔ اگر وہ واقعی بھونرا صفت ہوتا' تو سریتا کو گھاس کیوں ڈالتا۔ اس نے ڈاکٹر نارنگ کے بارے میں بڑی غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ اب وہ اسے اہمیت نہیں دے رہی تھی۔ سریتا اس قدر خود غرض ہو گی' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

کیا میرے ساتھ بھی آگے چل کر سریتا کا رویہ بھی ایسا ہی ہو گا؟ میں نے سوچا۔ چوں کہ مجھے اس پنجرے سے نکلنا تھا' اس لئے میں نے اس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اس پوزیشن میں نہیں تھا' اور نہ ہی یہ وقت تھا کہ اپنے دوست کو اطلاع کر سکوں۔ اس سے رابطہ ہو جاتا' تو سریتا سے میری جان تو چھوٹ جاتی۔

وہ بڑی عجلت میں تیار ہو رہی تھی۔ جیسے اب وہ یہاں ایک لمحہ بھی رہنا نہیں چاہتی ہو۔ جیسے اسے اس بات کا خوف و خدشہ ہو کہ کوئی افتاد نازل نہ ہو جائے۔ کیا وہ مجھ پر اس لئے مہربان ہوئی تھی کہ میں اس کی ہر بات مان لوں۔

مجھے کمزوری کی وجہ سے تیار ہونے میں آدھ گھنٹہ لگ گیا۔ میں کس طرح تیار ہوا، یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔

سریتا کے ساتھ سامان باندھنے کے بعد میں نے الماری میں سے سبھاش کا سوٹ نکال کر پہنا۔ میرے پٹیوں سے ڈھکے سر پہ سریتا نے ایک ٹوپی نما ہیٹ پہنایا' تو ہم دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ سامان سے بھرے ہوئے بیگ سریتا نے پہلے ہی نچلی منزل کے ہال میں پہنچا دیئے تھے۔ اوپر والی منزل کی بتیاں پہلے ہی گل کر دی گئی تھیں۔ میں نے ٹارچ ہاتھ میں تھام لی۔ پھر سریتا کے ساتھ زینہ اتر کر نچلے ہال میں آیا۔ کمزوری کے باعث میری سانس پھول گئی تھی۔

زینہ اترنے کے بعد سیڑھیوں اور بیرونی واقع ہال میں' میں اپنا سانس متوازن کرنے کے لئے چند لمحے رکا' تو خیال آیا کہ نچلی منزل پر میں پہلی دفعہ آیا ہوں۔ اس منزل کا جائزہ لینے کے بعد میں نے ہال کے ساتھ والے کمرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ کیوں کہ ہال کے سوا باقی تمام کمروں کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ میرے دائیں ہاتھ کمرہ طعام تھا' اور بائیں جانب رہائشی کمرا...... رہائشی کمرے میں ٹارچ کی روشنی ایک میز پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔ اس میز پر ایک ایسی شے پڑی تھی' جس نے مجھے الجھا کر رکھ دیا۔

"چلو...... آگے بڑھو...... پیارے!......"

سریتا نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"اب کیا سوچنے لگے......؟ وقت سوچنے کا نہیں ہے۔"

سریتا نے میرا ہاتھ تھام لیا' مگر میں اپنا بازو چھڑا کر رہائشی کمرے کی طرف بڑھا۔ ٹارچ کی روشنی اب بھی میز پر پڑی ہوئی دوربین پر مرکوز تھی۔ میں نے دوربین اٹھا کر دیکھی۔ یہ نیوی کی جدید ترین امریکی ساخت کی تھی' اور اس سے رات کے وقت بھی بہت کچھ اور خاص دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔

سریتا نے کچھ پوچھے بغیر ہی فوراً صفائی پیش کی۔

"ٹھیک ہے...... دوربین سے متعلق میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔"

"وہ کس لئے......؟"

میں نے قدرے تیز لہجے میں پوچھا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی......؟"

"اس لئے کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ تم دوربین سے اس کشتی کا نام پڑھ لو۔" سریتا نے جواب دیا۔

"کیوں کہ مجھے تمہاری متجسس طبیعت سے خدشہ محسوس ہوا تھا۔"

"لیکن تم نے اس دوربین سے یقیناً کام لیا ہوگا؟"

میں نے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ اس کشتی کا نام کیا تھا؟"

"اب جب کہ وہ جا چکی ہے' تو اس کا نام جان کر کیا کرو گے؟" وہ اپنے ہونٹ چباتی

ہوئی بولی۔

"میں کہتا ہوں کہ اس کا نام بتاؤ......؟" میں نے قدرے برہمی سے کہا۔

"نام بتانے میں حرج کیا ہے؟ ڈر کیوں رہی ہو؟"

"پیارے! کشتی کے نام سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اور اب تم کر بھی کیا سکتے ہو۔ اگر خیر تم بضد ہو اور اصرار کر رہے ہو تو میں نام یاد کرتی ہوں۔ کشتی کا بھلا سا نام تھا۔ ہاں یاد آیا۔ کپتانی اسٹار......"

فہرست میں دیئے ہوئے کشتیوں کے نام ذہن میں محفوظ تھے۔ یہ نام اس فہرست میں موجود تھا۔

میں نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ سریتا نے میرا بازو تھام لیا۔ پھر وہ ایک دم سے الجھ کر بولی۔

"اجیت!...... تم کیا کرنے والے ہو؟"

سریتا کی بات نے میرا اٹھتا ہوا قدم روک دیا۔ اپنے آپ کو مکمل تباہی سے بچانے کے لئے کر بھی کیا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ میری معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ایک شخص جو مر چکا تھا۔ اس کے بٹوے میں کشتیوں کی فہرست جو ضائع ہو چکی تھی۔

اس فہرست میں درج کشتیوں میں سے آج ایک کشتی نمودار ہوئی تھی۔ شاید اس شخص کو لینے اور پھر اسے موجود نہ پا کر اپنی منزل کی طرف چلی گئی۔ انہیں سبھاش کی اس لئے بھی ضرورت تھی' کہ وہ اپنے منتر سے اس کشتی کو بہ حفاظت منزل تک پہنچا دے گا۔ اور پھر اس بات کا قوی امکان تھا کہ اس کشتی کی وساطت سے مجرمانہ سرگرمیوں کو پایۂ تکمیل پہنچایا جاتا ہو' لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہ تھا کہ سبھاش واقعی ان سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ وہ جادو منتر جانتا تھا۔

سریتا نے مجھے دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "یہ ہم خوامخواہ ضائع کر رہے ہیں۔ ہمیں ان معاملوں سے جتنا دور رہا جا سکتا ہے رہنا چاہئے۔ ٹارچ اٹھا لو تا کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔ صبح تک ہم یہاں سے دور نکل چکے ہوں گے۔"

مجھے اپنی کمزوری اور نقاہت کا بھی احساس تھا۔ میں بے بس تھا' اور اس عورت کے رحم و کرم پر تھا' جس طرح ایک کشتی طوفان میں سمندر کی سرکش لہروں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔

ملاح بے بس ہو کر کشتی کو ان لہروں کے حوالے کر دیتا ہے۔

میں نے بھی اس طرح اپنے آپ کو اس عورت کے حوالے کر دیا تھا' اور کشاں کشاں دروازے کی سمت چلا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہ تھا۔ بیرونی دروازے کے قریب رکھا بیگ اٹھانے لگا' تو سریتا نے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ کر بتی گل کرتے ہوئے کہا۔

''پیارے!...... ذرا احتیاط سے' بیگ بھاری ہے اور ہاں...... پستول لے آئے ہو؟''

''کیا مطلب......؟'' میں نے اندھیرے میں اس کی طرف منہ کر کے حیرت سے پوچھا۔

''تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''کچھ بھی نہیں...... کچھ بھی نہیں......'' وہ سراسیمگی سے بولی۔

''جانے کیوں میں بڑی بدحواس سی ہو رہی ہوں۔''

معاً مجھے سریتا کے بھیگے ہوئے جوتے یاد آ گئے' اور میں نے جیب پر تھپکی دے کر پستول کا لمس محسوس کیا۔ میں نے پستول اس لئے بھی اٹھا لیا تھا کہ یہ عورت اور یہاں پیش آنے والے حالات بڑے پراسرار اور غیر یقینی تھے۔ جس سے ایسا لگا تھا کہ جادو منتروں کا کوئی کھیل ہو رہا ہے۔ اور بھگوان جانے آگے جا کر کیا حالات پیش آئیں۔ میں نے دروازے کی کنڈی پکڑ کر اسے کھولا۔

اچانک ہی باہر سے ایک جانی پہچانی آواز نے سرگوشی کے انداز میں قدرے آہستگی سے کہا۔

''سریتا!'' تم نے اپنے مریض کو سلانے میں بڑی دیر کر دی؟ میں اتنی دیر سے تمہارا انتظار کر......''

میں اندھیرے میں ٹارچ روشن کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا' مگر ٹارچ کا بٹن خود بخود دب گیا۔ روشنی کی کرن لان پر پڑی۔ اس سمت جس سے سرگوشی سنائی دی تھی۔

چشم زدن میں...... رات کے سناٹے کو ایک سنسناتی ہوئی گولی کی آواز چیر گئی۔ میرے ہاتھ کو ایک زبردست جھٹکا لگا' اور ٹارچ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر کہیں دور جا گری۔ میرا ہاتھ کندھوں تک مفلوج ہو گیا۔ اس جھٹکے نے میرے سینے میں درد کی شدید لہر پیدا کر دی۔ اس کے ساتھ میرے بازو میں سخت درد کی لہر اٹھی' جس نے میرے وجود کو تڑپا دیا۔ میں دہل سا

گیا۔ اس نے شاید میرے سینے کا نشانہ لیا' اور نشانہ چوک کر میرے ہاتھ پر لگا۔

ایک آدمی بھی لان میں بھاگا جا رہا تھا۔ بھاری قد و قامت کے اس شخص کے ایک ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

چاند کی روشنی میں ریوالور کی نالی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس شخص نے ایک اوور کوٹ اور ہیٹ پہن رکھا تھا۔ اسے دیکھ کر میں خوف و دہشت سے سن ہو کر رہ گیا۔

اس شخص نے فائر کر کے میرے ہاتھ سے ٹارچ گرائی تھی' اور یہ وہی تھا...... جس کے متعلق مجھے یقین تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ اور اسے ایک زنجیر سے باندھ کر دریا میں پھینکا جا چکا تھا۔ ہاں یہ وہی شخص تھا...... یعنی سبھاش دتہ...... کیا وہ روح تھا...... بدروح بن کر آیا تھا...... لیکن بدروح فائر نہیں کرتی ہے۔ وہ بدروح ہوتی تو پھر کسی بھی وقت آ کر مجھے موت سے ہمکنار کر دیتی۔ میں غش کھا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

+++

بیدار ہوتے ہی میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس وقت میں رہائشی کمرے کے ایک صوفے پر تھا۔ ایک لمحے تک الجھی الجھی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا تھا۔ میرے دائیں ہاتھ کی کلائی پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس وقت ذہن میں یادداشت دھندلائی ہوئی تھی۔ لیکن کلائی پر نظر پڑتے ہی گزشتہ رات کے واقعات ایک ایک کر کے یاد آتے گئے۔

دھماکے سے ٹارچ کا گرنا...... اور اس شخص کا برق رفتاری سے فرار...... میں نے بڑے دکھ اور کرب سے سوچا...... سہاش زندہ ہے......؟ اس خیال نے میرے ذہن میں ایک ہلچل سی مچادی۔

پھر مجھے یاد آیا کہ مین پوری طرح بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ غش کھا گیا تھا۔ بے ہوش ہوتے ہی پھر نیم بے ہوشی کی حالت میں سریتا کے پانی کے چھینٹے مارنے سے آیا تھا۔ پھر میں سریتا کے سہارے یہاں پہنچا تھا۔ اس کے سہارے کے بغیر نہیں آ سکتا تھا' اور نہ وہ مجھے صوفے پر لا کر لٹا سکتی تھی۔ ذہنی صدمے نے مجھے بے جان کر دیا تھا' بالکل ہی......

سریتا نے نہ تو کوئی وضاحت کی تھی' اور نہ ہی میں نے کچھ پوچھنا مناسب سمجھا تھا۔ سمجھنے سننے کو باقی رہ بھی کیا گیا تھا۔ ریوالور ہاتھ میں لے کر بھاگتے ہوئے شخص نے ثابت کر دیا تھا' کہ اوّل تا آخر سریتا کا رویہ ایک سوچے سمجھے فریب' جھوٹ کے سوا کچھ نہ تھا۔ جس شوہر کو اس نے قتل کرنے کا اقرار کیا تھا' وہ شوہر زندہ تھا۔ سریتا کی ساری کہانی جھوٹ کے تانے بانے پر بنی گئی تھی' لیکن اس کا سفید جھوٹ قائم نہ رہ سکا تھا۔

میں نے چند لمحوں کے بعد سر جھٹک کر رہائشی کمرے پر نگاہ ڈالی۔ یہ رہائشی کمرہ بالائی منزل کے کمروں کی نسبت اچھی حالت میں تھا۔ میز پر ایک ایش ٹرے میں آدھا بجھا ہوا ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ میز کی قریبی کرسی کے بازو پر وہ پستول پڑا ہوا تھا' جو رات میری جیب میں موجود

تھا۔

سراسیمگی کی کیفیت میں' میں نے وہ پستول اٹھا کر جیب میں فوراً ہی ڈال لیا۔ لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی۔ ایسا کرنا میرے لئے ضروری تھا' کیوں کہ یہ ایسا محافظ تھا' جس پر میں بھروسہ کر سکتا تھا۔ یہ میرا سچا دوست اور قابل اعتماد محافظ تھا۔

چند لمحوں کے بعد میں صدمے سے اٹھ کر ہال میں آیا۔ ٹوٹی ہوئی ٹارچ دروازے کے پاس بکھری پڑی تھی۔ شیشے کی کرچیاں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کرچی نے میری کلائی کو زخمی کیا تھا۔ ورنہ سہاش کی گولی نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ ہال کے وسط میں دو دستی بیگ اس حالت میں پڑے تھے' گویا رات کے بعد انہیں چھیڑا ہی نہیں گیا تھا۔

میں کمرہ طعام سے ہوتا ہوا باورچی خانے میں گیا۔ باورچی خانہ بھی جدید طرز کے سامان سے آراستہ تھا۔ سریتا ناشتہ تیار کر رہی تھی۔ اس نے کل والا لباس پہنا ہوا تھا' اور اس کی پشت میری طرف تھی۔ اس لباس میں اس کے سراپا کے نشیب و فراز کسی ناگن کی طرح پھنکارتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ ان میں ایسی دل فریبی اور جاذبیت تھی کہ میرے جی میں آیا کہ قریب جا کر اسے دبوچ لوں۔ لیکن اس ناگن نے جو مجھے دھوکا دیا' اور جھوٹ بولا تھا' اس سے میں متنفر ہو گیا تھا۔ اس کی طرف دیکھنے کو دل بھی نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اپنی خواہش کو بے دردی سے روند دیا۔

میرے قدموں کی چاپ سن کر بھی وہ اپنے کام میں بدستور مصروف رہی۔ اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ اس لئے بھی کہ وہ جانتی تھی کہ میرے سوا ہو بھی کون سکتا ہے۔ یا پھر وہ اس بات پر پشیمان تھی' کہ اس نے مجھ سے سفید جھوٹ بولا' اور اس میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی' کہ مجھ سے آنکھیں ملا سکے۔ آخر کب تک وہ نظریں نہیں ملائے گی۔

وہ چولہے پر نظریں مرکوز کر کے بولی۔

"پیارے!...... ناشتہ ابھی تیار ہوا جاتا ہے' پلیز...... تھوڑا سا انتظار کر لو۔"

"اس کا بھی کیا کروں......؟"

میں نے ٹوٹی ہوئی ٹارچ جو راستے میں پڑی تھی اسے اٹھا لیا' اور سریتا کو دکھاتے ہوئے پوچھا۔

سریتا نے گردن گھما کر ٹارچ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بے خوابی کی وجہ سے زردی پھیلی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں نیند بھری تھی۔

''کہیں پھینک دو......'' اس نے ناگواری سے جواب دیا۔

''بھلا اس میں پوچھنے یا اجازت لینے کی کیا بات ہے۔ میں نے منع تو نہیں کیا......؟ اب یہ کسی کام کی نہیں رہی۔''

''ہاں...... واقعی پوچھنے کی کوئی بات نہیں تھی۔'' میں نے کہا۔

''بتاؤ...... جھاڑو کہاں ہے؟''

''کیا......؟'' سریتا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''جھاڑو کس لئے......؟''

''جھاڑو اس لئے کہ ہال میں کرچیاں بکھری پڑی ہیں۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''یہ کوئی دلکش منظر تو ہے نہیں؟''

میرے تبصرے پر توجہ دیئے بغیر بولی۔

''ہال کی الماری کے پاس پڑی ہے' وہاں سے اٹھالو۔''

میں نے کچن کے دروازے کے پاس پہنچ کر کہا۔

''اور وہ پستول......؟''

سریتا نے بائیں ہاتھ کی پشت سے آنکھوں پر جھولنے والی بالوں کی لٹ کو پیچھے ہٹایا۔

''پستول کو کیا ہوا......؟''

''کل رات میری جیب میں تھا...... اور آج صبح کرسی کے بازو پر پڑا ہوا ملا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ کیسے ہوا......؟''

''ہاں...... اسے میں نے تمہاری جیب سے نکالا تھا' کیوں کہ مجھے خدشہ تھا' کہ کہیں وہ پھر اچانک واپس نہ آ جائے۔'' سریتا نے جواب دیا۔

''تو گویا تم رات بھر میری حفاظت کرتی رہی؟'' میں نے ممنونیت سے کہا۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ۔''

''اس میں شکریے کی کیا بات ہے؟ تم جو سوچ اور سمجھ بیٹھے ہو، وہ صاف ظاہر ہے۔ اچھا

جاؤ۔ وہ شیشے صاف کر دو جلدی سے...... یہ انڈے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کریں گے۔ ٹھنڈے ہو جائیں گے' کافی اور پراٹھے بھی۔''

جب میں لوٹا تو وہ ناشتہ پلیٹوں میں سجا رہی تھی۔ میں کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا۔ باہر چھایا ہوا کہر سورج کی کرنوں سے چمکتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ پھر معاً میری نگاہ مخالف سمت پڑی' دور سے ایک سفید کشتی تیزی سے ڈاک کی طرف آ رہی تھی۔

وہ کچھ اور نزدیک آئی تو میں نے کہا۔

''وہ اپنے پروگرام پر باقاعدگی سے عمل کر رہی ہے۔ باز آنے والی نہیں۔''

''کون......؟'' سریتا نے بے دھیانی سے پوچھا۔

''تم کس کے بارے میں کہہ رہے ہو؟''

''اس نئے زمانے کی لیلیٰ...... مس روجا مکرجی' جو لیلیٰ بن گئی ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''شاید اسے مجنوں کے بغیر چین نہیں آتا ہے۔''

''اوہ......'' سریتا نے اتنا کہا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

سفید کشتی سامنے والے ٹیلے کے پاس سے گزر رہی تھی۔ وہ سگریٹ کے کش لگاتی مجھے صاف نظر آ رہی تھی۔ مجھے کبھی بھی کوئی عورت سگریٹ پیتی اچھی نہیں لگی تھی۔ ابھی اس کی عمر کیا تھی؟ عموماً شادی شدہ عورتیں ذہنی الجھنوں کو دور کرنے کے لئے سگریٹ نوشی کرتی تھیں۔ نوجوان لڑکیاں نہیں پیتی تھیں۔ البتہ وہ نوجوان لڑکے، جو بری صحبت کا شکار ہوتے تھے' وہ چھپ چھپ کر پیتے تھے۔

وہ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اٹھی' اور کشتی میں بنے ہوئے کیبن میں چلی گئی۔ جب وہ باہر آئی' تو اس کے ہاتھ میں کافی کا پیالہ تھا۔ وہ کافی کی چسکیاں لینے لگی۔ مجھے اس کی بے نیازی کا انداز قطعی پسند نہیں آیا۔ میں نے منہ پھیر لیا۔

''کیا بات ہے......؟'' سریتا جو میری حرکات و سکنات بغور دیکھ رہی تھی' اس نے مجھے اچانک منہ پھیرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا۔

''یہ تم نے اس قدر ناگواری سے منہ کیوں پھیر لیا؟''

''کچھ نہیں......'' میں نے جواب دیا۔

"کاش! میں جان سکتا کہ اس لڑکی کا اس ناٹک میں کیا کردار ہے؟ لیکن مجھے تو اپنے کردار کا بھی پتا نہیں۔ میں کتنی ہی باتوں سے بے خبر اندھیرے میں ہوں۔ مثلاً یہ کشتی ڈاک پر کیوں کھڑی ہے؟ کوئی بھی اس کشتی کو لے جا کر کسی بھی ٹیلے سے ٹکرا سکتا ہے۔ ڈاک کے ساتھ یوں کشتی باندھ کر رکھنا میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

سریتا نے ایک گہری سانس لی اور کہا۔ "یہ کشتی سہاش اکثر اس حالت میں لنگر انداز رکھتا تھا' تاکہ سفر کرتے ہوئے آسانی رہے۔ کیوں کہ یارڈ میں کشتی ہو تو اسے نکالنے میں کافی دیر لگ جاتی ہے' جب کبھی طوفان کی پیش گوئی کی جاتی تھی' تب وہ اسے یارڈ میں لے جاتا تھا۔"

میں نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ کیوں کہ میں اس حد تک سریتا کی فطرت سے واقف ہو چکا تھا' کہ اس کی طرف دیکھے بغیر اور اس کی باتوں سے اور اس کے جھوٹ سچ بولنے کی وجوہات کا مجھے کل تک علم نہ ہو سکا تھا۔

"موسم بہار میں یہ کشتی یارڈ میں تھی۔ پھر مجھے سہاش کا خط ملا' جس میں اس نے لکھا تھا کہ کشتی کو یارڈ سے نکال کر ڈاک پر کھڑی کر دوں۔ مجھے اس وقت یہ نہیں معلوم تھا کہ جب کشتی ڈاک پر کھڑی کی جاتی ہے' تو اس کی حفاظت کسی بچے کی طرح کرنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر نارنگ نے مجھے کشتی لنگر انداز کرنا اور پمپ کے ذریعے اس میں سے پانی نکالنے کا کام سکھایا۔ چلو اب ناشتہ کرو۔ تیار ہے۔"

میں نے محض سر ہلا دیا۔ اب میں سریتا کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ البتہ جیب میں پستول کا بوجھ مجھے بار بار احساس دلا رہا تھا کہ وہ ساری رات ہاتھ میں پستول تھامے اور جاگ کر میری حفاظت کرتی رہی ہے۔

ناشتے کے دوران میں نے یہ بات بڑی شدت سے محسوس کی کہ ایک عجیب قسم کی بے چینی' اور بے اعتباری کی فضا طاری ہے۔ وحشت ماحول پر مسلط ہے۔ کوئی چیز لینے اور پکڑتے جب ہمارے ہاتھ ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے' تو میرے ذہن میں اس کی مہربانی کی گھڑیوں کی یاد تازہ ہو جاتی۔ اس کی محبت اور گرم جوشی کے تصور سے میں اپنے سارے بدن میں کچھ ثانئے کے لئے لطیف سی سنسنی محسوس کرتا' اور ایک عجیب سا احساس اور اس کی لذتیت گدگداتی جا رہی تھی۔

ہم دونوں خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے تھے۔ آخر میں نے چند لمحوں کے بعد سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔

"تمہارا باورچی خانہ تو بہت شان دار ہے اور عمدہ بھی ہے۔ میں نے شاید ہی کسی گھر میں ایسا باورچی خانہ دیکھا ہو گا۔ کیا تم نے اسے خصوصی طور پر بنایا ہے۔ یا یہاں پہلے سے ہی بنا ہوا تھا۔"

"اس پورے گھر میں صرف یہی ایک باورچی خانہ ہے' جسے میں اپنا کہہ سکتی ہوں' اور جس پر میری اپنی چھاپ ہے۔"

"کیا مطلب......؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکا۔

باقی سارا گھر سہاش کا یا اس کے رشتہ داروں کا...... البتہ باورچی خانہ میرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھر کے باقی حصوں پر میں کوئی توجہ نہیں دیتی۔ دوں بھی کیوں؟ اس کے رشتہ دار اس گھر کو اپنی جائیداد سمجھتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھی۔ میں نے اسے راستہ دینے کے لئے ایک طرف گھٹنے سمیٹ لئے۔ ایسا نہ کرتا' تو وہ ٹکرا جاتی' اور پھر اس کا توازن برقرار نہ رہتا۔ وہ مجھ پر گر جاتی' اور پھر شاید کوئی طوفان آ جاتا۔ مجھے ایسی کوئی خواہش نہ تھی۔ سریتا نے چولہے سے کافی کا برتن اٹھایا۔ یہ کیتلی بھی بہت صاف اور عمدہ ساخت کی اور خاصی بڑی بھی تھی' اور پھر آ کر اس نے پیالوں میں کافی انڈیل دی' اور کیتلی لے جا کر چولہے پر رکھ دی' اور پھر چولہے کی لو دھیمی کر کے یہ دیکھنے کے لئے جھکی کہ لو بہت کم تو نہیں ہو گئی ہے۔ پھر ایک لمحے کے لئے کسی گہری سوچ میں غرق وہیں کھڑی رہی۔ جب وہ مڑی تو میں نے اس کے بشرے سے محسوس کیا وہ کوئی اہم بات کہنا چاہتی ہے۔

"پیارے!......" چند لمحوں کے بعد وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔

"مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے؟ اور یہ بھی پتا نہیں تھا کہ تم پر وار ہو گا۔"

یہ کہہ کر وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی دروازے تک پہنچی۔ دروازے پر رک کر اور میری طرف گھوم کر دوبارہ بولی۔

"او...... اور میں یہ بھی نہیں جانتی تھی' کہ وہ رات کو یہاں آیا ہے...... اور نہ ہی اس کے

ریوالور کے متعلق مجھے کچھ علم تھا...... تمہیں یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ...... کہ...... اوہ...... میں یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ تم بدگمانی میں پڑ جاؤ کہ تمہیں گولی کا نشانہ بنانے کے لئے میں دروازہ تک گئی۔ یہ بدگمانی برداشت سے باہر ہے۔''

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب گیا۔ سریتا دروازے سے یوں منہ لگائے کھڑی تھی' گویا اپنے آپ کو سزا دینے کے لئے اپنا منہ زخمی کرنا چاہتی ہو۔ اس نے مجھے قریب پایا' تو اس نے مجھے ساکت پلکوں سے دیکھا۔ مجھے پہلی مرتبہ اس کی پیشانی پر ایک چھوٹا سا زخمی نظر آیا۔ اس زخم سے خون بہہ کر گالوں پر خشک ہو چکا تھا۔ اب شک و شبہ کی کوئی بات نہ رہی تھی۔ قیاس غالب تھا کہ گزشتہ شب جب گولی لگنے کے بعد ٹارچ کا شیشہ کرچی کرچی ہوا تو ایک کرچی سریتا کی پیشانی پر بھی آ لگی۔ اس سے یہ زخم ہوا۔

مجھے خیال آیا کہ واقعی سریتا کو پتا ہوتا' اس کا شوہر ریوالور لئے باہر کھڑا ہوا ہے تو وہ خود میرے اتنے قریب کبھی نہ رکتی۔ اگر اس نے مجھے قتل کرانے کی سازش کی ہوتی تو اپنا بچاؤ ضرور کرلیتی۔ سبھاش دتہ نے سرگوشی میں جو فقرے کہے تھے' ان سے بھی یہ ظاہر ہوتا تھا وہ سریتا کا انتظار کر رہا تھا۔

ان خیالات کی ذہن میں یورش ہوتے ہی میں نے جیب سے رومال نکالا' اور اسے گیلا کر کے سریتا کا رخسار صاف کرنے لگا۔ خون کے صاف ہونے کے بعد اس کا زرد چہرہ ابھر آیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بھی پیلاہٹ طاری تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں نے اس کی ویران آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوبتے ہوئے اپنے بازوؤں کے حلقے میں سمیٹ لیا۔

چند لمحوں کے بعد میں نے اسے پیار بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔

''سریتا!''

''ہاں...... پیارے!'' سریتا کی آواز گھٹی ہوئی تھی۔

''ہاں...... سریتا!'' میں نے اس کے ریشمی اور چمکتے بالوں کو چھوتے ہوئے کہا۔

''پلیز! مجھے معاف کر دو...... لیکن تم یہ فیصلہ کرلو کہ کس کا ساتھ دو گی؟ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' میں ایک دم سے جذباتی ہوگئی۔ اس کی محبت میں اتنی جذباتی کیفیت' گرم جوشی اور والہانہ انداز تھا کہ مجھے حیرت سے زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ عورت کی مہربانی اور محبت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس کی محبت میں اتنی گہرائی' خود سپردگی اور وارفتگی ہوگی' میں سوچ بھی نہیں سکتا

تھا۔ میرے دل میں جو کثافت تھی' اسے اس کی جذباتی محبت کی گرم جوشی نے دھو دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک اس جذباتی محبت کی کیفیت میں ڈوبے رہنے کے بعد میں نے اس بنگالی حسینہ...... زلف بنگال سے کہا۔

''لیکن ان حالات سے نباہ کرنا ناممکن ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ کشمکش کی زندگی تمہیں بھی پسند نہیں ہے۔ تم اس سے نالاں اور بے زار ہو...... بہر کیف تمہیں ایک حتمی فیصلہ کرنا ہوگا۔''

''تم کیسا فیصلہ پسند کرو گے؟'' سریتا میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''میں نے کہا نا کہ حتمی فیصلہ...... واضح اور صاف۔'' میں نے جواب دیا۔

''آخر کب تک دہری اور بے رحمی کی زندگی گزارو گے۔ پہلے تم نے مجھے سبھاش سے بچایا...... پھر مجھے گھر اٹھا لائیں' تاکہ اس کی سفاکی پر اسے سزا نہ دلوا دوں...... پھر تم میں انقلاب آیا کہ تم اس رات پستول لے کر میرے سرہانے بیٹھیں میری حفاظت کرتی رہیں کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کردے۔ اب پھر تم میں تبدیلی پیدا ہوئی ہے اور تم اسے بچانے کے لئے سفید جھوٹ کا سہارا لے رہی ہو...... لیکن سریتا جان! اس طرح یہ مسئلہ نہیں ہوگا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ دو رخی زندگی سے ہمیشہ نباہ نہ کرسکو گی۔ دو کشتیوں میں پیر رکھ کر سفر نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے احساس ہے کہ وہ تمہارا شوہر ہے...... ممکن ہے کہ اچھے دنوں کی یاد نے تمہیں مجبور کر دیا ہو کہ اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کرو۔ دیکھا جائے تو وہ قانونی طور پر تمہارا مقدر ہے۔ جب کہ میں تم پر کوئی حق نہیں رکھتا۔ لیکن اس کے باوجود میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ تم مجھ سے بے حد پیار کرتی ہو۔ اس حد تک......''

میں ایک دم سے خاموش ہوگیا۔ میں اس سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ تمہاری اس بے پناہ محبت کا ثبوت یہ ہے' کہ تم مجھ پر مہربان ہوئیں۔ بڑی فیاضی اور محبت سے مجھ پر ایک بدل بن کر برستی رہیں' لیکن نہیں کہہ سکا۔ کیوں کہ کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ لیکن میں نے اس سے جو کچھ کہا' وہ میرے دل میں تھا۔ میں اسے اپنی زبان پر لے آیا۔ اس میں کوئی ریاکاری اور منافقت نہ تھی۔

سریتا بری طرح کانپنے لگی۔ اس کا بند بند کانپنے لگا' تو میں نے اسے بازوؤں کے حلقے سے آزاد کردیا۔ وہ تیزی سے ایک قدم پیچھے ہٹی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو سخت مٹھیوں

میں باندھ لیا' اور میری طرف دیکھ کر ہسٹریائی انداز سے قہقہے لگانے لگی۔

+++

میں چند لمحوں کے بعد ٹیلی فون کے ریسور میں کہہ رہا تھا۔

''میں سبھاش دتہ بول رہا ہوں...... ڈاکٹر نارنگ سے بات کرنی ہے...... جی ہاں...... اسے فوراً بلا دو...... کون ڈاکٹر نارنگ...... آپ فوراً چلے آئیں۔ سریتا پر دیوانگی کا دورہ پڑا ہے۔ پلیز! جتنی جلدی ہو سکے آ جائیں۔''

میں نے ریسیور رکھ کر ایک لمبی سانس لی۔ پھر سیڑھیاں طے کر کے کمرے میں پہنچا۔ وہ اس طرح بستر پر گٹھری بنی پڑی تھی' جس طرح میں نے اسے بے ہوشی کی حالت میں لا ڈالا تھا۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس نے تکیئے کا ایک کونا مضبوطی سے دانتوں میں دبا رکھا تھا۔

میں نے اسے ہوش میں لانے کے لئے مختلف طریقوں پر غور کیا' لیکن کسی ایک پر بھی عمل کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ تھپڑ مار کر اسے ہوش میں لانے کا حوصلہ مجھ میں نہیں ہوا۔ اس تدبیر کو دل نے مسترد کر دیا۔ اس کے پھول سے رخسار تھے۔ اگر اس کی جگہ کوئی مرد ہوتا' تو یہ تدبیر اپنائی جا سکتی تھی۔ غسل خانے کے ٹب میں اسے غوطے دے کر ہوش میں لانا بھی میرے لئے صبر آزما کام تھا۔ نہ مجھ میں اتنی طاقت تھی۔ میں اسے کس طرح اٹھا کر اس کمرے میں لایا تھا' یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔

ڈاکٹر نارنگ کے آنے سے قبل میں دو ایک کام نمٹانا چاہتا تھا۔ پہلے تو میں نے اس کے رخساروں سے گہرے نشانات مٹائے' جو مچھر کاٹنے جیسے تھے۔ پھر میں نے اس کا لباس درست کیا' جو بے ترتیب ہو کر اسے بے حجاب کیے جا رہا تھا۔ پھر اس کے بال بھی درست کیئے۔ پھر اس کمرے میں جہاں سے اسے اٹھا لایا تھا۔ اس کے بستر کی چادر کی شکنیں گزرے وقت کا فسانہ سنا رہی تھیں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ڈاکٹر نارنگ مشکوک ہو جائے کہ ہم نے تنہائی سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس کے سامنے مجھے کمزوری اور نقاہت کی اداکاری بھی کرنی تھی۔ اس کے شکوک کو دور کرنے کے لئے۔ وہ بقول سریتا کے ایک عیاش طبع ڈاکٹر تھا۔ اس کے لئے عورتوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ ہسپتال میں راجہ اندر تھا اور بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتا رہتا تھا۔

کچھ دیر بعد گھر کے باہر ڈاک پر موٹر بوٹ کے رکنے کی آواز سن کر میرے دل کو نا قابل بیان سکون محسوس ہوا۔ میں دبے پاؤں کمرے سے باہر آیا' اور زینے کے پاس رک کر

ڈاکٹر نارنگ کا انتظار کرنے لگا۔ بیرون دروازہ کھول کر ڈاکٹر نارنگ اپنا بیگ لیے نیچے ہال میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اس نے اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''مسٹر اجیت! کیا بات ہوئی آخر......؟ کیا تم بتانا پسند کرو گے؟''

''گزشتہ شب ہم نے بڑی خراب حالت میں بسر کی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

میں اس کے آنے تک سارے معاملات پر بڑی گہری سوچ بچار کر چکا تھا۔ اس لئے اب میں ڈاکٹر نارنگ کا چہرہ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ادھیڑ عمر کا ڈاکٹر اپنے براؤن سوٹ میں بظاہر ایک محترم ہستی دکھائی دیتا تھا۔ البتہ اس کے چہرے سے عجیب نسوانی مکاری کی جھلک نمایاں تھی۔ میں نے یہ انداز پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ڈاکٹر نارنگ کا تنگ منہ ان عورتوں کی طرح تھا' جو کبھی قابل اعتماد تصور نہیں ہوتیں۔

''ڈاکٹر!......'' میں نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ بے آرامی کی وجہ سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہے۔ رات مجھ پر گولی چلائی گئی تھی' اور اس وقت میں بھی اپنے حواس کھو بیٹھا تھا' کیوں کہ رات مجھ پر گولی چلانے والا کوئی بھوت تھا۔''

ڈاکٹر نارنگ کا چہرہ نہ صرف متغیر سا ہو گیا' بلکہ آنکھوں کا رنگ بھی بدل گیا۔ وہ حیرت سے بولا۔

''کیا کہا......؟ بھوت نے......؟''

''دکھاوے اور بناوٹ کی ضرورت نہیں ڈاک......!'' میں نے بڑی نرمی اور تحمل سے کہا۔

''مجھے کچھ علم نہیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟ البتہ میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ سبھاش زندہ ہے' اور اس نے رات مجھ پر فائر کیا تھا۔ سریتا کی مدد سے میں صوفے تک پہنچا' اور پھر وہ ساری رات پستول سنبھالے میری نگہبانی کرتی رہی کہ کہیں وہ دوبارہ نہ آ جائے' ممکن ہے اس بے خوابی یا تھکن یا پھر جذبات کے شدید ردعمل نے اسے پاگل کر دیا ہو۔ اس کی ذہنی حالت بڑی ابتر تھی۔''

''کیا کہا......؟'' ڈاکٹر نارنگ نے سرگوشی کی۔ اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ختم کرو ڈاک......!" میں نے تلخی سے کہا۔

"اب آخر اس دکھاوے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

ڈاکٹر نارنگ نے ایک لمبی سرد آہ بھری۔ "بہت اچھا مسٹر اجیت! اس کے متعلق ہم بعد میں اطمینان سے گفتگو کریں گے۔" اس نے یہ کہہ کر قدم بڑھایا۔

"ڈاک......!" میں نے پکار کر کہا۔

"میری ایک بات سنو۔"

ڈاکٹر نارنگ نے رک کر گردن گھما کر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ اس وقت سریتا کو نیند کی سخت ضرورت ہے' اور تمہارے لئے یہ مشکل نہیں ہے کہ تم اسے ہمیشہ کی نیند سلا دو۔ لیکن تمہارے لئے یہی بہتر ہوگا' کہ اسے مناسب حد تک سونے دو' تا کہ اس کے بعد وہ بیدار ہو جائے۔ آس پاس نہ صرف بہت عجیب وغریب بلکہ پراسرار واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ کوئی جادو منتروں سے کام لے رہا ہے......لیکن اس کے پیچھے ایک حد تک تمہارا ہاتھ بھی ہے۔ ایک ایسا شخص' جو قتل جیسے جرائم کو کھلونا بنا دے...... میرے نزدیک ایک ایسا شخص پیشے کا احترام نہیں کر سکتا۔"

ڈاکٹر نارنگ نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے چبایا اور پھر اس نے تیز و تند لہجے میں کہا۔

"تم اس قابل نہیں ہو کہ کسی کے پیشے پر نکتہ چینی کر سکو۔"

"زیادہ گرمی دکھانے کی ضرورت نہیں ڈاک......" میں نے قدرے کرخت لہجے میں کہا۔

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے ڈاک کہہ کر مخاطب نہ کرو۔ میں فوج کا ملازم ڈاکٹر نہیں ہوں۔" وہ بگڑ گیا۔

"اپنے ہوش میں رہو ڈاک......!" میں نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

"میں تم پر یہ بات واضح کر دوں کہ سریتا اور میں ایک دوسرے کو پا چکے ہیں۔"

ڈاکٹر نارنگ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر اسے تر کیا' اور قدرے تیز لہجے میں بولا۔

"تم میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔ میں سریتا کے معاملے میں احتیاط کروں گا۔ سریتا تمہیں پسند کرنے۔۔۔"

اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ڈاکٹر نارنگ......سریتا کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا اور بند کر لیا۔ یہ اس کی حرکت پراسرار سی لگی۔

میں نے جیب میں رکھے ہوئے پستول سے ہاتھ باہر نکالا' پھر اس کمرے میں آ گیا' جو میرا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ میرے کمرے میں آیا' اور بیگ کو سنگھار میز پر رکھ کر میری طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں......مسٹر اجیت! اب کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ میں بعد میں کہوں گا۔" میں نے کہا۔

"پہلے تم سریتا کی حالت کے بارے میں بتاؤ؟"

"جب وہ بیدار ہوگی تو اس کی حالت بہت بہتر ہوگی۔" ڈاکٹر نارنگ نے جواب دیا۔

"اس کی حالت زیادہ ابتر نہیں ہے۔"

"لیکن وہ جاگے گی کب......؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"دو تین گھنٹے کے بعد......" اس نے بتایا۔

"یا ممکن ہے بے خوابی کی وجہ سے چار پانچ گھنٹے کے بعد۔"

"کیوں نہ اسے ایک نظر دیکھ لیا جائے؟" میں نے اسے تجویز پیش کی۔

ہم دونوں دبے پاؤں سریتا کے کمرے میں داخل ہوئے۔ سریتا گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کے حسین چہرے پر کرب تھا۔ البتہ اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ میں نے ڈاکٹر نارنگ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گی اطمینان رکھو۔" ڈاکٹر نارنگ نے صفائی پیش کی۔

"میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا' اور نہ ہی ایسا سوچ بھی سکتا ہوں۔ تم اپنے دل سے خدشات کو نکال دو۔"

ہم دونوں کی سرگوشی سے سریتا کے جسم میں حرکت سی ہوئی۔ پھر وہ گہری نیند سو گئی۔ ہم

دونوں نے ایک دوسرے کو خطا وار نگاہوں سے دیکھا اور پھر بے آواز قدموں سے کمرے سے باہر نکل آئے۔

کمرے میں پہنچ کر ڈاکٹر نارنگ نے کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ تمہیں محسوس نہ ہو رہا ہو۔ بہرحال تمہیں بھی آرام کرنا چاہیے۔''

''بہت بہتر ڈاکٹر نارنگ!'' میں نے کہا' اور میں اس کے چہرے کی طرف یوں دیکھنے لگا' جیسے اسے موضوع چھیڑنے کے لئے اکسا رہا ہوں۔ علامتی انداز کا اشارہ کر رہا ہوں۔

''تمہارے آنے سے پہلے وہ میری تھی۔'' ڈاکٹر نارنگ کہنے لگا۔ اس کا منہ کھڑکی کی طرف تھا۔'' اور میں اسے قدرت کا بہترین عطیہ تصور کرتا رہا۔ مسٹر اجیت! مجھے زندگی بھر کسی سے محبت کرنے کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ ہمارا خاندان دولت مند نہیں تھا' اور مجھے تعلیم کی تکمیل میں بے حد دشواریاں پیش آئیں۔ اس وقت جب میرے ہم جماعت رنگ رلیوں میں مصروف رہتے تھے' اور میں کتابوں میں کھویا رہتا تھا۔ ڈاکٹروں کی خشک کتابوں میں۔ ان کتابوں کو پڑھنے کے لئے پتا مارنا پڑتا ہے۔

میں نوجوان تھا' نوجوانی تو ایک بے لگام گھوڑے کی مانند ہوتی ہے۔ سرکش اور اندھی بھی۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا ہے۔ لڑکیوں کا حسن و شباب اور ان کی بھرپور جوانی مجھے اپنی طرف مقناطیس کی طرح کھینچتی تھی۔ ورغلاتی اور ترغیب دیتی تھی۔ عورت کے حسن اور جوانی سے خطرناک جادو کوئی نہیں' لیکن میں نے اپنے اوپر ان کے جادو منتر چلنے نہیں دیئے۔ انہیں ہر قدم پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

نوجوانی میں صرف لڑکیاں ہی نہیں، بلکہ مرد بھی بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔ میں بھی نہ صرف نوجوان اور خوب صورت بلکہ مجھ میں بلا کی وجاہت تھی۔ میری اس وجاہت میں میرے دراز قد نے ایک سحر سا پھونک دیا تھا۔ لڑکیاں دراز قد پر مرتی ہیں' اور ایسے مرد ان کی کمزوری اور خواب ہوتے ہیں۔ بہت ہی حسین اور نوجوان ہم جماعت اور رشتہ دار لڑکیوں نے مجھ پر اپنا جادو چلایا۔ تم جانتے ہو کہ بنگال میں جادوگر' جادوگرنیاں اور سفلی علوم کے ماہر بھی ہوتے ہیں۔ ان میں سے خاندان کی لڑکیوں نے ایسی اشیاء لیں، جن پر ان سفلی علوم نے منتر پھونک کر دیئے تھے۔ ٹوٹکے بتائے تھے۔ مجھے دودھ میں' چینی نمک کے پانی میں وہ منتروں کی پڑیاں گھول گھول کر پلائی تھیں۔ میں شاید ان منتروں کے زیر اثر آ جاتا اگر ایک

سادھو نے گنڈا نہ دیا ہوتا۔ میں نے اسے بازو پر باندھ رکھا تھا۔ اس لئے مجھ پر ان منتروں' جادوؤں اور ٹوٹکوں کا کوئی اثر نہ ہو سکا۔ میں یہ بات جانتا تھا کہ ایک بار غلاظت کے دلدل میں گرنے کی صورت میں اس میں سے نکلنا ناممکن ہوتا ہے۔ نکلنے کے لئے جتنا ہاتھ پیر مارا جائے، اتنا ہی آدمی دھنستا چلا جاتا ہے' کیوں کہ میرے سامنے میرے وہ دوست ایک مثال اور عبرت تھے' جو اس غلاظت کے دلدل میں گر کر نکل نہ سکے تھے۔

جب میں ان نوجوان اور حسین اور پرکشش لڑکیوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا' تو انہیں بڑا غصہ بھی آتا تھا' اور حیرت بھی ہوتی تھی کہ آخر ان کے جادو منتر مجھ پر اثر کیوں نہیں کرتے ہیں۔ ان کے منتروں کا توڑ میں کیسے کر دیتا ہوں' اور پھر میں ان کے پریم پتر پڑھے بغیر پھاڑ دیتا تھا۔ عورت کی جوانی اور حسن ایسا جادو منتر ہے کہ کون مرد نہیں چاہتا کہ ان سے فائدہ اٹھائے۔ چوں کہ دوسری طرف مجھے ایک دھن بھی تھی' اس لئے میں نے کبھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

آخر کار میں نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ پھر میں نے پریکٹس کرنے کی ٹھانی۔ اقوام متحدہ نے کچھ ممالک میں امن قائم کرنے کے لئے امن فوج بنائی۔ بنگال سے بھی فوجی اور ڈاکٹر لئے گئے۔ مجھے بھی ایک یورپی ممالک کے محاذ پر بھیجا گیا۔ پھر وہاں سے ایک اور محاذ پر...... جب وہاں سے لوٹا تو حالات بہت بدل چکے تھے۔ مجھے اپنا مقام حاصل کرنے کے لئے بڑی کوشش اور جدوجہد کرنا پڑی۔''

چند لمحے کے توقف کے بعد وہ پھر گویا ہوا۔ ''جوانی کے بہترین دن میں نے اس طرح گزار دیئے، وہ جو بڑے کٹھن تھے۔ یہ حالات بتا کر میں تم سے ہمدردی کا طلب گار نہیں ہوں۔ صرف اس لئے بتا رہا ہوں کہ میری ذہنی حالت تم پر واضح ہو جائے' اور تمہیں معلوم ہو جائے کہ سریتا کی ایک محبت بھری نگاہ میرے لئے کیا معنی رکھتی ہے؟ اس کے ساتھ تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ...... میں نے جو کچھ بھی کیا ہے...... کیوں کیا......؟ میں نے سریتا کو سب کچھ بتا دیا ہے' اور اس کا ذہنی بوجھ کم کرنے کے لئے اسے پرسکون نیند سلا دیا ہے۔ میرا خیال ہے' وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی۔''

''اگر وہ مجھے معاف نہ کرے' تو اسے کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔''

میں نے کہا۔

"شاید وہ اپنی نرم دلی کے باعث تمہیں معاف کر دے۔"

"وہ مجھے معاف کرے یا نہ کرے۔ بہرحال میں اسے کھو چکا ہوں۔" ڈاکٹر نارنگ یک لخت چپ ہو گیا۔ چند ثانیے سکوت طاری رہا۔ پھر اس نے میرا چہرہ اپنی نظروں کی گرفت میں لے کر پوچھا۔

"تم کیا کچھ جانتے ہو؟"

"بہت کچھ......"

میں نے کندھے جھٹک کر جواب دیا۔

"میں تمام حالات سے بخوبی واقف ہو چکا ہوں۔ کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہی۔"

"تم جو کچھ جانتے ہو، وہ مجھے بتا دو۔" ڈاکٹر نارنگ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جب میں یہاں آیا تو مجھے ایک عجیب سی کہانی سنائی گئی۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ اپنے شوہر کو شوٹ کرنے کے بعد مجھے یہاں لائی' اور تم نے لاش سے چھٹکارا حاصل کیا۔ رات جب میں نے اسے زندہ سلامت دیکھا' تو لامحالہ یہی خیال گزرا کہ تم دونوں نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔ اور اس لئے کہ سبھاش کو دور رکھ کر رنگ رلیاں منا سکو' اور مجھے اس کی موت کی کہانی سنا کر خاموش کر دو۔ پھر مجھے یہ بھی خیال آیا کہ ہو سکتا ہے...... اس نے کسی وقت تم دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا' اور اب تمہیں بلیک میل کر رہا ہو۔"

"یہ غلط ہے۔"

ڈاکٹر نارنگ نے قدرے جز بز ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... شاید یہ خیالات غلط تھے۔"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"جب وہ اچانک پاگل پن میں مبتلا ہوئی' تو میں نے سوچا کہ اسے کسی چیز نے ذہنی طور پر مفلوج کیا ہے؟ سوچتے سوچتے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ سوائے تھکن اور بے خوابی کے، وہ ہر طرح ٹھیک ٹھاک تھی۔ ہم کسی کا نام لیے بغیر اس شخص کا تذکرہ کرتے رہے' جس نے مجھ پر گولی چلائی تھی' لیکن میں نے اس پر جوں ہی ظاہر کیا کہ اس کے شوہر نے مجھ پر گولی چلائی

ہے' تو اس کا ذہن ماؤف ہو گیا۔ وہ چند قدم پیچھے تھی۔ مجھے خیال آیا کہ وہ بھاگتے ہوئے سبھاش کو دیکھ نہ سکی۔ ممکن ہے اس نے سوچا ہو کہ یہ کوئی اور ہی شخص ہو گا۔"

"اور کون مسٹر اجیت!" ڈاکٹر نارنگ نے مردہ لہجے میں پوچھا۔

"تم...... ڈاکٹر نارنگ! تم......؟" میں نے انگوٹھے کے برابر والی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر کے جواب دیا۔

"اسے یقین تھا کہ یہ تم تھے...... اور یہ یقین اس لئے تھا کہ ہم دونوں تمہیں بتائے بغیر بھاگ رہے تھے۔ تمہارے ایثار اور وفا کو دھوکا دیتے ہوئے۔ اس کا ضمیر ندامت اور خجالت محسوس کر رہا تھا۔ اچانک ہم پر گولی چلی۔ میری کلائی میں ایک معمولی سا زخم آیا۔ میں وہیں گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ کوئی شخص بھاگتا ہوا لان میں چلا گیا۔ لازمی طور پر سریتا اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ تم تھے...... آخر اسے تمہارے سوا کسی اور پر شک ہوتا بھی کیوں۔ جب کہ وہ جانتی ہے کہ اس کا شوہر زندہ نہیں ہے۔"

میں نے ڈاکٹر نارنگ کی طرف دیکھا' مگر وہ نظریں چرا گیا۔

"ڈاکٹر نارنگ! تم نے اسے اس غلط فہمی میں رہنے دیا' کہ وہ اپنے شوہر کی قاتل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب میں نے اسے بتایا کہ اس کا شوہر زندہ ہے' تو وہ دیوانگی میں مبتلا ہو گئی۔"

"اب میں نے اسے حالات سے آگاہ کر کے معذرت کر لی ہے۔" ڈاکٹر نارنگ کے لہجے میں تازگی نہیں تھی۔

"حالات......؟"

میں نے متعجب نظروں سے دیکھا۔

"کس قسم کے حالات......؟ کیا وضاحت کرنا پسند کرو گے؟"

"تمہارا کیا اندازہ ہے کہ سبھاش کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے ہوں گے؟" ڈاکٹر نارنگ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ جو آدمی گولی چلاتا ہے' اسے اتنا پتا نہیں ہوتا ہے' کہ وہ شخص واقعی مر گیا ہے یا نہیں۔ اگر سبھاش! سریتا کی گولی سے واقعی نہیں مرا تھا' تو سریتا کے سامنے اس کی موت کا اعلان کر کے تم نے دروغ گوئی سے کام لیا۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے اس کی لاش کو دریا کی تہہ میں ہرگز غرق نہیں کیا۔ کیوں کہ کوئی مرد دریا کی تہہ سے اٹھ کر آج تک گولی

چلاتے ہوئے دیکھا نہیں گیا؟ اور نہ مردہ آدمی کا بھوت آ کر گولی چلاتا ہے۔"

ڈاکٹر نارنگ نے ایک آہ بھری' اور اس کے چہرے پر زردی کی لہر دوڑ گئی۔ پھر وہ افسردگی سے کہنے لگا۔

"میں ڈاکٹر ہوں۔ یہ تم جانتے ہو۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اپنے پیشے سے فائدہ اٹھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب میں نے سبھاش کو زندہ پایا' تو میری حالت بڑی عجیب ہو گئی۔ بات یہ ہے کہ گولی نے اس کا تھوڑا سا خون بہایا تھا' اور وہ ذہنی طور پر بے ہوش ہو گیا تھا' اور اس سے زیادہ اسے کوئی اور نقصان نہیں پہنچا تھا۔ قدرتی بات ہے کہ میں ایک زندہ شخص کو غرقاب نہیں کر سکتا تھا۔"

"ہاں...... یہ ٹھیک ہے۔"

میں نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لیکن تم نے یہ خوشی سریتا کو آ کر کیوں نہیں سنائی؟"

میرے اس سوال پر ڈاکٹر نارنگ کچھ سمٹ سا گیا۔ پھر وہ اٹھا اور بیگ اٹھانے کے بعد میری طرف منہ کر کے جواب دیا۔

"دراصل ہوا یہ کہ جب وہ ہوش میں آیا تو یہ جان کر خوش ہوا کہ...... سریتا اپنے آپ کو اس کا قاتل سمجھ بیٹھی ہے۔ جب سبھاش نے مجھے سختی سے منع کر دیا کہ اسے ہرگز نہ بتاؤں' اور اسے اس غلط فہمی میں رہنے دوں' اور اس نے مجھے بدنام کرنے کی دھمکی بھی دی کہ اگر میں نے سریتا کی غلط فہمی دور کر دی' یا کسی اور کو یہ بتایا کہ وہ زندہ ہے' تو وہ حلفیہ بیان دے کر مجھے کبھی نہ کبھی کسی بھی سنگین جرم کے الزام میں گھسیٹ لے گا۔ تم جانتے ہو کہ کوئی بھی الزام ایک معزز شخص کو بالکل تباہ کر سکتا ہے۔

چنانچہ میں خوف زدہ ہو گیا۔ کیوں کہ میں اس کے کسی بھی الزام کیے تردید نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا میرے اس کی بیوی کے ساتھ تعلقات ہیں۔ وہ بڑا ہی کمینہ اور بدفطرت شخص ہے مسٹر اجیت! یہی وجہ ہے کہ میں نے اس کا راز چھپانے کی ہامی بھر لی۔

+++

میں ڈاکٹر نارنگ کو رخصت کرنے نیچے بیرون دروازے تک گیا۔ وہ موٹر بوٹ میں بیٹھ کر چلا گیا۔ جب تک اس کی موٹر بوٹ نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی' اس وقت تک کھڑا رہا۔

مشرق سے صبح کا سپید نمودار ہو رہا تھا اور ہوا خوشگوار تھی' جس سے موسم بڑا خوشگوار ہو گیا تھا۔ ایسا سہانا موسم کہ جسم میں فرحت بن کر اتر رہا تھا۔

صبح کے دھندلکے میں ٹیلے کی اوٹ سے ایک کشتی نمودار ہوئی۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ میں اسے خالی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ ابھی اتنی روشنی نہیں ہوئی تھی' کہ کشتی واضح طور پر دکھائی دیتی۔ بس ایک خاکہ سا نظر آ رہا تھا۔ میں کشتی پر بھی نگاہیں جمائے سوچ رہا تھا کہ سریتا بیدار ہو کر فرار ہونے کی پھر کوشش کرے گی۔ تاہم میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ سریتا کے ساتھ ہرگز ہرگز نہیں جاؤں گا۔

مجھے ہر صورت میں قانون سے تعاون کرنا تھا' اور نیوی کے انوسٹی گیشن کو رپورٹ کر دوں کہ مجھے مافیا نے اغوا کر کے یرغمال بنایا ہوا ہے۔ میں سریتا کے ساتھ نکل جانے کے باوجود اپنی مرضی سے کہیں اور آ جا نہیں سکتا تھا۔ کیوں کہ میں ابھی پوری طرح صحت یاب نہیں ہوا تھا۔ معلوم نہیں وہ مجھے کہاں لے جائے......؟

+++

میں انہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ...... اچانک دریا کی سطح پر کافی دور ایک چمک سی نظر آئی۔

اس چمک پر نظر پڑتے ہی میں اپنے خیالوں سے شعور کی دنیا میں آ گیا۔ میں نے غور سے اس طرف دیکھا' مگر وہ پراسراری چمک اب غائب ہو چکی تھی اور دریا کا پانی پرسکون نظر آ رہا تھا۔

میں بدستور دریا کی سمت نگاہیں جمائے دیکھتا رہا۔ اس پراسراری چمک کو دیکھ کر میرا تجسس بڑھ گیا تھا۔ دوسری مرتبہ پھر وہی پراسراری چمک نظر آئی' لیکن وہ آدھا میل کے فاصلے پر تھی۔ کوئی چمک تھی' جو رفتہ رفتہ قریب آ رہی تھی۔ یہ بڑی عجیب سی چمک تھی' میں ایک عرصے تک سمندر پر جاتا رہا تھا' لیکن اس کے باوجود میں اس چمک کو پہچان نہ سکا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ پراسراری چمک تھی۔ میں نے کبھی ایسی چمک دیکھی نہ تھی۔

میں تیزی سے چلتا ہوا کمرے میں پہنچا' اور وہاں میز پر پڑی ہوئی دوربین اٹھا لایا۔ دوربین آنکھوں سے لگانے کے بعد اس پراسراری چمک کو ڈھونڈنے میں مجھے تقریباً ایک منٹ لگ گیا۔

اب وہ چمک مزید قریب دکھائی دی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق وہ چمک تقریباً چھ سو گز کے فاصلے پر ہوگی۔ نقاہت کی وجہ سے میں دوربین کو مسلسل اٹھائے رکھنے میں دقت محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے دروازے سے ٹیک لگائی' اور غور سے دیکھنے لگا۔ یہ چمک تھوڑی تھوڑی دیر بعد سطح پر نمودار ہوتی' اور پھر ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ قریب محسوس ہوتی۔

اور قریب آنے پر معلوم ہوا کہ وہ کوئی بدروح' بھوت پریت نہیں بلکہ آدم زاد ہے' جو تیرتا ہوا رفتہ رفتہ سہاش کے ڈاک کی طرف آ رہا ہے۔ اب بھی فاصلہ اتنا کم نہیں تھا کہ اس کی

شخصیت کے متعلق کچھ کہا جا سکتا۔ کیوں کہ وہ بار بار غوطہ لگاتا اور پھر کسی قدرے قریب پانی کی سطح پر ابھرتا۔ صبح کی روشنی اب خاصی ہو گئی تھی۔ اس کے نہانے کا ریشمی سوٹ صاف دکھائی دینے لگا تھا' اور یہ چمک جو تھی' اس ریشمی سوٹ کی وجہ سے تھی۔

اب وہ تیراک دریا کے کنارے اتھلے پانی میں کھڑا تھا۔ میں اسے پہچان کر دم بخود رہ گیا تھا۔ لمحے کے لئے یقین نہ آیا۔ یقین نہ کرنے والی بات نہ تھی۔ یہ شوخ وشنگ لڑکی سروجا تھی۔

لڑکی نے ایک جھٹکے سے اپنے بال منہ پر سے ہٹائے' اور اس مکان پر ایک طائرانہ نظر ڈالی' اور پھر اس طرح تیزی سے بھاگتی ہوئی درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گئی' جیسے کوئی عفریت اس کے تعاقب میں ہو۔ یہ جھنڈ مکان کے بائیں جانب تھا۔

میں جس جگہ کھڑا ہوا تھا' وہ جگہ قطعی موزوں نہ تھی۔ چوں کہ لڑکی کے پاس دوربین نہ تھی اس وجہ سے وہ مجھے دیکھ نہ سکی تھی۔ لیکن زیادہ قریب آنے پر وہ مجھے دیکھ سکتی تھی۔ یہی سوچ کر میں نے لڑکی پر نظر رکھنے کا فیصلہ کیا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ لڑکی مکان کی طرف ضرور آئے گی۔ اس نے اپنی کشتی کسی ٹیلے کے عقب میں کھڑی کی ہو گی' اور پھر وہاں سے تیرتی ہوئی معلوم نہیں کس مقصد سے مکان کی طرف آ رہی تھی۔

نگرانی کرنے کے لئے نچلی منزل میں واقع کمرہ طعام بہترین تھا۔ اس کمرے کی کھڑکی میں سے دریا کی بالائی سمت اور مکان کے سامنے کا رخ بخوبی دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ میں مڑا اور کمرہ طعام کی کھڑکی سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے ذہن میں بار بار یہ خیال خلجان پیدا کئے دیتا تھا' کہ آخر یہ لڑکی کیا کرنا چاہتی ہے؟

میرا خیال تھا کہ وہ اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرے گی۔ ڈاک سے قریب اور عقب میں جو یارڈ ہے' شاید وہ وہاں سے خاصی دیر میں نمودار ہو' لیکن جب وہ درختوں کے جھنڈ سے نمودار ہوئی تو محتاط نہ تھی۔ وہ تقریباً تیزی سے دوڑتی ہوئی ڈاک کی سمت بڑھ رہی تھی۔ شاید اسے یہ خیال ہو کہ درختوں کی وجہ سے اسے کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ لیکن وہ یہ بات بھول گئی تھی کہ چمک دار لباس غسل کی وجہ سے دوبارہ آسانی سے قرب و جوار کے ٹیلوں والوں کی نظر میں آ سکتی ہے۔

اتنی دور تیراکی اور بھاگنے کے باوجود وہ کسی بھی طرح مضمحل اور تھکی ہوئی دکھائی نہ دی

تھی۔ دوربین سے اب میں اس کی حرکت وسکنات کا بغور اور اطمینان سے جائزہ لے سکتا تھا۔
ڈاک کے قریب وہ کیچڑ دیکھ کر ٹھٹکی۔ اور پھر کیچڑ سے کسی قدر کترا کر دوبارہ دریا میں اتر گئی۔

اس کے انداز و اطوار سے اب احتیاط ظاہر ہو رہی تھی' کہ کہیں کوئی اس کی حالت اور حرکات وسکنات کو پراسرار نہ سمجھ لے۔ اس لباس میں اس کی حالت ایک طرح سے نامناسب ہی لگتی تھی۔

ڈاک تک پہنچنے کے لئے وہ دیر تک دریا کی سطح پر نیچے کسی ماہی کی طرح تیرتی رہی تھی۔ جب سانس لینے سطح پر ابھری' تو نہایت آہستگی اور محتاط انداز سے' تاکہ سطح پر ہلچل پیدا نہ ہو۔ اس کی یہ عجیب وغریب حرکات وسکنات سمجھ سے بالاتر تھیں۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ پیراکی کے لباس میں ہونے کی وجہ سے اتنی محتاط ہو رہی ہو۔

اس لباس میں مغربی پیراکی کے لباس جیسی بے حجابی بھی نہیں تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو اس دیش کی عورتیں ساحل سمندر پر نہانے اور تیرنے سے گریز کرتیں' اور خود بھی اس لباس میں نہیں نکلتی۔ کیوں کہ کوئی بھی اسے اس لباس میں موٹر بوٹ سے دیکھ سکتا تھا۔ اس دریا میں لوگوں کی آمدورفت موٹر بوٹوں سے ہوتی تھی۔ خشکی کا راستہ نہ تھا۔

پھر ڈاک کے قریب وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی' لیکن اب اس کی منزل مقصود مجھ پر واضح ہو چکی تھی۔ اس لئے میں نے کشتی پر دوربین واضح کر دی۔ چند لمحوں کے بعد وہ کشتی کے قریب دکھائی دی' اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کشتی کی ریلنگ کا سہارا لیا' اور ایک جست لگا کر کشتی میں سوار ہو گئی' اور چند لمحوں میں کشتی میں غائب ہو گئی۔

اگر میں نے تجسس کے زیر اثر شروع ہی سے اس پر نظر نہ رکھی ہوتی' اسے کشتی میں سوار ہوتے بمشکل ہی دیکھ پاتا۔ کیوں کہ ایک تو درختوں کی چھدری چھاؤں تھی' اور دوسرے اس نے بڑی پھرتی اور سرعت سے کام لیا تھا۔

میں تھوڑی دیر تک کشتی کی طرف دیکھتا رہا۔ مگر اب اس کا دکھائی دینا بہت مشکل تھا۔
میں نے آنکھوں سے دوربین ہٹا کر اسے کمرہ طعام کی میز پر رکھ دیا' اور پس وپیش میں پڑ گیا۔ اس لئے اس کی حرکات وسکنات مجھے بہت پراسرار لگی تھیں' جس نے میرے تجسس کو بڑھا دیا تھا۔

اب مجھے اپنے اقدام کا فیصلہ کرنا تھا' بس یہی ایک راستہ تھا کہ میں خود کشتی پر جا کر لڑکی کے اس اچانک اور غیر متوقع آنے کی غرض وغایت معلوم کروں۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں تھی۔

میں یہ سوچ اور فیصلہ کر کے گھر سے باہر آیا' اور ایک ثانیہ کے لئے گردونواح پر نگاہ ڈالی۔ مجھے خیال آیا کہ میں نے اب تک مکان کی بیرونی سمتوں کو نہیں دیکھا۔ کیوں کہ جس وقت مجھے یہاں لایا گیا' اس وقت میری حالت بڑی ابتر تھی۔ مکان لکڑی کا بنا ہوا تھا' اور اس کا روغن جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ یہ ایک ایسا گھر تھا' جس نے کبھی اچھے دن دیکھے تھے۔ یہ بہترین لوگوں کا مسکن رہا تھا۔

رکنے کا احساس ہوتے ہی میں ڈاک پر جانے والے راستے کی طرف چل دیا۔ اور دل ہی دل میں اپنے آپ کو تسلی دینے لگا کہ اس لڑکی سے خائف ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ محض نوے پونڈ کی لڑکی ہے...... بے حد نرم و نازک سی...... نازک سی ڈالی کی طرح' اور پھر میرے پاس پستول موجود ہے۔ اس سے اچھا محافظ کون ہو سکتا ہے۔

ایک اور خیال بھی میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا' لیکن میں نے اسے جھٹک دیا۔ میں ایسا شخص نہیں تھا کہ اس پستول کی مدد سے اس لڑکی سے کسی قسم کا فائدہ اٹھاؤں۔ ایسا کرنا کچھ مشکل بھی نہ تھا۔ شاید میری جگہ کوئی اور ہوتا' تو شاید وہ چوکتا بھی نہیں۔ اس لئے اس کی حالت اور وہ لڑکی ہی ایسی تھی۔ اور پھر تنہائی میں ایک شریف آدمی کا بہک جانا ایک فطری امر تھا۔ میں تو تجسس کے زیر اثر جا رہا تھا۔ میری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھی۔

ڈاک تک پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں' جو موسموں کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے جگہ جگہ سے کٹی پھٹی ہوئی تھیں' لیکن اس کے باوجود وہ اب بھی مضبوط تھیں۔ اس کی لکڑی میں پائیداری نظر آتی تھی۔

احتیاط سے سیڑھیاں اترتے ہوئے مجھے پہلی دفعہ احساس ہوا' کہ میں ابھی اس قابل نہیں ہوں کہ کسی سخت مشقت کا سامنا کر سکوں۔ ابھی میرے جسم میں سابقہ توانائی لوٹ کر نہیں آئی ہے کہ میں اپنا خیال رکھوں۔

میں چھپ چھپا کر لڑکی کی حرکات وسکنات کو دیکھنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ یہ ایک فطری امر ہے' کہ کسی عورت کو چھپ چھپا کر دیکھنے میں مردوں اور جوان لڑکوں کو ایک عجیب

سا لطف اور حظ محسوس ہوتا ہے' جو کہ سامنے دیکھنے میں نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے پڑوس میں کمروں کی کھڑکیوں کی اوٹ سے کیا جاتا ہے۔ عورت بھلے کسی بھی حالت میں کیوں نہ ہو۔

چوں کہ میں لڑکی سے صرف سامنا کرنا چاہتا تھا۔ میرے دل میں کوئی میل تھا' اور نہ آنکھوں میں دل کا میل آیا تھا۔ عورت ایک ایسی شے اور نظارہ ہے کہ مرد کا بہک جانا' اور ناگ بن جانا فطری ہی ہوتا ہے۔ حالانکہ میں بڑی احتیاط سے اتر رہا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ زینہ اترتے وقت کافی آہٹ ہو رہی تھی۔ سناٹے کے باعث اس کی گونج ہو رہی تھی۔

میں کسی نہ کسی طرح ڈاک پر پہنچا۔ ڈاک اس سے زیادہ بڑا تھا' جتنا گھر سے نظر آتا تھا۔ اس کے ایک سرے پر کشتی ہلکے ہلکے ہلکورے لے رہی تھی۔ کشتی کے عرشے کی کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس لئے ڈاک پر کھڑے ہو کر کچھ دیکھنا ناممکن سی بات تھی۔

میں نے کشتی کا ناقدانہ انداز سے جائزہ لیا۔ یہ ایک چالیس فٹ لمبی کشتی تھی' اور ایسا نظر آتا تھا' جیسے اس پر کافی محنت کی گئی ہے۔ اور تقریباً ہر قسم کے ضروری ساز و سامان سے لیس ہے' تاکہ سفر کے دوران کوئی دِقت نہ ہو اور کسی چیز کی ضرورت اور کمی بالکل بھی محسوس نہ ہو۔

میں کشتی پر سوار ہو گیا' اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ کیبن کا دروازہ کھلا تھا' اور سروجا اپنا پاؤں اپنی گود میں رکھے ہوئے بیٹھی تھی۔ چرمی کیس ابتدائی طبی امداد کا سامان اس کے پاس پڑا تھا۔ جوں ہی میں آگے بڑھا، سروجا نے سر اوپر اٹھایا۔ ہم دونوں کی نظریں ملیں۔ اس نے کسی تعجب کا اظہار کئے بغیر کہا۔

''ہیلو...... سہاش! ذرا مجھے رومال تو دینا۔'' پھر وہ ہنس کر بولی۔

''پتا نہیں لوگ ٹوٹی ہوئی بوتلیں کنارے پر کیوں پھینک دیتے ہیں...... یہ دیکھو...... کتنا خون بہہ رہا ہے۔ اچھا اب ذرا ایک پٹی تو کھول دو۔''

میں کوئی جواب دیئے بغیر کسی معمول کی طرح اس کے احکام کی تعمیل مشینی انداز میں کرنے لگا۔

میں چھ برس کے بعد کسی نجی کشتی پر سوار ہوا تھا۔ مجھے سمندری حدود میں اپنی ملازمت کے دوران بڑے جہازوں پر سفر کا تجربہ تھا۔ کبھی ایسی کشتی میں قدم نہ رکھا تھا' دیکھنے اور قدم رکھنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

کشتی کے اگلے حصے میں واقع کمروں کا خیال میرے سارے بدن میں سنسنی اور ذہن میں ہلچل پیدا کر رہا تھا۔

مجھے خدشہ تھا کہ لڑکی تنہا نہیں ہے۔ اس کا ایک مضبوط اور تنومند...... سہاش جیسا ساتھی ضرور کشتی کے کسی حصے میں موجود ہوگا۔ یہ کشتی سہاش کی محفوظ ترین پناہ گاہ تھی۔ خصوصاً اس صورت میں کہ اس کی بیوی اس غلط فہمی میں مبتلا تھی' کہ اس کا شوہر اس کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔

میں خاموشی سے سروجا کو مرہم پٹی کرتے دیکھتا رہا۔ میں نے دانستہ اس کی کوئی مدد نہیں کی۔ اس کا خوب صورت سڈول اور گورا پاؤں زخمی تھا۔ اس نے زخم پر پٹی باندھنے کے بعد رومال میری طرف بڑھایا۔

میں نے رومال پکڑتے ہوئے غور سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس لئے کہ اس بات کا اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ' کیا وہ واقعی مجھے سہاش ہی سمجھ رہی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ مجھے بنا رہی ہو؟ آخر یہ لڑکی بار بار دیکھی ہوئی کشتی کو دیکھنے تو نہیں آئی۔ یہ یقیناً کسی سے ملنے کے لئے آئی ہے۔

معاملہ خواہ کچھ بھی ہو' میں زیادہ دیر تک خاموش رہنا نہیں چاہتا تھا۔ میں صرف اسے دیکھنے تو نہیں آیا تھا۔ دیکھنا ہی ہوتا تو کشتی پر کیوں آتا؟ میں دوربین لئے کھڑکی میں کھڑا اس کے کشتی سے باہر نکلنے کا انتظار کرتا۔ دوربین سے بڑے غور اور اطمینان سے دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن جب میں نے کچھ کہنے کی نیت سے منہ کھولا' تو مجھے خیال آیا کہ میں سہاش کی آواز اور لہجہ بھول چکا ہوں۔ مجھے تو بس رات اس کی سرگوشی اور اس کا بھاگتا ہوا ہیولا یاد تھا۔

اب چوں کہ مجھے کہنا تھا' اس لئے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

''کیا میں یہ رومال دھو کر لے آؤں؟ کیا اس کی دوبارہ ضرورت پڑے گی؟''

مجھے اپنے ہی آواز بڑی اجنبی سی محسوس ہوئی' لیکن سروجا نے بے چینی کا قطعاً اظہار نہیں کیا۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ اگر اسے ذرا سا بھی آواز پر شک ہوتا تو وہ چونک پڑتی۔

اس نے ابتدائی طبی امداد کا چمڑے کا کیس بند کر کے میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... سہاش...... اور یہ بھی ساتھ رکھ دینا۔ رومال کی ضرورت تو پڑتی ہی رہتی

ہے۔"

مجھے پتا نہیں تھا کہ اس کیس کے لئے کون سی جگہ مخصوص ہے۔ اس جگہ کا سروجا کو ہی پتا تھا۔ میں الجھن میں پڑ گیا۔ تاہم خیر رہی کہ اس نے میرے ساتھ چلنے کا کوئی ارادہ ظاہر نہ کیا۔

کیبن سے نکل کر اور زینہ اتر کر میں کشتی کی گیلری تک پہنچا' تو میں محتاط اور چوکنا تھا۔

میں نے ہاتھ جیب میں پڑے پستول پر رکھا ہوا تھا' کیوں کہ سارے ماحول پر ایک عجیب سی پراسراریت اور وحشت چھائی ہوئی تھی۔ میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ پھونک پھونک کر جیسے قدم رکھ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ نادیدہ عفریت مجھے اپنے حصار میں لینا چاہتی ہو۔ پھر میں گیلری سے گزر کر کشتی کے بڑے کمرے میں پہنچا۔

میری نگاہیں ہر طرف جائزے کے انداز میں اٹھ رہی تھیں۔ ابتدائی طبی کیس رکھنے کا مسئلہ از خود حل ہو گیا۔ بڑے کمرے میں ایک خانہ کھلا ہوا تھا' جس کے اوپر ریڈ کراس کا نشان بنا ہوا تھا۔ میں نے کیس وہاں رکھ کر خانہ بند کر دیا۔

پھر میں نے جیب سے پستول نکال کر اسے مضبوطی سے ہاتھ میں تھام لیا۔ پھر ان تینوں کمروں کی طرف بڑھا' جن کے دو دروازے بڑے کمرے میں کھلتے تھے، اور جو اس وقت بند تھے۔ پھر میں نے بڑی احتیاط اور آہستگی سے ایک ایک کمرے کے دروازے کھولے' مگر تینوں کمرے خالی نکلے۔ وہ بھائیں بھائیں کر رہے تھے۔

تیسرے کمرے کی دوسری طرف ایک اور چھوٹا سا دروازہ تھا۔ میں آگے بڑھا' اور اس دروازے کو کھول کر دیکھا۔ اب میں کشتی کے عقبی حصے میں پہنچ چکا تھا۔ اس چھوٹے سے کمرے کو سٹور کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا' کیوں کہ یہاں رسیاں اور پائپ پڑے ہوئے تھے۔ یہاں سے ایک آہنی زنجیر کشتی سے باہر پانی میں لٹکی ہوئی تھی۔

میں خالی الذہن سا کھڑا ہوا تھا' کہ کشتی کو ایک جھٹکا سا لگا' اور کشتی تھرتھرانے لگی۔

اس اچانک جھٹکے نے میرا توازن بگاڑ دیا۔ اگر میں فوراً دروازے کا سہارا نہ لیتا' تو کشتی کے فرش پر گر پڑا ہوتا۔ کسی نے کشتی کا انجن چلا دیا تھا۔ میں سنبھل کر مڑا۔ مجھے کچھ ایسا گمان ہو رہا تھا' جیسے میں کسی پراسرار جال میں پھنس گیا ہوں۔ جب میں تیزی سے کیبن میں پہنچا' تو وہ کنٹرول پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"کیا کر رہی ہو تم......؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر بٹن دبایا' تو انجن بند ہو گیا' پھر اس نے جواب دیا۔

"یہ دیکھ رہی تھی کہ اتنا عرصہ کھڑے رہنے کے بعد انجن کام کرتا ہے یا نہیں؟"

"تم نے مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"تم آج کل اتنی جلدی ڈر کیوں جاتے ہو؟" وہ مجھے گھورتی ہوئی بولی۔

"تم اتنی دیر وہاں کیا کرتے رہے؟ تم جانتے ہو کہ میں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتی۔ تم یہ بات بھول کیوں جاتے ہو؟"

"میں یوں ہی چیک کر رہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"سب چیزیں ٹھیک ٹھاک ہیں۔ بظاہر ان میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔ لہٰذا پریشانی کی کوئی بات نہیں۔"

"شاید کشتی میں کوئی نقص ہو؟" وہ بولی۔

"نہیں...... مجھے نظر تو نہیں آیا۔"

یہ کہہ کر میں نے جھک کر دریا کے پانی میں خون آلود رومال ڈال کر اسے اچھی طرح سے ڈبو دیا' اور اسے ہاتھ سے اچھی طرح سے رگڑ کر دھونے لگا تھا۔ رومال دھو کر فارغ ہوا' تو وہ کیبن کی کھڑکی کھول کر باہر کا نظارہ کر رہی تھی۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ اس کے جسم کے تناسب جو تراشیدہ تھے' عجیب بہار دے رہے تھے۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" میں نے غیر ارادی طور پر پوچھا۔

"بس...... یوں ہی......" اس نے میری طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"اس وقت وہ کیا کر رہی ہے......؟"

"کون......؟ سریتا......؟ وہ گہری نیند سو رہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا وہ دن نکلنے کے وقت بھی گہری نیند سوتی ہے؟ نہیں...... وہ تو جلد بیدار ہو جانے کی عادی ہے۔" وہ بولی۔ "میں نے اسے طلوع آفتاب سے قبل کئی بار کھڑکی میں دیکھا۔ کیا وہ ساری رات تک جاگنے کے بعد سوئی ہے؟ لیکن تم اتنی جلدی کیسے بیدار ہو گئے؟" وہ ایک ہی سانس میں بول گئی۔

"بات یہ ہے کہ علی الصبح اس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا تھا۔ میں نے ڈاکٹر نارنگ کو فون

کر کے بلوا لیا تھا' جس نے اسے کوئی خواب آور دوا دے دی ہے۔ اب وہ دوپہر تک سوتی رہے گی۔''

اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ پھر کچھ سوچ کر بند کر لیا' اور وہ میرے پاس سے گزری۔

تب میں پہلی بار یہ محسوس کر کے حیران سا ہوا کہ وہ کافی دل کش لڑکی ہے۔ اس میں بڑی جاذبیت اور دل فریبی بھی ہے' جو میں کسی وجہ سے محسوس نہ کر سکا تھا۔ اس وقت وہ ایک نہایت بے پروا کسی جنگلی ہرنی کی طرح نظر آ رہی تھی۔ لیکن اس نے قریب سے گزرتے ہوئے بہکا دیا تھا۔ رات کی رانی کی طرح۔

میں اسے ناقدانہ نظروں سے دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ ابھی یہ ایسا نگینہ ہے' جسے کسی جوہری نے ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا۔ ابھی اس کی تراش خراش نہیں ہوئی۔ اگر اس نگینے کی مناسب تراش خراش ہوتی' بلاشبہ یہ انمول اور نایاب نگینہ بن سکتا تھا۔ اگر اس کی عادات و اطوار میں سلیقہ اور شائستہ پن اور حجاب آ جائے' تو یہ ایک باوقار عورت بن سکتی ہے...... یہ عورت کے زیور ہیں۔

اس کی طرف دیکھتے ہوئے چند لمحوں کے لئے میں یہ بات بھول گیا تھا' کہ میں یہاں کس لئے آیا تھا؟

یا کن حالات نے ہمیں ایک کشتی میں یکجا کر دیا تھا۔ پھر مجھے اچانک سبھاش کا خیال آیا۔

اس نے یقیناً سروجا کے حسن میں وہ دل فریبیاں دیکھ لی تھیں' جو میں نے اب دیکھی تھیں۔ اور شاید سبھاش نے تہہ کر لیا تھا' کہ وہ اس ... اور سرکش حسن کو مطیع کر کے جینے اور زندگی سے محظوظ ہونے کا انداز سکھا دے گا۔ پھر وہ ایک ...نڈری لڑکی نہیں رہے گی۔

کیا پتا اپنی بیوی سریتا کی بے وفائی' اور اس کے پھوہڑ پن سے نالاں ہو کر سبھاش نے یہ فیصلہ کیا ہو؟ وجہ کچھ بھی ہو...... سبھاش کا یہ فیصلہ کسی طرح نہیں تھا۔

''سبھاش! کیا بات ہے؟'' اس کی شیریں آواز مجھے خیالوں کی دنیا سے نکال لے آئی۔

''تم میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟ ایسا لگ رہا ہے جیسے تم مجھے پہلی بار

دیکھ رہے ہو؟''

''یہ تم نے کیسے جان لیا کہ میں کس انداز سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''جب کہ میرا چہرہ پٹیوں میں لپٹا ہوا ہے...... اور اس طرح سے کسی بات کا اندازہ کرنا کس قدر مشکل ہے۔''

''پٹیاں......؟'' اس نے ایک گھٹا ہوا سانس لیا۔

''اوہ سبھاش! کیا تمہارا خیال ہے کہ۔'' وہ اچانک چپ ہو گئی۔ پھر ایک لمحے کے بعد بولی۔

''کیا بات ہے؟ کیا کوئی ناگوار بات واقع ہو چکی ہے؟ کیا تمہیں اس بات کا کوئی خوف دامن گیر ہے کہ زخموں نے تمہاری صورت بگاڑ دی؟ کیا یہی وجہ ہے کہ تم پرائے پرائے سے لگتے ہو۔ شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر تمہارا چہرہ خراب ہو گیا ہے تو میں تم سے نفرت کرنے لگوں گی۔ مجھے بتاؤ آخر بات کیا ہے؟ جو تم اس قدر پریشان اور متفکر سے باتوں سے معلوم ہو رہے ہو؟''

پھر اس نے ایک قدم میری طرف بڑھایا۔ اس کا نرم و گداز اور دریا کے پانی میں بھیگا ہوا جسم میرے بازوؤں میں تھا۔ اس کی مرمریں...... گداز اور سڈول بانہیں میرے گلے کا ہار بنی ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ...... میرے چہرے سے چھو رہا تھا۔ اس کے سرخ و گداز ہونٹ، جو تراشیدہ تھے' مجھے پیش قدمی کی دعوت دے رہے تھے۔

وہ مجھے اپنا محبوب سمجھ کر میرے قریب آ گئی تھی۔ میری شرافت اور فطرت کو گوارا نہ تھا' کہ میں فائدہ اٹھاؤں۔ چنانچہ میں نے اسے کندھوں سے تھام کر غیر محسوس انداز سے پرے ہٹا دیا۔ پھر میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

''سروجا! ہوش میں آؤ...... اتنی جذباتی نہ بنو۔''

سروجا کا چہرہ لمحے کے لئے زرد ہو کر رہ گیا۔ اسے جیسے یقین نہیں آیا۔ میری یہ حرکت جیسے غیر متوقع تھی۔ اس نے چند ثانیہ کے بعد سنبھل کر پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

''لیکن سبھاش! پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا؟ پہلے تو تم نے مجھے کبھی یوں نہیں دھتکارا؟ آخر تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟ تم میں اچانک یہ تبدیلی کیسی......؟''

''میں...... میں سبھاش نہیں ہوں مس سروجا مکرجی!'' میں نے کہا۔

"ہوش میں آؤ...... اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔"

وہ مجھے تیز نگاہوں سے گھورتی ہوئی بے اختیار تیزی سے دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس پر ایک طرح سے خوف اور سراسیمگی طاری ہوگئی۔ اس کا چہرہ زرد پڑتا گیا' اور آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ ساکت ہوکر مجھے دیکھنے لگی۔

میرا خیال تھا کہ وہ کچھ کہنے گی۔ اس نے زبان سے ایک لفظ نہیں نکالا۔ میں نے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر کہا۔

"ہاں...... میں سبھاش نہیں ہوں...... بے بی! نہ میں سبھاش بن سکتا ہوں۔ مجھے اس بات پر فخر رہے گا کہ میں نے سبھاش بنے رہنے کی کوشش جاری نہیں رکھی' اور تمہاری کمزوری سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس لئے آج کا دن میری زندگی کا ایک شاندار دن ہے۔ ناقابل فراموش اور یادگار دن۔ میری آتما ایک عجیب سی شانتی محسوس کر رہی ہے۔ اسے بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ قلب کو بڑی طمانیت ملی ہے' کیوں کہ میں نے ایک معصوم لڑکی کو دھوکا نہیں دیا۔ اسے کسی پھول کی طرح پامال نہیں کیا۔ میں ایک گنہگار' مکار اور جھوٹا شخص تو ہوسکتا ہوں' لیکن سبھاش نہیں۔ میں اس لئے تم پر اپنی اصلیت ظاہر کر رہا ہوں تا کہ تم مجھے اور......"

میں نے آخری جملہ ادھورا چھوڑ دیا' کیوں کہ سروجا نے بے تحاشا ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

اب میں اسے گھور کر حیرت سے دیکھ رہا تھا' اور میں اس خیال سے پریشان سا ہوگیا تھا کہ کہیں یہ ہنسی بھی سریتا کی طرح ہسٹریائی نہ ہو۔ ایک نئی مصیبت گلے نہ پڑ جائے' لیکن نہیں...... اس کی یہ ہنسی ہر طرح سے صحت مند اور معمول کے مطابق لگ رہی تھی اور پھر وہ ہنستے ہوئے اتنی پیاری لگ رہی تھی' کہ میری جگہ سبھاش اگر ہوتا تو شاید وہ بہک جاتا۔ پھر وہ اپنی دلکش ہنسی پر قابو پا کر بولی۔

"معاف کرنا ڈیئر! میں اپنی ہنسی روک نہیں سکی۔ تم واقعی ایک ملاح ثابت ہوئے' اور میں پانچ سوٹا کا کی شرط ہار گئی ہوں۔"

"پانچ سوٹا کا کی شرط؟" میں نے تعجب سے اس کی دلکش آنکھوں میں جھانکا۔ اب وہ پوری طرح سنبھل چکی تھی۔

"ہاں......" اس نے اپنا خوش نما سر ہلا دیا۔

"میرے آنٹی سرسوتی کے درمیان شرط بندھی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ تمہارا منہ کھلوانے کے لئے ضروری ہے کہ میں تم سے اظہار محبت کروں۔ انہوں نے کہا تھا کہ کوئی شریف آدمی کسی اور کا بہروپ بھر کر اس کی محبوبہ سے تنہائی میں فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس لئے میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ...... کیا واقعی تمہارے متعلق ان کا اندازہ ٹھیک تھا؟ پتا نہیں انہوں نے یہ قیاس کیسے کیا کہ تم ایک شریف آدمی ہو۔ اس بات پر پانچ سوٹا کا کی شرط لگ گئی۔"

اس کی دلکش مسکراہٹ معدوم ہو چکی تھی۔ اب ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ اچانک ہوا کے دباؤ سے کشتی کو ایک دھچکا لگا۔ اس نے گھٹنوں کے سہارے اس دھچکے کو برداشت کیا۔ اور میں کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے توازن قائم نہ رکھ سکا۔ بری طرح لڑکھڑا گیا۔ لڑکھڑاہٹ کے عالم میں غیر ارادی طور پر میرا ہاتھ سروجا کی طرف بڑھا' تو وہ زرد ہوکر رہ گئی۔ مگر فوراً ہی اسے اس بات کا احساس ہوگیا کہ ہاتھ اسے پکڑنے کے لئے بلکہ سنبھلنے کے لئے اٹھا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"تمہیں کب اس بات کا علم ہوا کہ میں سبھاش نہیں ہوں......؟" میں نے سنبھلنے کے بعد پوچھا۔

"دو دن پہلے......" اس نے ہوا سے پیشانی پر آئی ہوئی بالوں کی لٹیں ہٹا کر جواب دیا۔

"وہ کیسے......؟" میں نے اس کی موہنی صورت کو نظروں کی گرفت میں لے کر سوال کیا۔

"دو دن پہلے...... جب میں تم سے ملی تھی' تم پر نظر ڈالتے ہی میں جان گئی تھی کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ دال میں کالا ہے۔" وہ بتانے لگی۔

میں یہ نہیں کہتی کہ میں تمہیں دیکھتے ہی پہچان گئی تھی کہ تم سبھاش نہیں ہو۔ ایک آدمی اپنے بیمار دوست کو دیکھنے جائے تو اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ بیمار دوست کے بجائے بستر پر کوئی اجنبی شخص ہوگا۔ تاہم مجھے شک ہوگیا تھا۔ شک ہو جائے تو وہ آسانی سے دور نہیں ہوتا۔"

اس نے توقف کیا' جیسے اسے تذبذب سا ہو رہا ہو کہ وہ پوری بات کرے یا ادھوری

رہنے دے۔

''تم کہتی جاؤ......'' میں نے اصرار کیا۔ ''بغیر کسی خوف و جھجک کے......''

''سہاش کا قد و قامت تم جتنا ہی ہے۔'' اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''اگر تم میرا مطلب سمجھ سکو میں یہ کہوں کہ وہ اتنا بڑا کبھی دکھائی نہ دیتا' جیسے تم ہو۔ اس کی جسامت میں ایک نرمی اور لطافت سی پائی جاتی ہے۔ میں نے تمہیں بستر پر دراز دیکھا' تو تم مجھے بڑے دکھائی دیئے۔ تمہارے انداز و اطوار ملاحوں کے سے محسوس ہوئے۔ یہ درست ہے کہ میں نے گزشتہ چھ ماہ سے سہاش کو نہیں دیکھا۔ اس امر کے باعث اس کی بیوی مجھ سے بدگمان ہے۔ شاید اسے اس بات کا شک ہے کہ ہم دونوں کہیں خفیہ طور پر ملتے ہیں' اور میرے اس سے تعلقات ہیں۔ میں اس کے لئے ایک پراسراری لڑکی ہوں۔ میں اسے اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے کوشاں ہوں۔ وہم کا علاج ساری دنیا میں کسی ڈاکٹر کے پاس بھی نہیں ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے آج تک اسے ہسپتال کے لباس میں اور کسی ہسپتال میں زیر علاج بھی نہیں دیکھا۔ وہ ہر وقت پینٹ شرٹ کے لباس میں ہی رہتا ہے۔ لباس کے معاملے میں اس کا ذوق بہت اعلیٰ اور نفیس ہے۔ وہ ہمیشہ صاف ستھرے اور قیمتی لباس میں ہوتا ہے۔'' اس نے توقف کر کے اپنے کندھوں کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔

''اس لئے میں سرسوتی آنٹی کے پاس پہنچی کہ...... وہ تمہیں ایک نظر دیکھ کر میرے شک کی تردید یا تصدیق کر دے۔ سرسوتی آنٹی چوں کہ سہاش سے بہت کم ملتی رہی ہیں، اس لئے انہوں نے کوئی حتمی وعدہ نہیں کیا' لیکن میرے اصرار اور عاجزی و انکساری کی وجہ سے تمہیں دیکھ لینے پر آمادہ ہو گئیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ آخری بار جا رہی ہیں۔ بار بار نہیں جائیں گی۔''

چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ پھر سے گویا ہوئی۔

''اس کے علاوہ ایک اور بات بھی تھی' جو میرے شک کو تقویت دے رہی تھی۔ سہاش کے ہاتھ کافی خوب صورت ہیں' اور اسے اپنے ہاتھوں کے حسن کا کافی احساس ہے۔ ایک طرح سے ناز و غرور کرتا ہے' تو غلط نہیں کرتا ہے۔ دیکھنے والے اس کے ہاتھوں کی خوب صورتی سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں اور عورتوں کے دل انہیں دیکھ کر دھڑک

اٹھتے ہیں۔ میں کتنی ایسی نوجوان لڑکیوں اور شادی شدہ عورتوں کو جانتی ہوں' جو اس کے ہاتھوں پر مرمٹی تھیں۔ ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ چنانچہ اس کی عادت ہے کہ اکثر ہاتھ ہلا ہلا کر باتیں کرتا ہے۔ ضرورت ہو نہ ہو، ہاتھوں کی نمائش کرتا رہتا ہے۔

میں نے تمہیں دیکھا کہ اس وقت تمہارے ہاتھ چادر کے نیچے چھپے ہوئے تھے۔ مجھے یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی' کیوں کہ ہسپتال کی رپورٹ کے مطالعے سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ تمہارے ہاتھ بالکل ٹھیک ہیں۔''

اس نے سانس لینے کے لئے توقف کیا تو میں نے پوچھا۔

''تو تم نے ہسپتال کی رپورٹ بھی پڑھی۔''

''ہاں......'' اس نے اثباتی انداز میں سر ہلا دیا۔

''میں یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھی کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے میں تمہیں دیکھتے ہی شک میں پڑ گئی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ سہاش کے سر پر زیادہ چوٹیں لگی ہیں' اور اس کے پاگل ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اس لئے سریتا نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی نیت سے تمہیں گھر پر منتقل کر لیا۔ البتہ ہسپتال کی رپورٹ میں لکھا تھا کہ تم بالکل نارمل حالت میں ہو۔ سو سہاش کے پاگل پن کا خیال میرے ذہن سے نکل گیا۔ تمہیں دیکھنے کے بعد واپسی پر میں سرسوتی آنٹی سے ملی' اور ان سے مدد کرنے کی استدعا کی۔ پہلے تو انہوں نے یہ کہا کہ یہ میری غلط فہمی ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ سہاش کے بستر پر کوئی اور ہو۔ بعد میں وہ میری مدد کرنے پر آمادہ ہو گئیں۔ کیوں کہ وہ خود شکی طبیعت کی مالک ہیں۔''

اس معصوم کی معصومانہ باتیں سن کر میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ ابھر آئی۔ میں نے کہا۔

''تمہارا مطلب میں سمجھ چکا ہوں۔''

دوسرے لمحے میرے تصور میں لاٹھی ٹیکتی ہوئی اس عجیب و غریب عورت کا خاکہ لہرایا' تو میں نے کہا۔

''ان سے ملاقات ہو تو میرا شکریہ ادا کر دینا کہ انہوں نے میرے متعلق اچھی رائے قائم کی۔''

سروجا نے عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ پھر اس نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"ملاح...... تم اپنی طرز کے واحد انوکھے اور بڑے عجیب و غریب شخص ہو۔"

"یہی کچھ تمہارے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے۔" میں نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیا......؟" اس نے اپنی لانبی لانبی گھری پلکیں جھپکائیں۔

"وہ یہ کہ میں اب تک یہ سمجھ نہیں سکا ہوں کہ تم یہ جانتے ہوئے کہ میں سہاش نہیں ہوں' تم اتنے سویرے سویرے یہاں کیا کرنے آئی ہو؟"

اس نے اپنے شیریں سرخ تراشیدہ ہونٹ چباتے ہوئے قدرے تامل سے کہا۔

"میں آج سے پہلے یہاں سے گزری تھی' تو یہ دیکھا تھا کہ اب چین وہاں موجود نہیں ہے...... میں یہ......"

"چین......؟" میں نے درمیان میں اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"کون سی چین......؟"

"کشتی کو لنگر انداز کرنے والی چین......" اس نے جواب دیا۔

"سہاش اس زنجیر کو اس صورت میں کشتی سے لٹکائے نہیں رکھتا تھا' جس صورت میں یہ اب نظر آ رہی ہے۔ وہ اسے ہمیشہ ایک طرف ڈال دیا کرتا تھا۔ پچھلے موسم بہار اور سردیوں میں بھی یہ چین باہر پڑی رہی۔ سو میں دیکھنے آئی تھی کہ وہ چین کہاں ہے؟ لیکن جب میں شام کے وقت گزری تھی تو کنارے پر زنجیر نظر نہ آئی۔ سو میں یہی دیکھنے آئی تھی کہ وہ چین کہاں ہے؟ اب دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ کشتی کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے۔ ہے نا پراسرار سی بات؟"

اتنا کہہ کر وہ خاموشی سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی نگاہوں میں وسوسوں اور خوف کی پرچھائیاں مجھے واضح طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں نے ایک قدم بھی اس کی طرف بڑھایا' تو وہ دریا میں یہ سوچ کر کود جائے گی کہ میں اسے دبوچنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ حالانکہ میں نے اپنی شرافت اور پارسائی کا امتحان اسے دے دیا تھا۔ اسے اعتماد میں لے لیا تھا۔ اس نے مجھے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ اس لئے وہ اپنے زخمی پاؤں کی پروا کئے بغیر مستعد کھڑی تھی۔ جب کہ میری ایسی کوئی نیت نہیں تھی کہ اسے دبوچ کر بے بس کر دوں۔

چند لمحوں کے بعد جب وہ بولی تو سرگوشی کا سا انداز تھا' لیکن اس کے پیچھے کرب ناکی صاف اور واضح طور پر ظاہر تھی۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ مر چکا ہے' اور اسے چین کے ساتھ باندھ کر دریا کی تہہ میں اتارا

جا چکا ہے' اور تمہیں اس کے بہروپ میں پیش کیا جا رہا ہے' تاکہ اس کی پراسرار گمشدگی پر کسی کو شک نہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم سہاش سے متنفر ہو۔ کیا یہ حقیقت ہے تم اس سے شدید طور پر نفرت کرتے ہو؟ اور اس لئے سریتا کے آلہ کار بن کر سہاش کا کردار ادا کر رہے ہو...... نہیں...... میرے...... قریب مت آنا......"

"میں تمہارے قریب نہیں آ رہا۔ تمہارا خیال اور اندازہ غلط ہے۔" میں نے وہیں کھڑے کھڑے کہا۔

"میرے متعلق تم شدید غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی ہو سروجا۔ تم اپنی غلط فہمی دور کر لو۔"

"نہیں...... نہیں...... ہرگز نہیں......" اس نے نفی کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے پورا پورا شک ہے...... پہلے اسے سریتا نے ہر طرح سے تباہ کیا' اور پھر اسے مار ڈالا۔ اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں اس سے انتقام لوں گی۔ وہ میرے ہاتھوں سے بچ نہ سکے گی۔ میں اسے بخش دوں......؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چاہے اس بوڑھے گھوسٹ ڈاکٹر نارنگ اور تم جیسے لوگ اس ناگن کو بچانے کی لاکھ کوشش کریں۔ میں اسے سزا دیئے بغیر نہیں رہوں گی۔ اگر میں اسے اپنے ہاتھوں سے قتل نہ کر سکی تو......"

اس کے چہرے پر سفاکی اور آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اور اس کی آواز سے بھی درشتگی ٹپک رہی تھی۔ وہ کہنے لگی۔

"میں نہیں جانتی کہ اس نے کیسے تمہیں اس معاملے میں پھانس لیا ہے؟ اور کس طرح تم نے اس بوڑھے رقیب ڈاکٹر نارنگ کو برداشت کر رکھا ہے؟ کیا تم دونوں نے کسی معاہدے کے تحت دل بہلاوے کی راہ نکال لی ہے؟"

"سروجا! تم بہت بڑھ رہی ہو؟" میں نے بگڑ کر برہمی سے کہا۔

"اپنی زبان قابو میں رکھو۔ کیوں کہ تمہیں یہ باتیں زیب نہیں دیتی ہیں۔"

"اوہ...... میرے بھگوان......" وہ تیکھے پن سے ہنسی۔

"میرے کھرے الفاظ نے ملاح کو دہلا کر رکھ دیا' کیوں کہ تم میں سچی بات سننے کی برداشت نہیں ہے۔ میں اسے اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ وہ کس قماش کی ہے۔ وہ ایک بدچلن عورت ہے...... اگر اس نے تمہیں پھانس لیا ہے تو اس میں حیرت کی بات نہیں۔ کیوں کہ وہ ایسے جادو منتر جانتی ہے' جس سے مرد اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ دودھ

وغیرہ میں کچھ گھول کر پلا دیتی ہے کہ مرد اس کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے منتر نے تمہیں ایسا اسیر بنا لیا ہے کہ تم اس سے محبت کرنے لگے ہو۔ وہ اپنے منتر سے مردوں کو پھانسنے کا فن جانتی ہے۔ اس کا اصل جادو اس کے بدن کے گداز میں ہے۔"

جوش سے وہ پاگل ہو رہی تھی۔ اس کے منہ میں جو آ رہا تھا' وہ بکے جا رہی تھی۔ سختی اور غصے سے کام لینا مناسب نہ جان کر میں نے نرمی' سکون اور دھیمے سے لہجے میں کہا۔

"اپنی خوب صورت چونچ بند کر کے میری بات سنو...... وہ تمہارا دوست بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ اس کا بال تک بیکا نہیں ہوا ہے۔ بالکل خیریت سے ہے اور......"

"وہ میرا دوست نہیں ہے......" اس نے تنک کر کہا۔

"مجھے بے وقوف نہ بناؤ۔ مجھے تمہاری کسی بات کا یقین نہیں۔"

"اپنی بکواس بند کرو اور میری بات غور سے سنو۔" میں نے ناگواری سے کہا۔

"تم سبھاش کے منصوبوں میں کیا کردار ادا کر رہی ہو؟"

"کیسا کردار......؟ کس بات کا کردار......؟" اس نے جز بز ہو کر کہا۔

"میں بکواس نہیں کر رہی ہوں۔"

"میں نے تم سے کہا نا کہ میری بات غور سے سنو' میں تمہیں ایک بات سمجھانا چاہتا ہوں کہ تم محض ایک مفروضے کی بنیاد پر قتل کی ایک کہانی لے کر پولیس کے پاس ہرگز مت جانا۔" میں نے تکرار کے انداز میں کہا۔

"تم قتل کو مفروضہ قرار دینا چاہتے ہو؟" اس نے تیز لہجے میں کہا۔

"تم کچھ بھی کہہ لو...... کیوں کہ میرا خیال ہے کہ سبھاش کو پولیس کی مداخلت ہرگز گوارا نہیں' اور میں تمہیں بتا دوں کہ اگر اسے معلوم ہوا کہ پولیس کو اس معاملے میں گھسیٹنے والی تم ہو...... تمہارا شکریہ ادا نہیں کرے گا کہ تم نے"

"سنو......" درمیان میں اس نے تیزی سے میری بات کاٹ کر کچھ کہنا چاہا' تو میں نے فوراً ہی ہاتھ کے اشارے سے خاموشی کی تلقین کرتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"خاموش رہو...... وہ زندہ ہے...... میں نے کل رات ہی اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے' تو میرے ساتھ گھر تک چلو میں دیوار پر اس گولی کا نشانہ دکھاتا ہوں' جو اس نے رات مجھ پر چلائی تھی۔ ایشور نے مجھے محفوظ رکھا۔"

میرا خیال تھا کہ وہ میری بات کو سچ جان کر خوش ہو جائے گی۔ میری بات کا یقین کر لے گی' لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اس کا ردعمل بڑا عجیب...... پراسرار اور حیران کن بھی تھا۔ اس نے جوش کے عالم میں ایک قدم میری طرف اس طرح سے بڑھایا' جیسے میرے بازوؤں میں سما جائے گی' اور میرے رحم و کرم پر چھوڑ دے گی۔

مگر پھر اچانک بجلی کی سی سرعت سے مڑ گئی' اور بھاگتی ہوئی بڑے صوفے کے پیچھے جھک گئی۔ ایک چھناکے آواز سنائی دی' جیسے لوہے کی چیز فرش پر گرنے سے ہوتی ہے۔ اس کی یہ حرکت کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔

جب وہ سیدھی ہو کر کھڑی ہوئی' تو میں نے دیکھا کہ اس نے تقریباً دو فٹ لمبا پیچ کس تھاما ہوا ہے۔ اس نے اس لوہے کے پیچ کس کو بلے کی طرح پکڑا ہوا تھا' پھر اس نے ہذیانی لہجے میں چیخ کر کہا۔

"میری طرف بڑھنے کی حماقت مت کرنا۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنی جیب میں پڑے ہوئے پستول کو استعمال کرنے کا سلیقہ نہیں جانتے...... اور نہ ہی دن کی روشنی میں اسے استعمال کرنے کی ہمت رکھتے ہو ملاح۔ تم مجھے کوئی اناڑی شخص دکھائی دیتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ احتیاط سے سنبھل سنبھل کر الٹے پاؤں' ڈیک پر کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کی نگاہیں بدستور میرے ہاتھ پر جمی ہوئی تھیں۔

"سروجی!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیا تمہارے دوست اور تمہاری بیش تر عادتیں ایک جیسی نہیں ہیں۔ کیا...... کیا اس نے پیچ کس کو یوں پکڑنا سکھایا ہے......؟ تم نے اسے کس قدر اناڑی پن سے تھاما ہوا ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟" وہ ایک دم سے رک گئی' اور اس کے چہرے پر حیرت چھا گئی۔

"تم نے ہسپتال کی رپورٹ پڑھی......؟" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں پڑھی تھی......؟ میں تمہیں یہ بتا بھی چکی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"تمہارا مطلب ہے......؟ کیا میں سبھاش کا لباس پہن کر اور اس کی گھڑی باندھ کر...... میں نے جان بوجھ کر یوں زخمی کیا ہے؟ کیا ایسا کوئی احمق سا شخص بھی کر سکتا ہے؟ اور

پھر تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ گاڑی کے لڑھکنے سے پہلے گاڑی کو آگ کس نے لگائی تھی؟ اگر تم ان تمام باتوں پر سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے غور کر لو تو تمہارے لئے یہ فیصلہ کرنا بہت ہی آسان ہو جائے گا' کہ اپنے محبوب کی سیاہ کاریوں پر پردہ ڈالنا زیادہ بہتر ہوگا' یا سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا سروجی!''

وہ ایک دم سے بھری اور فرش پر پیر پٹختے ہوئے پھنکاری۔

''یہ تم مجھے سروجی...... سروجی...... کیوں کہہ رہے ہو......؟ مجھے سروجی مت کہو۔''

''عجیب اور احمقانہ سی بات ہے......'' میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''ایسے عجیب وغریب لوگ میں نے کہیں نہیں دیکھے۔ سریتا کو سریتی کہو تو وہ آپے سے باہر ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر نارنگ کو ڈاک کہہ کر بلاؤں تو اس کے نتھنے پھولنے لگتے ہیں۔ تمہیں سروجی کہوں تو سیخ پا ہو جاتی ہو۔ جیسے اس طرح سے مخاطب کرنا گالی ہو؟ یہ تو اپنائیت کا ایک انداز ہے' اور اس سے کیا خلوص ظاہر نہیں ہوتا؟ حالانکہ تم خود مجھے اتنی دیر سے ملاح...... ملاح کہہ کر مخاطب نہیں کر رہی ہو؟ کیا میں نے اس بات کا کوئی برا منایا؟''

''کیا تم ملاح نہیں ہو......؟'' اس نے تکرار کے انداز میں کہا۔

''تمہارے انداز و اطوار اور گفتگو بالکل ملاحوں جیسی ہے۔'' اور پھر وہ پراسرار انداز سے مسکرائی۔ دوسرے ہاتھ سے نہانے کے لباس کا گلا ٹٹولا' اور پھر وہاں سے ایک چمکتی ہوئی چھوٹی سی شے نکال کر اسے سکے کے سے انداز میں اچھالا' یہ سونے کا ایک چھوٹا سا بٹن تھا۔

''جانتے ہو...... میرا پاؤں زخمی کیسے ہوا......؟ ملاح یہ چیز تمہاری ساری باتوں کو جھوٹ ثابت کرتی ہے؟'' وہ ہنسی اور اچانک ہاتھ میں پکڑا ہوا پیچ کس پوری قوت سے میری طرف اچھال دیا۔ میں نے جھکاؤ دے کر بچاؤ کیا۔ اور پھر وہ میرے سنبھلنے سے پہلے ہی باہر کشتی کے کنارے پہنچ چکی تھی۔

+++

میں کشتی میں کھڑا کچھ دیر انتظار کرتا رہا' لیکن جب وہ کہیں بھی دریا کی سطح یا ڈاک کے کنارے پر نمودار نہ ہوئی' تو میں کشتی سے اتر کر ڈاک پر آ گیا۔ میرا کشتی پر کھڑے رہنا بے مقصد تھا۔

ظاہر تھا کہ وہ اس خوف سے غوطہ لگا گئی تھی' کہ کہیں میں اس پر گولی نہ چلا دوں' اور پھر

کشتی کے ذریعے اس کا تعاقب کر کے کہیں اسے کچل نہ دوں۔ اس قسم کے وحشیانہ قتل کا تصور میرے لئے سوہان روح تھا' اور پھر وہ میری دشمن نہ تھی' جو میں اس سے انتقام لیتا۔

وہ ایک معصوم اور الھڑ سی دوشیزہ تھی۔ ایک مرد کی شان کے خلاف تھا کہ ایک عورت سے بے رحمانہ انتقام لیا جائے' لیکن لڑکی کی یہ احتیاط بے جا نہ تھی۔ اس کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی' تو وہ بھی یہی کرتی' جو سروجا نے کیا تھا۔

پانی کی سطح پر ہلچل کے باوجود میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا' اس لئے کہ اب سروجا سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کشتی نے ہوا کے دباؤ سے ہلکورے لئے تھے۔ اس لئے پانی کی سطح پر ہلچل سی ہوئی تھی۔

پھر میں ڈاک سے اتر کر ساحل پر آ گیا۔ سیڑھیاں چڑھتے وقت مجھے بڑی نقاہت اور کمزوری محسوس ہوئی تھی۔ اس احساس نے مجھے اور نڈھال کر دیا تھا' لیکن میں سانس پھولنے کے باوجود پھر بھی رکا نہیں۔ گھر تک کا باقی راستہ بھی ہانپتے کانپتے کٹا تھا۔ یہ مسافت مجھے صدیوں کی سی لگی تھی۔ میں نے کسی نہ کسی طرح طے کر لی تھی۔

گھر میں داخل ہو کر میں الماری کے پاس گیا' جس کے نیچے وہ دونوں بیگ پڑے تھے' جو رات سریتا نے تیار کئے تھے۔ میں انہیں اٹھا کر ہال میں لے آیا۔ ڈاکٹر نارنگ نے انہیں دیکھا نہیں تھا۔

پھر میں سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچا اور سیدھا غسل خانے میں گھس گیا۔

نیٹ بکس (کینٹ) سے میں نے پٹیاں کاٹنے کی قینچی نکالی' اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس میں اپنا بندھا ہوا چہرہ دیکھا' اور پھر بڑی احتیاط اور آہستگی سے بندھی ہوئی پٹیوں کو کاٹنے لگا۔ اس چھوٹی سی قینچی سے جو مونچھیں کاٹنے کے لئے تھی' پٹیاں کاٹنا خاصا دشوار کام تھا' جو بڑا کٹھن ثابت ہوا تھا' تاہم میں کسی نہ کسی طرح اس کام سے فارغ ہو ہی گیا۔

پٹیاں ڈھیلی ہوئیں تو توقع سے کہیں زیادہ آسانی کے ساتھ میرے گلے میں جھول گئیں۔ چند لمحوں کے تذبذب کے بعد میں نے دوبارہ آئینے کی طرف دیکھا' تو دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ میرا چہرہ بری طرح مسخ ہو چکا ہوگا' مگر میری یہ امید غلط نکلی۔ بچپن سے جانا پہچانا چہرہ میری نظروں کے روبرو تھا۔ البتہ بال بڑھے ہوئے تھے' اور یہ کچھ پژمردہ سا

دکھائی دے رہا تھا' اور ناک پر چپٹی ہوئی ٹیپ اجنبی دکھائی دیتی تھی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا' اور سکون سا محسوس ہوا۔ خوش بھی کہ میں بدصورت نہیں ہوا۔ پھر میں نے گلے میں لٹکی ہوئی پٹیاں اتار پھینکنے کے بعد شیو کرنے کے لئے استرا اٹھالیا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب میں سریتا کے کمرے میں گیا' تو وہ ابھی تک گہری نیند میں غرق تھی۔ بستر کے قریب رک کر میں اس محوخواب حسینہ کو بڑے غور' قریب اور نہایت آزادی سے دیکھنے لگا۔ میری ناقدانہ نظریں اسے اس طرح سے دیکھ رہی تھیں' جیسے میں اپنی زندگی میں پہلی بار ایک حسین اور جواں سال عورت کو دیکھ رہا ہوں۔ اسے اس طرح دیکھنے میں کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ دیوار نہ تھی۔ زنجیر نہ تھی۔ صرف ہم دونوں گھر میں تھے' وہ گہری نیند میں غرق تھی۔

اس کے حسین چہرے پر ایک اذیت ناک کرب تھا۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی ہو۔

سریتا ویسے ہی بستر پر بے ترتیبی کی حالت میں پڑی تھی' اور اس کا لباس بھی بے ترتیب سا ہو رہا تھا۔ اس کا ایک طرف کروٹ لینے سے ساڑھی کا پلو سراپا سے ہٹ کر بستر کی چادر پر بکھر گیا۔ اس نے نامناسب تراش کا مختصر سا بلاؤز پہنا ہوا تھا۔ جس نے اسے بے حجاب کر دیا۔ میں نے جھک کر پلو کو اس کے شانے پر ڈال دیا' کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ میں نے یہ حرکت کی ہے۔ میری اس حرکت سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

چند لمحے وہ مجھے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی' جیسے اس کا ذہن خالی ہو یا وہ خواب دیکھ رہی ہو۔

دوسرے لمحے اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے رہے۔ اس کی آنکھوں میں حیرانی بھر گئی' پھر وہ اٹھ بیٹھی اور بولی۔

''اوہ تم...... تم تو اس سے مختلف دکھائی دے رہے ہو' جس کی مجھے امید تھی...... اگر تم میرے اس تصور کے مطابق بھی ہوتے' تو میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم اس کے برعکس ہو۔ تم خاصے صحت مند' خوب صورت اور وجیہ جوان ہو۔ ایسے جوان، جس کی تمنا ہر لڑکی کرتی ہے۔''

''شکریہ!'' میں نے رسماً کہا۔

''تم نے میری خاصی تعریف کر دی' کیا میں واقعی ایسا ہوں؟''

''میں تو ایک بدصورت انسان کا تصور کر رہی تھی۔'' وہ بستر سے اتر آئی' اور اس نے لباس اور بال درست کئے۔ پھر اس نے مجھے درزیدہ نظروں سے دیکھا۔

''تم تو خوابوں اور کہانیوں کے راج کمار کی طرح ہو۔''

اس نے تعریف کے پل باندھ دیئے تھے۔ پھر اس نے بے اختیار اپنی مرمریں اور سڈول وگداز بانہیں پھیلا دیں۔ پھر وہ میرے بازوؤں کے حصار میں آ گئی۔ اس نے اپنا سر میرے سینے پر رکھا' اور آنکھوں پر پلکوں کی چلمن گرا لی۔ ہم دونوں چند لمحوں تک ایک دوسرے کے دلوں کی دھڑکنیں سنتے رہے' پھر وہ مدہوش سی ہو گئی۔ چند لمحوں کے بعد میرے بازوؤں کے حلقے سے نکل کر اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی بولی۔

''ڈاکٹر نارنگ کہاں ہے......؟''

''اسے گئے ہوئے دو گھنٹے سے زیادہ ہو رہے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا اس نے تمہیں بتایا کہ...... اس نے......؟'' سریتا نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر میری صورت دیکھی۔ اس لمحے اس کا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے یکسر عاری تھا۔

''ہاں......'' میں نے جواب دیا۔

''اس نے اس بات کا اقرار کیا۔''

''کس بات کا......؟''

یہ کہہ کر پھر وہ میرے سینے سے آ لگی۔ جیسے وہ مجھ سے آنکھیں ملانا نہیں چاہتی ہو۔

''اس نے یہ بات کہی کہ تمہارے شوہر کی موت کی خبر من گھڑت تھی۔'' میں نے کہا۔

''اس اطلاع پر میں تمہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ تمہارے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔''

''پیارے! اس وقت مذاق نہ کرو۔'' اس نے آہستگی سے سر ہلا کر کہا۔

''اس میں مذاق کی کیا بات ہے۔ تمہیں تو اس بات پر خوش ہونا چاہئے کہ اب تم قاتل نہیں ہو۔'' میں نے کہا۔

''تم قانون کی گرفت اور ضمیر کی ملامت سے بچ گئیں۔''

وہ میری اس بات پر نہ تو مسکرائی' اور نہ ہی خوشی کا اظہار کیا۔ یہ حیرت کی بات تھی۔

میں اسے بازوؤں کے حصار سے نکال کر الماری کی طرف بڑھا اور...... گٹھڑی کی صورت میں پڑے ہوئے کپڑوں میں سے ایک زنانہ کوٹ نکال لایا۔ موسم اگرچہ قدرے گرم تھا' لیکن میں اسے اس نامناسب لباس میں دیکھنا نہیں چاہتا تھا' جسے پہن کر وہ اچھی عورت معلوم نہیں ہوتی تھی۔ میں نے کوٹ چارپائی پر رکھ دیا اور کہا۔

"ابھی ہم یہ مقام چھوڑ رہے ہیں...... جلدی سے نہا کر تیار ہو جاؤ۔ اس میں بالکل بھی دیر نہ کرنا۔"

پھر میں ایک دم چپ ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد میں نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"تم پر قتل کا الزام نہیں۔ اب یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ تم میرے ساتھ چلو یا نہ چلو۔"

"کیا تم مجھے واقعی لے جانا چاہتے ہو......؟" سریتا نے سوال کیا۔

"کیا تم واقعی سنجیدہ ہو؟"

"ہاں......" میں نے قدرے بے دلی سے کہا۔

"اگر تم میرا ساتھ دینا چاہتی ہو تو مجھے انکار نہیں۔ تاہم یہ بات واضح کر دوں کہ یہاں سے نکل کر جو بھی حالات پیش آئیں' اس میں میرا ساتھ دینا کوئی ضروری نہیں۔ کیوں کہ شاید میں یہاں کچھ اور دن ٹھہروں...... کسی ہوٹل یا......" میں اسے دانستہ اپنے دوست کے بارے میں بتانا نہیں چاہتا تھا۔

"میرا یہاں ہے ہی کیا......؟ ایک باورچی خانہ اور چند جوڑے۔" وہ حسرت بھرے لہجے میں بولی۔

"ہم یہاں سے جا رہے ہیں...... وہاں کیسے حالات پیش آئیں گے' میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے کہا۔

"یہ بات اچھی طرح سوچ لو...... مجھے کسی بات کا دوش مت دینا۔"

"میری بلا سے......" اس نے سر ہلایا۔ پھر وہ بڑی بے پروائی سے بولی۔

"میرے لئے یہی کافی ہے کہ تم میرے پاس رہو گے۔ تمہارے قرب سے میں اپنے آپ کو تمہارے تحفظ میں پاؤں گی۔"

"میں اتنی قیمتی شے نہیں ہوں۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ تاکہ وہ کسی مغالطے میں

نہ رہے۔

"یہ بات اچھی طرح سوچ لو کہ میں کوئی مفید سودا ثابت نہ ہو سکوں گا سریتا! ایسا نہ ہو کہ کل تم یہ سوچ کر پچھتاؤ کہ میں گھاٹے کا سودا ثابت ہوا۔ لینے کے دینے پڑ گئے۔"

"پیارے!......" وہ مسکرا دی۔ اس کے لہجے میں شگفتگی سی تھی۔

"اکیلے تمہی نہیں...... میں بھی گھاٹے کا سودا ہوں...... اچھا اب تم مجھے تیار ہونے دو...... ہم نے خاصی باتیں کر لی ہیں۔"

"میں دروازے پر پہنچا ہی تھا' کہ اس نے مجھے آواز دی۔

"پیارے ریحان!"

میں نے رک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے......؟ کیا تمہارا ارادہ متزلزل ہو رہا ہے؟"

"اجیت! تم نے یکایک یہ کیسا فیصلہ کر لیا......؟ کیا کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے......؟ کیا میرے سونے کے دوران کوئی واقعہ پیش تو نہیں آ گیا؟"

"ہاں...... سیاہ بالوں والی سروجا دوبارہ وارد ہوئی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"تم نے میری وردی کا کیا کیا......؟"

"تم کس وردی کی بات کر رہے ہو......؟" وہ بے دھیانی سے بولی۔

"سہاش کی کوئی وردی یہاں تو نہیں ہے؟"

"میں اپنی اس وردی کی بات کر رہا ہوں' جو تمہارے شوہر نے یہاں آتے ہی پہن رکھی تھی۔" میں نے کہا۔

"اوہ...... اسے تو ہم نے جلا دیا تھا...... اس کے بٹنوں کی وجہ سے اسے ڈاکٹر نارنگ نے جلانا ہی مناسب سمجھا تھا۔ میں نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔" سریتا نے بتایا۔

"اس میں جو بٹن لگے ہوئے تھے...... وہ کیا ہوئے......؟ کیا انہیں بھی ساتھ ہی جلا دیا گیا تھا؟" میں نے اسے تیز نگاہوں سے دیکھا۔

"راکھ سے بٹن نکال کر ڈاک پر...... ڈاکٹر نارنگ لے کر گیا تھا' اور انہیں دریا میں پھینک آیا تھا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بستر سے کوٹ اٹھا کر پہنا اور بولی۔

"لیکن...... تمہارا کیا مطلب کہ سروجا پھر آئی تھی؟ آخر وہ کس لئے آئی تھی؟ کیا کرنے

آئی تھی؟"

"سریتا!......" میں نے اسے بتانا شروع کیا۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ سبھاش پر تمہارا نشانہ خطا ہوگیا' اور یہ بہت برا ہوا کہ تمہارے شریک کار ڈاکٹر نے تمہیں دھوکا دینے کی غرض سے کشتی کی زنجیر کو اپنی جگہ سے ہٹایا تاکہ تم...... یہی سمجھو کہ سبھاش کو اس کے ساتھ بندھ کر دریا میں اتار دیا گیا ہے۔ سروجا نے کشتی کی چین اپنی جگہ نہیں دیکھی' تو اسے ڈھونڈتی ہوئی کشتی پر پہنچ گئی' اور پھر زنجیر کو کشتی کے ساتھ لٹکا ہوا دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھی کہ...... سبھاش کو قتل کر کے پانی میں پھینک دیا گیا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اسے سبھاش کے زندہ ہونے کا یقین دلا دوں...... مگر اسے اس وقت تک کسی طرح یقین نہیں آئے گا' جب تک وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لے۔ وہ اتنی سیدھی سادی نہیں ہے' جتنی نظر آتی ہے' اور بھگوان غارت کرے ان بٹنوں کو...... ایسا لگتا ہے کہ ڈاکٹر نے انہیں احتیاط سے دریا میں نہیں پھینکا۔ ان میں سے ایک بٹن کنارے کیچڑ میں گر گیا۔ بعد میں ان میں سے یہی بٹن سروجا کے ہاتھ لگ گیا۔ اس بٹن پر بحریہ کا سرکاری نشان ہے۔ اس لئے یہ بٹن میری نظروں کے سامنے لہرایا تھا۔ اس سے تو بہتر تھا' کہ وہ نیوی کے محکمے کو بٹن بھیج دیتا۔"

سریتا کا چہرہ متغیر سا ہوگیا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ...... وہ جان گئی ہے کہ تم سبھاش نہیں ہو؟"

"اس لڑکی کی ذہانت کے متعلق تم غلط فہمی میں ہو۔" میں نے کہا۔

"سریتا! وہ کئی دن پہلے ہی سے جانتی تھی کہ میں سبھاش نہیں ہوں۔ اس لئے میں جلد از جلد یہ مقام چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ اس بٹن سے میری شناخت ہوسکتی ہے۔" میں نے اس سے مبالغہ آرائی کی۔

"میرا افسر کہیں مجھے چارج شیٹ نہ دے دے کہ میں یہاں ہوتے ہوئے بھی ڈیوٹی پر کیوں نہیں آیا؟ چارج شیٹ دیا جانا اچھی بات نہیں ہوتی ہے۔"

سریتا چند لمحوں تک اپنا نچلا ہونٹ چباتی رہی' پھر اس نے کوٹ اتار کر کرسی پر ڈال دیا اور بولی۔

"اگر ایسی بات ہے تو جلدی کرو اسٹیشن ویگن کی چابیاں ٹیلی فون والی میز پر ہوں گی۔

ہم اس گاڑی کو ڈاک پر کھڑی کشتی کے تختوں پر سے گزار کر عرشہ پر لے جاسکتے ہیں۔"

شاید وہ کشتی سے اسٹیشن ویگن کو گھاٹ پر اتار کر اسے کہیں خشکی کے راستے لے جانا چاہتی تھی۔ بس...... کوچ اور ریل گاڑی اور لانچ سے سفر کرنے کے بجائے وہ اسٹیشن ویگن کو ترجیح دے رہی تھی۔ شاید اس لئے بھی کہ وہ مجھے چھوڑ کر اکیلی چلی جائے۔ ویسے اب میری ایسی کوئی خواہش نہ تھی۔ اب میرے ذمے یہ کام تھا کہ میں نیوی کے محکمے کو رپورٹ تو کر دوں۔

سریتا! اب میرے نزدیک نہ صرف ایک معمہ' بلکہ پراسرار اور خطرناک عورت تھی۔ وہ ساحرہ تھی۔ سروجا نے اس کے متعلق یہ کہا تھا کہ وہ ایسا جادو جانتی ہے' کہ مرد نہ صرف اس کے اسیر' بلکہ اس کے حصول کے لئے پاگل ہو جائیں۔ شاید اس نے مجھ پر کوئی منتر پھونکا ہوگا۔ شاید اس لئے بھی نہ پھونکا ہو کہ میں منتر کے بغیر ہی اس پر ریشہ خطمی ہوگیا ہوں۔ میں اسے آزمانے کے لئے اس سے جھوٹی محبت جتانے پر مجبور تھا' کیوں کہ یہاں سے نکلنے کے لئے ایک سہارے کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے بھی کہ اس کا شوہر زندہ تھا۔ اس کی راہ کا پتھر...... وہ اسے میری مدد سے ہٹا دینا چاہتی تھی۔ اس لئے بھی وہ مجھ پر مہربان ہوئی تھی۔ اس نے مجھے بے وقوف اور کٹھ پتلی سمجھ لیا تھا۔

اس نے مجھ سے کہا کہ میں دونوں بیگ گاڑی میں لے جا کر رکھ دوں۔ وہ اتنی دیر میں تیار ہو جائے گی۔ جب میں گیراج سے واپس ہوا تو وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر کر میرے پاس آ کر رک گئی' اور مجھے تیکھی نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں جیسے کوئی منتر تھا' جو میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ میں نے پوچھا۔

"کیا بات ہے سریتا......؟"

"اجیت! ہم ایک نئی' خوب صورت اور خوش گوار زندگی کی منزل کی طرف جا رہے ہیں۔ کیوں یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے نا......؟" یہ کہہ کر وہ میرے چہرے پر نظریں جما کر ہنسی۔ پھر قدرے شوخ لہجے میں بولی۔

"میں تمہارے خوب صورت چہرے کی جلد عادی ہو جاؤں گی' جو صرف میرا ہوگا۔ ایک راج کمار جیسا چہرہ۔"

مجھے یہاں سے روانہ ہونے کی جلدی تھی۔ ایک ایک لمحہ اذیت ناک لگ رہا تھا۔ میں

بڑی بے صبری اور لاتعلقی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے مجھے جن نظروں سے دیکھا' اس نے میرے سارے بدن پر سنسنی دوڑا دی۔ وہ جیسے یہاں کچھ وقت گزارنا چاہتی ہو' تاکہ یہ لمحات یادگار بن جائیں' جب کہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں سبھاش کے کپڑوں میں ملبوس کچھ بے چینی سی محسوس کر رہا تھا' کیوں کہ یہ کپڑے کسی قدر تنگ تھے۔

مجھ سے رہا نہ گیا۔ میری بے زاری ناقابل برداشت ہوگئی۔ میں نے بے صبری سے کہا۔

"ہمیں اب فوراً ہی چل دینا چاہیے۔ رات ہم جانے سے رہ گئے تھے۔"

"اجیت!" اس نے پھنسی آواز میں کہا۔

"ہاں...... کیا بات ہے......؟" میں نے بے صبری سے پوچھا۔

"جلدی سے کہو جو کہنا ہے۔"

"تم مجھ سے محبت کرتے ہونا اجیت!" اس کی آواز گلے میں رندھ رہی تھی۔

"تم مجھے بیچ منجدھار میں چھوڑ تو نہ دو گے؟"

"کیا......؟" میں نے اسے مشکوک نظروں سے گھور کر دیکھا۔

"یہ بات تم کیوں کہہ رہی ہو......؟"

سریتا نے میرا بازو تھام لیا۔ وہ مجھے متجسس نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی' تو اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"پیارے!...... اگر تمہیں میرے متعلق کچھ پتا چل جائے...... کوئی ایسی بات......" وہ یک لخت خاموش ہوگئی۔

میں غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ مجھے اچانک اس کی تمام حرکتیں ایک ایک کر کے یاد آ گئیں۔ سریتا ہی نے کشتیوں کی فہرست تباہ کی تھی۔ جیسے اس فہرست کا کوئی راز ہو۔ اس کی یہ حرکت بڑی پراسرار سی لگی تھی۔ اس کو خوف ہو کہ کہیں میں اس کا راز نہ جان لوں۔ دوربین نہ ہونے کا جھوٹ تاکہ میں کشتی کا نام نہ معلوم کر سکوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ ان کشتیوں میں شاید ایک کشتی میں مسروقہ سونا ہوگا۔ اسے کسی وجہ سے لے جایا جا نہ سکا ہوگا۔ اس لئے چوروں کو اس بات کی خبر تھی کہ مسافر لانچوں کو شک کی بنیاد پر روک کر ان کی تلاشی لی جاتی ہے۔ مجھے یہ خیال بھی آیا کہ اس بات کو جان لینے کے بعد بھی کہ وہ اپنے شوہر کی قاتل نہیں

ہے' پولیس سے رابطہ کیوں نہیں کیا......؟ اگر پولیس کو مطلع کر دیتی ہے تو قانون کی نظروں میں بے گناہ پاتی۔ اگر وہ واقعی بے گناہ ہے تو پھر اسے اپنے آپ کو پولیس سے چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟

میں نے سریتا کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ آخر وہ یہ جگہ چھوڑنے کی اتنی مشتاق کیوں ہے؟ یہ گھر جو اپنی تمام بے سروسامانیوں کے باوجود اس عورت کے لئے گوشہ عافیت ہے۔ یہ ایسی عورت تو نہیں لگتی' جو محض محبت کے لئے بسا بسایا گھر چھوڑ کر غیر یقینی مستقبل کو اپنائے۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کے کندھے تھام لئے اور اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکنے لگا۔

"یہاں جو کچھ بھی ہوتا رہا ہے' تم بھی اس میں برابر کی شریک ہو۔" میں نے یہ بات کہی' تو اس کی آنکھوں میں ویرانی ابھر آئی۔

"صرف تمہارا پتی ہی نہیں' بلکہ تم بھی...... یہی وجہ تھی کہ سبھاش نے کہیں اور جانے کے بجائے تمہارے پاس ہی آنا مناسب سمجھا تھا۔"

سریتا کسی قدر جھجکی اور پھر ہونٹ چباتے ہوئے سر کو آہستہ سے اثبات میں حرکت دی۔ وہ نگاہیں چرا رہی تھی۔ پھر وہ نگاہوں کو نیچی کر کے فرش پر گھورنے لگی۔ مجھے اس کا یہی انداز سخت ناپسند تھا۔ مجھے ایسا لگا، جیسے وہ خلوص برتنے سے کترا رہی ہو۔ میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"سریتا!...... مجھے سچ سچ بتا دو...... کہ یہاں کیا کیا ہوتا رہا ہے؟ پراسرار مت بنو...... سرو جانے بتایا ہے کہ تم جادو منتر بھی جانتی ہو' لیکن اب تمہارا کوئی منتر مجھ پر اثر نہیں کرے گا' تمہیں سمجھ سے کام لینا ہے۔ آخر یہ کشتیوں کا کیا چکر ہے؟"

وہ اب بھی زبان کھولتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ مجھے ایک ڈر اور خوف سا محسوس ہوا کہ وہ کسی منتر کا جاپ تو نہیں کر رہی ہے؟ اس نے چند لمحوں کے بعد چہرہ اوپر اٹھایا' اور پھر جھکا کر بولی۔

"پیارے!...... یہ...... یہ میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی کشتی آتی تھی' اور اس پر سٹین گنوں سے لیس محافظ ہوتے تھے۔ جیسے اس میں کوئی قیمتی شے موجود ہو۔ یہاں سے پیغامات دیئے جاتے تھے۔ ان پیغامات کے جواب میں چٹاگانگ سے کاغذات آتے تھے۔ انہیں یہاں

سے کپتائی بھیجا جاتا تھا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کیسے کاغذات ہوتے تھے۔ مجھے جو کام سونپا گیا تھا' وہ یہ تھا کہ سگنل ملتے ہی ان کاغذات کو لے کر دریا کے کنارے پہنچ جاؤں۔ کشتی سے جو شخص اترتا تھا' اس کے حوالے کر دوں۔ اگر وہ کوئی پارسل دے تو وصول کر لوں۔''

''کیا یہ پارسل سہاش چٹا گانگ لے جاتا تھا؟'' میں نے سوال کیا۔

''اس کا وزن اندازاً کیا ہوتا ہوگا؟''

کچھ دیر تذبذب کے بعد اس نے سر ہلایا۔ اسے فوری جواب دیتے ہوئے تامل سا ہو رہا تھا۔

''ہاں...... وہ پارسل پانچ کلو سے کم نہیں ہوتے تھے۔''

''اچھا تو تم پچھلی رات باہر کیوں گئی تھیں؟'' میں نے گہری نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''میں انہیں یہ کہنے گئی تھی کہ وہ چلے جائیں۔ یہاں کوئی پیغام اور پارسل نہیں ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ لوگ تمہاری نظروں میں نہ آ جائیں۔''

''انہوں نے تمہاری بات نہیں مانی۔ آخر وہ فوراً کیوں نہیں گئے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا تم اس کی وضاحت کرو گی؟''

''کیا اب بھی وضاحت کی ضرورت رہ جاتی ہے؟'' اس نے اپنی پلکیں جھپکائیں۔

''ہاں......''

''وہ کیوں......؟''

''اس لئے بات صاف نہیں ہوئی' تم کچھ چھپا رہی ہو' اور مجھے شک میں ڈال رہی ہو۔'' میں نے کہا۔

سریتا نے مجھ پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی' اور دوسری سمت دیکھتے ہوئے بولی۔

''میرا خیال ہے کہ وہ کسی سے ملاقات کے منتظر تھے' تاکہ کسی اہم معاملے پر تبادلہ خیال کریں۔ مجھے اس معاملے کا کوئی علم...... مگر اب کیا فرق پڑتا ہے جبکہ ہم......''

''جب تم اپنے شوہر کی ساتھی تھیں تو...... پھر تم نے اسے شوٹ کیوں کیا......؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے میری بات کا فوری جواب نہیں دیا۔ چند لمحے اس طرح سے خاموش رہی' جیسے اس سوال کا جواب سوچ رہی ہو۔ پھر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''اس لئے کہ مجھے اس سے اور اس کے پراسرار کاموں سے سخت نفرت تھی۔ میں اس کی آلہ کار بننا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی مجرمانہ سرگرمیوں سے الگ تھلگ رہنا چاہتی تھی' مگر وہ مجھے ان سرگرمیوں میں زبردستی گھسیٹ لیا کرتا تھا۔ پھر ایک روز میں نے تنگ آ کر صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں اب اس کا ساتھ دینا نہیں چاہتی۔ وہ مجھے مجبور نہ کرے۔ رات بھی میں نے اس سے یہی کہا تھا' اور اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔ یہ سن کر وہ مجھے جان سے مارنا چاہتا تھا کہ میں نے گولی چلا دی۔''

''اگر تم واقعی اس کی خلاف قانون سرگرمیوں سے الگ ہونا چاہتی تھیں' تو پولیس کو تم نے اطلاع کیوں نہیں دی؟'' میں نے کہا۔

''مجھے ایسا لگا کہ شاید تم نے اس سے بڑی رقم کا مطالبہ کیا ہوگا' اور اس نے کوئی حصہ دینے سے صاف انکار کر دیا ہوگا۔ تم نے طیش میں آ کر اس پر گولی چلا دی ہوگی؟''

''اگر میں پولیس کو اطلاع دیتی' تو مجھ پر مجرم ہونے کا داغ لگ جاتا۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''وہ مجھے بھی زبردستی گھسیٹ لیتا' اور کہتا کہ میں بھی اس کی برابر کی شریک کار رہی ہوں۔ اس کے ساتھی بھی میرے خلاف گواہی دیتے۔ لوگ مجھ پر انگلیاں اٹھاتے...... پیارے!...... تمہیں میری باتوں پر یقین کیوں نہیں آ رہا۔ بند کرو یہ نکتہ چینی۔ میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔''

''میں کوئی نکتہ چینی نہیں کر رہا۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''نکتہ چینی نہ سہی...... جرح کر رہے ہو' کسی پولیس افسر کی طرح' جیسے میں نے کوئی سنگین جرم کیا ہو۔''

''تم جو بھی سمجھ لو۔'' میں نے بگڑ کر کہا۔

''مجھے سچ سچ بتاؤ کہ وہ کشتی رات کیا کرنے آئی تھی؟ تم نے کسی اہم معاملے کا ذکر کیا تھا۔ میں جاننا چاہتا ہوں تاکہ اندھیرے میں نہ رہوں۔''

''اوہ...... ان کی باتوں سے ہمیشہ یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا ہر معاملہ اہم ہوتا ہے۔'' وہ

بتانے لگی۔

''ان کا مجرموں کی طرح رات کے وقت آنا' اور گھبرائی گھبرائی حرکتیں...... ان کی ہر بات کو پراسرار بنا دیتی تھی۔ پارسل دینے یا لینے کے فوراً بعد وہ روانہ ہو جاتے تھے۔ اس دفعہ ان کے دیر تک رکنے سے مجھے خیال ہوا کہ کوئی بہت ہی اہم معاملہ ہوا' لیکن اب ان باتوں کو چھوڑو۔ آؤ اب چل پڑیں۔ تم راستے میں معلوم کر لینا' جو معلوم کرنا چاہتے ہو؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟ رات کو وہ مطلوبہ پارسل یا شخص کو پائے بغیر ہی واپس چل دیئے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں...... یہی بات لگتی ہے۔'' وہ بولی۔

''وہ آج رات پھر کوشش کریں گے۔ خواب کی حالت میں تم نے جو چیخیں ماری تھیں' وہ انہوں نے سن لی تھیں۔ انہوں نے انتظار کرنا خلاف مصلحت سمجھا۔ وہ بڑے محتاط اور پراسرار لوگ ہیں۔''

''کیا تم جانتی ہو کہ وہ آج رات کہاں سے آئیں گے؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''یہیں یا کہیں اور سے......؟''

''رنگا مائی اور کپتائی کے درمیانی راستے کے درمیان ایک آبادی ہے چاند نگر...... لیکن یہ آبادی کنارے سے بہت دور واقع ہے۔ اس میں چکمہ قبیلہ رہتا ہے۔ ان کے کنارے بہت ساری کشتیاں کھڑی رہتی ہیں' اور وہاں مسافر لانچیں بھی رکتی ہیں۔ ان لوگوں نے ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں بہت بڑی اور مضبوط جھونپڑی بنا رکھی ہے۔ وہ باہر سے نظر نہیں آتی۔ ملاقاتوں کے لئے یہ جھونپڑی مخصوص ہے۔ اور شاید وہاں ان کی میٹنگ بھی ہوتی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟''

''اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی کہ ان پارسلوں میں کیا ہوتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کبھی کسی تجسس کے زیر اثر کبھی کسی ایک پارسل کو کھول کر دیکھا؟''

''سبھاش نے مجھے بڑی سختی سے منع کر رکھا تھا' کہ میں کبھی بھولے سے بھی پارسل کو نہ کھولوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''سبھاش کا اس قدر ڈر اور خوف تم پر طاری تھا' کہ تم نے جاننے کی کوشش نہیں کی؟'' میں نے کہا۔

''ڈر اور خوف کی بات نہ تھی۔'' وہ بولی۔

''میں نے یہ سوچا کہ دیکھ کر کیا کروں گی؟ مجھے اس کا حکم مان لینا چاہئے۔''

''بڑی عجیب سی بات ہے۔'' میں بولا۔

''ایسا لگتا ہے کہ تم دانستہ مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہو؟''

''میں ان پارسلوں کی بات کر رہی ہوں' جو چار پانچ ماہ پہلے آتے رہے تھے۔'' وہ کہنے لگی۔

''اس کے بعد سے جو پارسل آئے' جن کا سلسلہ چار پانچ ماہ سے باقی ہے' ان میں ہیروئن تھی۔ دراصل ہیروئن چٹا گانگ سے لا کر چاند نگر میں رکھ دی جاتی تھی۔ پھر وہاں سے پانچ پانچ کلو کے پارسل بنا کر یہاں لائے جاتے تھے۔ پارسل پہنچانے اور وصول کرنے والے الگ الگ ہوتے تھے۔ یہ پارسل ایسے پیکٹ میں ہوتے تھے' جنہیں کھولا نہیں جا سکتا تھا۔ آخری بار جو منشیات کا پارسل گیا' اس میں بنکاک کی ہیروئن تھی۔ اس کے دو ماہ کے دوران صرف دو ایسے پارسل آئے تھے' جسے اٹھانے پر ایسا محسوس ہوا کہ اس میں کوئی سخت چیز ہے' اس کا وزن کسی طرح پانچ کلو سے کم نہیں تھا۔''

''میں کہتا ہوں کہ ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔'' میں نے کہا۔

''کوئی مافیا ہے' جو غیر قانونی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ جانے سے پہلے ہم پولیس کو اطلاع دے دیں' تاکہ اس مافیا کے کارندوں کو گرفتار کر کے ان کی سرگرمیاں ختم کر دیں۔ غیر قانونی سرگرمیوں سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔''

''پاگل ہوئے ہو کیا......؟'' سریتا نے ہذیانی لہجے میں کہا۔

''تم پولیس کو یہاں سے اطلاع دو' یا کہیں اور سے۔ پولیس پتا چلا لے گی' مگر ساتھ ساتھ ہمیں بھی دھر لے گی۔ پیارے!...... بھاگنے کے لئے وقت کی ضرورت ہے' اور ہمیں پولیس بیس میل سے زیادہ دور جانے نہیں دے گی۔ اور پھر ہمیں کہیں دور پہنچ کر اسٹیشن ویگن سے چھٹکارا بھی تو حاصل کرنا ہوگا' ورنہ یہ مصیبت ایک طرح سے گلے پڑی رہے گی۔''

''اسٹیشن ویگن سے نجات پانے کے بعد کیا ہم کسی ٹرین' لانچ یا بس سے سفر کریں

گے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے پاس اتنی رقم ہے کہ چھوٹی موٹی اور بہت پرانی گاڑی خرید لیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''ایسی گاڑیاں کوڑیوں کے مول مل جاتی ہیں' اور اچھی حالت میں بھی ہوتی ہیں۔ ہمیں جلد چل دینا چاہئے۔''

''ہم اس دیش میں کہیں بھی روپوش ہو جائیں' کیا پولیس ہمارا پتا نہیں چلا لے گی؟'' میں نے سوال کیا۔

''اس بات کا امکان ہے' اس لئے میں یہاں سے جتنا جلد ہو سکے' نکل کر ہندوستان جانا چاہتی ہوں۔'' وہ کہنے لگی۔

بعض دلال قسم کے لوگ' جو ایک طرح سے چھوٹے موٹے سمگلر بھی ہوتے ہیں' وہ ایسے راستوں سے واقف ہیں' جو شارٹ کٹ اور محفوظ ہیں۔ انہیں سو دو سو ٹاکا دینے سے وہ ہندوستان کے ایسے سرحدی گاؤں میں پہنچا دیں گے' جہاں سے ہم کلکتہ یا آسام جا سکیں۔ لیکن یہ دیش چھوڑنے سے قبل سہاش کے اکاؤنٹ سے رقم بھی تو نکالنی ہوگی۔ اس اثنا میں سہاش' یا اس کے کسی آدمی کو شک پڑ گیا' تو ہمارے سارے خواب چکنا چور ہو جائیں گے۔''

''ہوش میں آؤ پیارے!.....''

اس نے سانس لینے کے لئے توقف کرنے کے بعد کہا۔

''کیا اب تمہیں احساس نہیں ہو رہا ہے کہ لحہ لحہ کس قدر قیمتی ہے..... تم کن جھمیلوں میں اپنے آپ کو ڈالنا چاہتے ہو۔ ایک نئی' حسین' رنگین اور خواب ناک زندگی ہماری منتظر ہے۔ سہاش کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم ہے کہ برسوں تک پرتعیش زندگی گزار سکتے ہیں۔ میں کہتی ہوں کہ حب الوطنی کے لئے ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''لیکن.....''

''لیکن ویکن..... کچھ نہیں ..... سیدھی سی بات ہے' کہ تمہیں بھگوڑا قرار دے کر جیل بھیج دیں گے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تمہاری اطلاع پر پولیس تمہیں داد و ستائش کا مستحق سمجھے گی' یا تمہارے محکمے کی جانب سے تمہارے سینے پر حب الوطنی کا ایک تمغہ سجا دیا جائے گا' تو تمہارا یہ خیال غلط ہے..... سو فیصد غلط..... وہ تمہارا کورٹ مارشل کر کے مافیا' کا مہرہ قرار دیں گے۔

پتا نہیں وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں؟ میں کالی بھیڑوں کے ہاتھوں کھلونا بنی رہی ہوں۔ تم پولیس کو جانتے ہو۔ انہیں عورت کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانا ایک مشغلہ ہوتا ہے۔ وہ درندہ صفت اور خوں آشام بھیڑیئے ہوتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں چڑھنے سے بہتر ہے کہ عورت خودکشی کر لے۔ میری ایک سہیلی کو انہوں نے جو زیادتی کا نشانہ بنایا تھا' اس کی زبانی کہانی سن کر لرز اٹھی تھی' اور وہ غریب ہسپتال میں دس دن تک زندگی اور موت کی کشمکش میں رہ کر چل بسی تھی۔ اس کی موت بڑی المناک تھی۔ میں دردناک موت مرنا نہیں چاہتی۔''

''تمہارے محکمے کی کوئی موٹی مرغی..... یعنی کوئی بڑا افسر مافیا کو گرفتار کرنے کا سہرا اپنے سر باندھ لے گا۔ تم نہ جانے کتنے برسوں کی قید کی سزا پاؤ گے۔ میں بھی جیل میں پڑی سڑتی رہوں گی۔'' پھر وہ کچھ توقف کے بعد دوبارہ بولی۔

''اجیت! ایک فضول سی بات کے لئے اپنی اور میری زندگی کو داؤ پر نہ لگاؤ' میں سمجھتی ہوں کہ ہماری آئندہ زندگی ہر لحاظ سے بڑی خوشگوار اور خوابوں سے کہیں حسین ہوگی۔ میں تمہاری زندگی میں اتنی خوشیاں بھر دوں گی' کہ تم کبھی بھی احساسِ محرومی محسوس نہ کرو گے' بلکہ نازاں ہوتے رہو گے۔''

اس نے اپنا چہرہ اٹھا کر مجھے دیکھا۔ وہ میرے سامنے کھڑی رات کی رانی کی طرح مہک رہی تھی۔ اس کے رس بھرے ہونٹ میرے حواس گم کئے دے رہے تھے۔ ایک لمحے کے لئے میں اس کے اس سحر میں ایسا کھویا' کہ ذہن بہک سا گیا تھا۔ اس نے یقیناً مجھ پر کوئی منتر پڑھ کر غیر محسوس انداز سے پھونکا تھا۔

مسرت بھری زندگی کا تصور' اور دعوے مجھے بے خود کئے دے رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ایک سہانی اور خوب صورت زندگی میری منتظر ہے۔ کمزوری اور نقاہت کے باوجود میں اپنے بازوؤں میں اتنی قوت محسوس کر رہا تھا' کہ سریتا کے ساتھ فضاؤں میں پرواز کر سکوں۔ سریتا جس زندگی کا وعدہ کر رہی تھی' وہ کسی بھی بحری جہاز پر گزرنے والی زندگی سے کہیں زیادہ دلفریب اور مسرت بخش تھی۔ سریتا کی گرم جوش محبت اور والہانہ پن نے مجھے ایک دوراہے پر کھڑا کر دیا تھا۔

ایک طرف بنگال تھا' یہ بھی تو ہندوستان کا حصہ اور ایشیا کا خطہ تھا۔ وہ مجھ سے انسانیت کے نام پر قربانی مانگ رہا تھا۔ جس مافیا نے سونا غائب کیا تھا' میں اس کے ہاتھوں مارا بھی جا

سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ میں کیوں اپنا خون دوں۔ میں ابھی جوان ہوں' کیا مجھے جینے اور مستقبل بنانے کا حق حاصل نہیں؟ کیا جان قربان کے لئے صرف میں ایک ہی رہ گیا ہوں؟

میں نے بڑے پیار سے اس کے پھول سے رخساروں کو تھپتھپایا اور اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوب کر کہا۔

''سریتا جان! تم ٹھیک کہتی ہو۔ آؤ......اب چلیں منزل کی طرف۔''

کامیابی کے بھرپور احساس سے وہ ہنس دی۔ پھر وہ دوڑ کر بیرونی دروازے پر پہنچی۔ اس نے اپنے پرس سے دو چابیاں نکالیں' اور پھر میری طرف انہیں اچھال کر بولی۔

''اسٹیشن ویگن کی چابی تمہارے پاس ہے۔ ان چابیوں سے گھر کا اگلا اور پچھلا دروازہ بند کر دو تاکہ میں پھر کبھی اس منحوس گھر کا رخ نہ کر سکوں۔''

اسٹیشن ویگن کی چابی......اگنیشن میں لٹک رہی ہے۔''

میں نے اسے بتایا۔

''اسے ساتھ رکھ کر کیا کرتا؟''

''رقم میرے پاس ہے۔ میں ایسا محسوس کر رہی ہوں' جیسے کسی قید خانے سے چھٹکارا نصیب ہو رہا ہو۔''

''پچھلا دروازہ کیا اندر سے بند کرنا ہے؟''

میں نے پوچھا۔

''کہیں سے بھی بند کر دو۔''

وہ جلے بجھے لہجے میں بولی۔

''میری طرف سے پورا گھر ہی جلا دو۔''

میں چابیاں سنبھال کر الجھتے قدموں سے گھر کے عقبی حصے کی طرف چل دیا۔ میرے ذہن میں غبار سا اٹھ رہا تھا۔ رات بھر کی جسمانی اور اعصابی کشمکش نے مجھے تھکا دیا تھا۔ میں سارے بدن میں تھکاوٹ سی محسوس کر رہا تھا۔ بہرکیف مجھے سریتا کے منصوبے پر عمل تو کرنا ہی تھا۔

جب میں صدر دروازے کے پاس آیا' تو سریتا گیراج کے قریب پہنچ چکی تھی۔

میں نے دروازے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا' کہ اسے بند کر دوں۔ اچانک میرے

ذہن کو ایک برقی جھٹکا سا لگا' اور پھر مجھے جیسے ہوش آ گیا۔ مجھے پہلی مرتبہ تیز دھوپ اور دریا کی طرف سے آتے ہوئے ہوا کے خشک جھونکوں کا احساس ہوا۔ مجھے یہ گمان ہوا، جیسے میں اس دروازے کو کبھی نہ بند کر سکوں گا۔ اگر اب اسے بند کر دیا' تو کبھی نہ کھول سکوں گا۔ میں جیسے حال اور مستقبل کے دوراہے پر کھڑا ہو گیا تھا اور خوابوں کی دنیا سے نکل کر حقیقی دنیا میں آ گیا تھا۔ جیسے جیب میں رکھے پستول کی نال منہ میں دبا رکھی ہو' اور دروازہ بند کرتے ہی پستول کی لبلبی دب جائے گی۔

میرے ذہن میں ایک لہر اٹھی۔ مجھے پتا چلا کہ اب میں کہیں نہیں جا سکتا۔

+++

میں نے گیراج کی طرف ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ سریتا گاڑی میں بیٹھنے کے لیے جھکی ہوئی تھی۔

ہوا کے ایک تیز جھونکے نے اس کے بال ماتھے پر پریشان کر دیئے تھے' یک لخت جانے اسے کیا خیال آیا' کہ وہ گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے رک گئی' پھر اس نے مجھے دیکھا' میں دروازے میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تجسس سا تھا۔

اس عورت کے جانے کتنے روپ تھے' اَن گنت ہی تھے' ہر روپ بلاشبہ بہت حسین ہوگا' لیکن اس وقت وہ ناقابل یقین حد تک حسین و دل کش اور بے حد دل فریب نظر آ رہی تھی۔ اس نے مجھے اپنے سحر میں گرفتار کر لیا تھا۔ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ میں اس کی کمزوری سے واقف ہوں' اور وہ میری کمزوریوں سے' وہ یقیناً ایسی عورت تھی' جو میری بساط سے بڑھ کر بھی کوئی چیز طلب نہ کرتی۔ دنیا کی دیگر عورتوں میں شاید سریتا جیسی کوئی عورت ملے' یہی عورت محبت کا اظہار کر کے دھوکے پر دھوکے دیئے جا رہی تھی' مجھے جذباتی حد تک چاہنے اور مہربان ہونے کے باوجود اپنی فریب کاریوں سے باز نہیں آ رہی تھی' اس وقت جانے کیا سوچ رہی تھی۔

میں سرعت سے مڑا' اور گھر میں داخل ہو گیا' سیدھا ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔ امید اور توقع سے پہلے چٹاگانگ کا نمبر مل گیا' میں سرگوشی کے انداز میں کہنے لگا۔ ''میں جن کے بارے میں اطلاع دے رہا ہوں' وہ مجھے نیوی فوج کی تفتیشی افسر کہتے ہیں' انہیں کس وجہ سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے' یہ بتانے کے لیے وقت اور موقع نہیں ہے' میں یہ کہانی بس اس وقت رنگامائی سے بات کر رہا ہوں' میرے پاس کچھ کارآمد سنسنی خیز اطلاعات ہیں' اور یہ چالیس نمبر کا مکان ہے' جو ایک پہاڑی ٹیلے پر واقع ہے اور......''

یہ کہتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ سریتا بے آواز قدموں سے آ کر دروازے میں کھڑی میری بات سن رہی ہے' لیکن میں چپ نہ ہوا' اور بدستور ہیڈ آفس کے ایک افسر کو اطلاعات فراہم کرنے میں مصروف رہا' اور کن انکھیوں سے سریتا کی طرف میں دیکھتا رہا' وہ چند لمحوں کے بعد تیزی سے مڑی' اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

مجھے کوئی خوف تھا' اور نہ ہی پروا' میں بدستور ٹیلی فون پر اپنی آپ بیتی بیان کرتا رہا' پھر میں نے گیراج میں اسٹیشن ویگن کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی' گاڑی تیزی سے عقبی حصے کی طرف چلی گئی' وہاں شاید فیری قسم کی چیز تھی' جس پر وہ گاڑی اور فیری کو لے کر گھاٹ پر پہنچ سکتی تھی' اب مجھے سریتا کی ضرورت نہیں تھی' اس سے میری جان چھوٹ گئی تھی' وہ جہاں جاتی جائے' میری بلا سے۔

+++

جب میں بیدار ہوا تو ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی' مجھے کسی کی ترتراہٹ کی آواز نے جگایا تھا' پہلے تو میں اسے گھنٹی کی آواز سمجھا تھا' لیکن یہ کوئی اور ہی آواز تھی' کہیں اسٹیشن ویگن کی نہ ہو' سریتا مجھے ساتھ لے جانے آئی ہو' اور اسے اس بات کا احساس ہو گیا ہو کہ مجھے فریب دے کر اس نے اچھا نہیں کیا' وہ آ کر میرے قدموں میں اپنا سر رکھ دے گی۔

لیکن میں نے اپنی اس خود فریبی کو جھٹک دیا' یہ محض خام خیالی تھی' کیوں کہ یہ آواز کوئی اور ہی تھی' کیوں میرے ذہن میں ٹیلی فون کرنے کے بعد کی یادیں بہت دھندلی دھندلی سی تھیں۔

مجھے صرف اتنا یاد تھا کہ میں ریسیور کریڈل پر رکھنے کے بعد الجھی ہوئی اس حالت میں لڑکھڑاتے قدموں سے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے تک کسی نہ کسی طرف پہنچ گیا تھا' پھر انہی کپڑوں میں بستر پر لیٹ کر گہری نیند سو گیا تھا' نیند کی حالت میں ایسا محسوس کیا کہ سریتا بھی ساتھ ہی ہو' لیکن جب میں نے بستر ٹٹولا تو وہ نہیں تھی' یہ میرا واہمہ تھا۔

سونے کے بعد جب میں بیدار ہوا' تو طبیعت قدرے بہتر محسوس ہوئی تھی' پھر دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھا تو اس بات پر تعجب ہوا کہ فون پر ساری اطلاعات فراہم کرنے کے باوجود نیوی کے محکمے کی پولیس کا ابھی تک کوئی پتا نہیں تھا' اس کا کوئی آدمی نہیں پہنچا تھا' کیا پولیس والوں کی سی روایتی بے حسی نیوی پولیس میں بھی ہے؟

اتنے میں مجھے وہی آواز سنائی دی' جس نے مجھے جگایا تھا' یہ گھنٹی کی آواز نہ تھی' میں اُٹھا' میں سرہانے رکھا ہوا پستول اٹھا کر محتاط انداز سے چلتا ہوا کھڑکی تک پہنچا' اور پھر بند کھڑکی کی جھلملی (چلمن) سے نیچے جھانکنے لگا۔

آج رات چاند نہیں تھا' اس لیے باہر کچھ بھی نظر نہ آیا تھا' جھلمل سے ٹیلوں کے درمیان راستے کی مدھم سی لکیر دکھائی دی تھی' باقی ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا' جب مجھے اپنے چہرے پر کھلی ہوا محسوس ہوئی' اس خیال سے خوشی ہوئی کہ میرا چہرہ پٹیوں سے آزاد ہے۔

اندھیرے میں میری آنکھیں دیکھنے کی عادی ہوئیں' تو میں نے دیکھا کہ کونے میں موجود جھاڑیوں میں سے ایک آدمی نکلا' اس نے جھک کر چند کنکر اُٹھائے' پھر سیدھا کھڑا ہو کر اس کھڑکی طرف اچھال دیئے' جو دوسری منزل پر سریتا کے کمرے کی تھی' یہ کنکر گھنٹی کی سی آواز سے کھڑکی کے شیشے سے ٹکرائے' اس آواز کو ہی سن کر تو میں بیدار ہوا تھا' اب اس پراسرار آواز کا معمہ حل ہو گیا تھا۔

کنکر پھینکنے والا آدمی کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے انتظار کرتا رہا' اس شخص نے کوٹ اور ہیٹ پہن رکھا تھا' جیسے اسے پہچانے کا خوف ہو' یہ وہی آدمی محسوس ہوا' جس کے متعلق بتایا گیا تھا کہ وہ مر چکا ہے' اور میں جسے دوبارہ زندہ دیکھ رہا تھا' اپنی آنکھوں سے' یہ کسی شک وشبے کی بات نہ تھی۔

میرے دل میں خوف' نفرت اور غصے کی لہر اُٹھی' تو میں نے پستول کو مضبوطی سے تھام لیا اور جھلملی کی رسی کھینچی' پھر تیزی سے پستول سے نشانہ باندھتے ہوئے چلا کر کہا:

''سبھاش! سبھاش!''

مجھے خبر نہیں تھی کہ جھلملی ٹوٹی ہوئی ہے' اور اسے بند کرنے اور کھولتے ہوئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے' میں نے بے تحاشا رسی کھینچی تو وہ دھم سے نیچے گری' میں اسے گرتے دیکھ کر اچھلا' وہ تیزی سے پیچھے ہو گیا' جھلمل زوردار آواز کے ساتھ فرش پر گری تھی' جب میں دوبارہ کھڑکی کے پاس پہنچا' تو وہ شخص اندھیرے میں روپوش ہو چکا تھا' آنکھیں پھاڑ کر دیکھا بھی' تو وہ دکھائی نہیں دیا۔

میں دوڑتا ہوا کمرے سے نکلا' پھر تیزی سے سیڑھیاں طے کر کے آیا تھا' باہر جھینگروں کی آواز کے سوا کوئی آواز نہ تھی' اور کچھ مکانات تھے' جن سے روشنی باہر آ رہی تھی' ان کے مکینوں

کو کیا پتا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے' ستاروں کے مدھم اُجالے میں' میں نے پستول کی گولیاں چیک کیں' اور پھر ایک قدم اُٹھا کر رک گیا۔

کیوں کہ اچانک مجھے یہ خیال آیا تھا' کہ اندھیرے میں سبھاش کی تلاش خطرناک ہونے کے ساتھ ساتھ بے فائدہ بھی ہے۔

سبھاش یہیں پلا بڑھا ہے' وہ یہاں کے چپے چپے سے واقف ہے' بیماری کی پیدا کردہ کمزوری کے پیش نظر میرا یوں سبھاش کو ڈھونڈنا خطرے سے خالی نہیں' وہ میری گھات میں ہو گا' مجھے موت کی نیند سلانے میں تامل نہیں کرے گا' میں کیوں اپنی موت کو دعوت دوں' مجھے احتیاط برتنا' اور چوکنا رہنا چاہیے' دشمن کہیں سے بھی وار کر سکتا ہے۔

جب میں نے نیوی ہیڈکوارٹر سے رابطہ کیا تھا' تو تب مجھے سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ میں کسی قیمت پر مکان سے باہر نہ نکلوں' وہ خود ہی اپنے طور پر اس معاملے سے نمٹنے کی کوشش کریں گے' اس لیے میں سرکاری کاموں میں مداخلت تصور کرتے ہوئے واپس ہوا' اور گھر میں داخل ہو گیا۔

پھر میں سیدھا باورچی خانے میں گھس گیا تا کہ کھا پی کر پیٹ پوجا کروں' دیوار گیر گھڑی نو بجا رہی تھی' باورچی خانہ نے سریتا کی یاد دلا دی' سریتا پورے گھر میں باورچی خانے کو اپنی ملکیت تصور کرتی تھی' اسے باورچی خانے سے ایک جذباتی لگاؤ اور عشق تھا' بہت کم عورتوں کو باورچی خانہ سے اتنی گہری دلچسپی ہوتی ہے۔

میں نے سریتا کو افسردگی سے یاد کرتے ہوئے بجلی کے چولہے کا بٹن دبایا' اور اس پر کافی کا برتن رکھ دیا' کافی کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی' کافی سے بڑی توانائی اور چستی پیدا ہوتی تھی' کافی تیار کرنے کے بعد میں نے تین انڈے پھینٹے' کیوں کہ پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے' فرائی پین میں مکھن کی بڑی ٹکیہ ڈال کر اسے خوب گرم کیا' اس کے پگھلنے کے بعد انڈے ڈال دیئے' تا کہ آملیٹ بن جائے' مکھن بہت اچھا تھا' چوں کہ بہت زیادہ تھا' اس لیے آملیٹ شاندار بن گیا' پھر یاد آیا کہ نمک اور کالی مرچ تو چھڑکا ہی نہیں' بے نمک آملیٹ کیا اچھا لگے گا؟

میں نمک اور کالی مرچ کی طرف ہی بڑھ رہا تھا' کہ مجھے کسی قدر تیز رفتار موٹر بوٹ کی آواز سنائی دی' جو مکان کے عین سامنے رک گئی' وہ جس انداز سے رکی تھی' اس سے یہ اندازہ

ہوتا تھا کہ یہ پولیس کی موٹر بوٹ ہوگی۔

موٹر بوٹ کے رکتے ہی میری ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی لہر بجلی کی رَو کی طرح اُتر گئ' ایسا لگا جیسے رگوں میں خون خشک ہوگیا ہے' میں نے بٹن دبا کر چولہے کو بند کر دیا' کیوں کہ مجھے شبہ تھا کہ پولیس اتنا انتظار نہیں کرتی ہے' ورنہ میں ناشتے سے فراغت پالیتا' اس حالت میں پولیس مجھے ساتھ لے جائے' اور پتا نہیں کیسے کیسے سوالات کرے' مجھے پولیس کی ذہنیت اور اس کی کارکردگی کا اندازہ تھا' وہ عام طور پر اُلٹے سیدھے اور بے تکے اور بے سروپا سوال کرتے' چاہے پولیس کہیں کی بھی ہو، ایک جیسی ہوتی ہے۔ مجھے اس کا تجربہ تھا' یہ ایک برس پہلے کی بات ہے جب میں بنگلور شہر میں ایک میلہ دیکھنے گیا تھا' رات دو بجے لوٹ رہا تھا' تب میں نے ایک بغلی گلی میں ایک عورت کی چیخ کی آواز سنی' میں اُدھر لپکا' وہ گلی نیم روشنی میں ویران اور سنسان نظر آئی' میں نے دیکھا کہ وہ بدمعاش ایک جواں سال حسین عورت کو دبوچنے کی کوشش کر رہے ہیں' میں نے ان دونوں کی درگت بنا دی' اس عورت نے ان کی گرفت سے آزاد ہونے کے بعد ایک پتھر اُٹھا کر ایک بدمعاش کا سر پھاڑ دیا' وہ بے ہوش ہو گیا' اس وقت وہاں پولیس کے دو گشتی سپاہی آ گئے' معاملہ تھانے تک گیا۔

عورت بہت خوب صورت ہی نہیں بھرپور جوان تھی' اس میں اتنی دل کشی اور جاذبیت تھی' کہ دل کو برما دیا تھا' یہ بدمعاش چوں کہ پولیس کو بھتہ دیتے تھے' اس لیے انہوں نے ان بدمعاشوں کی حمایت کی' ڈیڑھ گھنٹے تک بے ہودہ' شرمناک اور لغو قسم کے سوالات کر کے ہراساں اور پریشان کرتے رہے تھے' تاکہ عورت سے فائدہ اور مجھ سے موٹی رقم وصول کریں۔

اتفاق سے یہ عورت ایک پولیس افسر کی رشتہ دار تھی' جب اس نے اپنی شناخت کرائی تو لینے کے دینے پڑ گئے تھے' وہ پولیس افسران ہاتھ پیر جوڑنے اور معافی مانگنے لگے' میں نہیں جانتا تھا کہ رنگا مائی کے محکمہ پولیس کے افسران کیسے ہیں؟ پولیس کیسی ہے؟ اور وہ اس واقعہ کا کیا تاثر لے گا' باورچی خانے سے باہر آتے ہوئے میں نے پستول جیب سے نکال کر میز کی دراز میں ڈال دیا کہ مزید پیچیدگیاں نہ ہوں۔

بیرونی دروازہ اس طرح کھلا تھا' جس طرح میں چھوڑ کر اندر کر آیا تھا' لیکن تعجب کی بات یہ تھی کہ باہر کوئی دکھائی نہ دے رہا تھا' دروازے پر پہنچا تو باہر ایک چھوٹی سی موٹر بوٹ

دکھائی دی، جس کا رنگ سبز تھا' موٹر بوٹ میں کوئی نہ تھا' یہ موٹر بوٹ بہت ہی قیمتی اور جدید ترین تھی' پولیس کے پاس ایسی نفیس' شان دار اور عمدہ قسم کی موٹر بوٹ نہیں ہو سکتی تھی۔

''اپنے ہاتھ اوپر اُٹھا لو ملاح!''

مجھے اپنے عقب میں تیز لہجے میں ڈوبی آواز سنائی دی' یہ ایک نسوانی آواز تھی۔

آواز پہچان کر میں تیزی سے مڑا' میرا قیاس درست تھا' سروجا رہائشی کمرے کے دروازے پر ایک آٹو میٹک پستول لیے کھڑی تھی۔ پستول کی نال کا رخ میرے سینے کی طرف تھا' لبلبی پر اس کی انگلی جمی ہوئی تھی۔

ظاہر تھا وہ موٹر بوٹ سے اترتے ہی اس کمرے میں جا چھپی تھی' کیوں کہ اسے توقع تھی کہ میں نیچے آؤں گا' یا پھر اس کمرے میں۔ اس نے نیلے رنگ کی پتلون پہن رکھی تھی' نیلی اور سفید دھاری والی چست جرسی اور سر پر کھلاڑیوں والی سفید کیپ تھی۔ اس لباس میں وہ لڑکا دکھائی دیتی تھی' پستول پکڑنے کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ اس کا استعمال بہ خوبی جانتی ہے' اس کے ہاتھ میں پستول تھا' وہ پچپن گز تک مار سکتا تھا' اس وقت اس کے اور میرے درمیان پانچ چھ فٹ کا فاصلہ تھا' اگر وہ دو فٹ پر ہوتی' تو میں آسانی سے اس پر جھپٹ کر پستول چھین سکتا تھا۔

''سروجا!'' میں نے کہا۔ ''تم نے مجھے نشانے پر کیوں لیا ہوا ہے؟''

''بہت خوب' تم نے اپنی پٹیاں اتار پھینکیں' کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔'' وہ غرائی۔

میں اسے فکرمندانہ انداز سے تکتا رہا' پستول سے زیادہ مجھے اس کے تیور نے بوکھلا دیا تھا۔

وہ ایک سرپھری لڑکی تھی' اس سے کوئی بات بھی بعید نہیں تھی' اس کے خوب صورت چہرے پر سفاکی تھی' اور اس کی حسین آنکھوں میں نفرت بھری ہوئی تھی' جس نے اسے اور حسین بنا دیا تھا' وہ خوب صورت زہریلی ناگن لگ رہی تھی۔

سراسیمگی اور بوکھلاہٹ میں' میں نے اپنے ہاتھ بلند کرنے کے بجائے جیب میں ڈال لیے' میں دراصل اپنے ہاتھوں کی لرزش اس سے چھپانا چاہتا تھا۔

''اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میں بکواس کر رہی ہوں تو تمہیں پچھتانا پڑے گا۔'' وہ مشتعل

ہو کر بولی۔ ''میں نے کیا کہا سنا نہیں تم نے؟ کیا تم بہرے ہو گئے ہو؟''

میں اپنے آپ پر قابو پا کر مسکرانے میں کامیاب ہو گیا' میں یہ بات جانتا تھا' جو گرجتے ہیں، وہ برستے نہیں۔

اتنا اندازہ ضرور ہو گیا' کہ وہ مجھے گولی نہیں مارے گی' اگر اسے گولی مارنا ہوتا تو وہ اب تک میرے سینے میں گولیاں اتار چکی ہوتی' پھر میں آگے بڑھا' اور بے پروائی کی نمائش کرتا ہوا اس کے قریب سے گزر کر باورچی خانے کی طرف آہستہ آہستہ قدم بڑھانے لگا۔

اس لاتعلقی کی نمائش کے باوجود مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے آ رہی ہے' کھانے کے کمرے سے گزر کر باورچی خانے کا اسپرنگوں والا دروازہ کھولا اور گزر کر اسے خود بخود بند ہونے دیا' پھر میں برقی چولہے کے پاس پہنچا' اور اس کا بٹن دبا دیا' اس وقت میں خاصا پرسکون ہو گیا تھا۔

اس اثناء میں' میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا' اس لیے کہ اب خوف والی کوئی بات نہیں تھی' میں نے اسے کھڑکی کے شیشے میں دیکھا' اس کا عکس بڑا مدھم تھا' لیکن اس کی حرکات و سکنات صاف اور واضح تھیں' اس نے دروازہ بڑی احتیاط اور بے آواز کھولا' اور پھر اسی احتیاط سے اندر کی طرف دھکیلا' اس حد تک دھکیلتی چلی گئی کہ اگر دروازے کے ساتھ اور کوئی چھپا ہو تو نظر آ جائے۔

پھر وہ سانس روکے اندر گھس آئی' اب بھی اس نے پستول کو مستعدی سے تھاما ہوا تھا' حالانکہ اسے میری ذات سے کوئی خطرہ نہیں تھا' کیوں کہ میرے اور اس کے درمیان خاصا فاصلہ تھا' میں اگر اسے دبوچنے کی غرض سے جھپٹتا' تو وہ میرے ہاتھ نہ آتی' میں ایسی حرکت کرنے سے باز رہا۔

''تم بہت نڈر بنتے ہو ملاح!'' وہ مجھے خاموش پا کر بولی۔

''کیا تمہارے سر پر موت ناچ نہیں رہی ہے؟''

میں نے اب بھی مڑ کے نہیں دیکھا' تاکہ اسے اور جلاؤں اور مشتعل کروں' میں نے چند ثانیوں کے بعد کہا۔

''فلمی ہیروئن بننے کی کوشش نہ کرو' اور یہ مکالمے بازی بند کرو' یہاں کسی فلم کی شوٹنگ نہیں ہو رہی ہے' ہم دونوں یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں جب تک تم پر حملہ آور نہ

ہوں' تم اس وقت تک گولی نہیں چلاؤ گی' تم یہاں کسی کو قتل کرنے ہرگز نہیں آئی ہو' بلکہ صرف معلومات حاصل کرنے آئی ہو' سچ سچ میری بات کا جواب دینا' کیا میں غلط کہہ رہی ہوں سروجی!''

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا' بلکہ تیز نظروں سے گھورنے لگی' وہ ساکت سی کھڑی کسی مورتی کی طرح لگ رہی تھی۔

میں نے چند لمحوں تک اس کے بولنے کا انتظار کیا' جب اس نے زبان نہیں کھولی تو میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''تم اندھیرے میں بھٹک رہی ہو' اگر تمہیں معلومات حاصل ہوتیں تو تم پستول لے کر یہاں آنے کے بجائے پولیس یا فیڈرل بیورو آف انویسٹی گیشن کے پاس جاتیں' تم نے یہاں آ کر بڑی حماقت کی۔''

''میں جلد ہی ساری معلومات حاصل کر لوں گی' مجھے صرف اتنا معلوم ہو جائے کہ ......؟'' اس نے فوراً ہی زبان روک لی۔

''اوہ! تو تمہیں میرے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا'' میں زیر لب مسکرا دیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میرا خیال تھا کہ اب تک تمہیں بہت کچھ معلوم ہو گیا ہو گا؟ لیکن تم اندھیرے میں ہی ہو؟ حیرت کی بات ہے۔''

''چٹاگانگ والے بڑے پراسرار بنتے ہیں'' وہ تنک کر بولی۔

''لیکن میں اپنے والد کے ایک دوست سے جلد ہی معلوم کر لوں گی۔''

''چٹاگانگ میں وقت ضائع کرنے اور اپنے والد کے دوست کو زحمت دینے' اور اتنا وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے' اے دوشیزہ زلف بنگال!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''میں نہیں چاہوں گا کہ تمہارا قیمتی وقت ضائع ہو' میری بات ذرا دل تھام کر سنو۔'' میرا لہجہ شوخ ہو گیا۔ میں نے اسے اعتماد میں لینے کی غرض سے مبالغہ سے کام لیا۔

''میرا نام کیپٹن اجیت ہے' میں ایسٹ بنگال چٹاگانگ کے ریزرو بحری اسٹاف سے ہوں۔''

یہ کہہ کر میں نے ایک پیالے میں تین انڈے پھینٹے اور فرائی پین میں' جو مکھن ڈالا تھا' وہ پگھل گیا تھا' میں نے فرائی پین میں انہیں ڈال کر خوب ملایا' پھر فرائی پین چولہے پر رکھ کر نمک اور کالی مرچ چھڑکا' پھر اس کی طرف دیکھے بغیر ہی کہا۔

"اب تم میرے متعلق جان چکی ہو' لیکن تمہیں ان معلومات سے کیا فائدہ ہوگا؟"

میرے رویئے' بے خوفی اور صاف گوئی نے سروجا کو اُلجھن میں ڈال دیا تھا' وہ ذہنی کش مکش میں مبتلا ہوگئی اور جھجک کر بولی۔

"مجھے فائدہ ہو یا نہ ہو' لیکن نیوی کے محکمے اور ڈی ایف آئی کو ضرور بھگوڑوں کی تلاش رہتی ہے۔"

"کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ میں بھگوڑا ہوں؟" میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کیا تم وضاحت کر سکتی ہو؟"

"تم یہاں جو ابھی تک چھپے ہوئے ہو، اس سے اندازہ ہوتا ہے۔" اس نے کہا' تو میں نے اس کی بات کاٹی۔

"میں بحریہ کی خفیہ سروس کا آدمی بھی ہو سکتا ہوں' اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میں کسی خفیہ معاملے کی تحقیقات کے لیے آیا ہوں۔" میں نے توقف کر کے سانس لیا۔

پھر کہا۔ "میرے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ تمہارے سامنے ہے' اور اب تمہاری غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے۔"

اس کے حسین چہرے پر استعجاب سا چھا گیا' وہ مجھے خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگی' وہ اپنی پلکیں جھپکانا بھول گئی تھی۔

"بہرحال تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں' میں مذاق کر رہا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب ہمیں اِدھر اُدھر کی باتیں چھوڑ کر مطلب کی بات کرنی چاہیے' میں ایک ریزرو آفیسر ہوں' جسے ڈیوٹی پر حاضر ہونے کی چند دن تاخیر ہوگئی' جہاں تک نیوی کے قوانین کا تعلق ہے' اس تاخیر کو فرار قرار نہیں دیا جا سکتا' اور نہ ہی دیا جاتا ہے۔ اگر تمہیں بیورو آف انویسٹی گیشن کو کوئی اطلاع پہنچانی ہے تو تھوڑی دیر انتظار کرو' کیوں کہ وہ یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

"تو کیا تم نے ان سے رابطہ قائم کر لیا؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں نے انہیں آج تین بجے سہ پہر فون کیا' پتا نہیں وہ ابھی تک کیوں نہیں آئے؟ کیا وجہ ہے؟" میں نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ انہوں نے تمہارے فون کو کوئی اہمیت نہیں دی ہو۔" وہ بولی۔

"ان کے اہمیت نہ دینے کی کوئی وجہ؟"

"شاید انہوں نے اس فون کو کسی منچلے کا مذاق سمجھا ہو؟" وہ ہنس کر بولی۔

"نہیں! یہ بات نہیں! وہ شاید میری اطلاعات کی جانچ پڑتال کر رہے ہوں گے' کیوں کہ وہ جانچ پڑتال کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے ہیں' اس لیے انہیں تاخیر ہوئی۔"

اتنا کہنے کے بعد میں نے فرائی پین اتار لیا' آملیٹ تیار ہو گیا تھا' اور اس کی خوشبو سے کچن مہک اٹھا تھا۔

وہ چند لمحوں تک خاموش رہی' جیسے میری بات پر غور کر رہی ہو کہ اس میں کتنا سچ ہے' اور کتنا جھوٹ ہے' اس کی پیشانی پر سوچ کی شکنیں اُبھر آئی تھیں' پھر اس نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

"صبح جو تمہارے پاس پستول تھا' اب وہ کہاں ہے؟ کیا تم نے اسے ابھی تک جیب میں رکھا ہوا ہے؟"

"تمہارے بائیں ہاتھ پر جو میز ہے' اس کی دراز میں ہے۔" میں نے چولہا مدھم کر دیا۔ کافی ٹھنڈی ہوگئی تھی' اس لیے اسے گرم کرنے کے لیے رکھ دیا' اس نے میز کی دراز سے پستول نکالنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی تھی' اس نے پستول کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کہاں ہے؟"

"وہ کون......؟ سریتا......؟ کیا اس کے بارے میں پوچھ رہی ہو؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں!" اس نے اثباتی انداز میں سر ہلا دیا۔

"میں قلوپطرہ کے بارے میں تو نہیں پوچھ رہی ہوں۔" اس کی آواز میں ہلکا سا طنز بھرا تھا' ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ اُبھر آئی۔

"حقیقت میں وہ قلوپطرہ سے کہیں حسین' دل کش اور جاذبیت سے بھرپور ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"جو مرد اسے دیکھتا ہوگا' اس پر ریشہ خطمی ہو جاتا ہوگا' وہ حسن و شباب کا ایک اچھوتا مجسمہ ہے' کیوں؟ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟ میری اس تعریف میں مبالغہ تو نہیں ہے؟"

"ہو گا......" وہ جل کر بولی' ایک عورت ہونے کے ناتے، دوسری عورت کے حسن کی تعریف سننا کیسے گوارا کر سکتی تھی۔

"یہ بتاؤ کہ وہ ہے کہاں؟ کیا سو رہی ہے؟ کس کمرے میں سو رہی ہے وہ؟"

"وہ سو نہیں رہی ہے' اور نہ ہی کسی کمرے میں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ صبح ہی یہاں سے چلی گئی۔"

"اور جبھی اسٹیشن ویگن گیراج سے غائب ہے۔" اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں!" میں نے سر ہلایا۔

"شکر ہے' میری بات سچ ثابت ہوئی۔"

"وہ تمہیں چھوڑ کر بھاگ گئی؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"اس کے جانے کی تمہارے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوئی۔"

"نہیں! ایسا نہیں ہے۔" میں نے تکرار کی۔

"اس نے مجھے ساتھ چلنے کے لیے کہا تھا' لیکن میں نے اس کی دعوت رد کر دی۔"

"کیا تم یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تمہارا ضمیر صاف ہے' تم معصوم ہو؟ آخر تم نے ڈی ایف بی والوں سے کیا چکر چلایا ہے؟" اس نے کہا۔

"کیا تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ قتل کے جرم میں شمولیت کے باوجود وہ تمہیں بخش دیں گے؟"

"کون سا قتل؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"تم کس کے قتل کا الزام مجھ پر تھوپ رہی ہو؟"

"سبھاش کا۔" اس نے جواب دیا۔

"ایسے بھولے نہ بنو۔"

"اگر سبھاش قتل ہو چکا ہے' تو وہ یقیناً بھوت تھا۔" میں نے کہا۔

"اس نے آدھا گھنٹہ قبل سریتا کے کمرے کی کھڑکی پر پتھر پھینکے تھے' کیا بھوت بھی اس طرح پتھر پھینک سکتے ہیں؟"

"کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟" اس نے دریافت کیا۔

"کب اور کس وقت؟"

"ہاں! آج رات ہی دیکھا ہے اسے۔" میں نے کہا۔

"اگر تم آدھا گھنٹہ پہلے آتیں' تو تمہاری اس سے ڈاک پر ملاقات ہو جاتی' پھر تمہاری تسلی ہو جاتی۔"

وہ چند لمحوں کے لیے چپ ہو گئی' تھوڑی دیر بعد وہ یوں گویا ہوئی' جیسے اپنے آپ سے کچھ کہہ رہی ہو' یا اپنے آپ سے کچھ پوچھ رہی ہو۔

"لیکن اگر وہ' اگر وہ زندہ ہے' اور ٹھیک ٹھاک ہے تو مجھ سے آ کر ملا کیوں نہیں؟"

میں نے اس پر ایک نگاہ ڈالی' وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی' دراز میں نکالے ہوئے پستول کے ساتھ اس نے اپنا پستول بھی اپنی سڈول پنڈلیوں پر بندھے ہوئے فیتوں میں اڑس لیا تھا' اس حالت میں وہ سرکس کے کسی مسخرے سے بے حد مشابہت رکھتی تھی۔ میں نے فرائی پین میں سے انڈوں کا آملیٹ پلیٹ میں اتارا' اور کافی کی کیتلی میز کی طرف لاتے ہوئے کہا۔

"سروجا! آخر تمہیں کب ہوش آئے گا؟"

وہ پھنکاری۔ "ہوش سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"ہوش میں آنے سے میرا طلب صاف اور واضح ہے' وہ یہ کہ تمہیں محض بے وقوف بنایا گیا ہے۔" میں نے کہا۔

وہ تن کر کھڑی ہو گئی' اور اس نے نہایت تیز لہجے میں کہا۔

"میں نے تم سے ابھی کہا نا کہ مطلب صاف اور نہایت واضح ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "دیکھو نا! جب سبھاش کو کسی کمین گاہ کی ضرورت محسوس ہوئی' تو وہ اپنی پتنی کے پاس آیا' نہ تمہارے پاس' کیا تم نے اس بات پر غور کیا؟"

"ہاں!" سروجا نے قدرے تامل سے کہا۔ "لیکن مجھے تمہاری بات کا یقین نہیں آیا۔"

اس کا لہجہ بے جان اور چہرہ سپاٹ ہو گیا' اس کی آنکھوں سے وحشت جھانکنے لگی۔

"کیا تم کو اس بات کا یقین نہیں آیا کہ وہ یہاں آیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں!" اس نے سر ہلا دیا۔

"تو پھر وہ قتل کیسے ہو گیا؟ کیا تم یہ مفروضہ قائم کیے بیٹھی ہو کہ اسے کہیں قتل کیا گیا؟ اور اس کی لاش زنجیر سے باندھ کر ڈبونے کے لیے یہاں لائی گئی' صرف اس زنجیر کو اپنی جگہ نہ پا

کر تم نے سمجھ لیا کہ وہ قتل ہو گیا ہے' یہی بات ہے نا؟''

''خیر!'' وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔

''اگر سہاش یہاں آیا بھی ہوگا' تو چھپنے کے لیے نہیں ہوگا' ہرگز نہیں!''

''پھر کس لیے آیا ہوگا؟'' میرے لہجے میں ہلکا سا طنز شامل ہوگیا۔

''کیا سیر و تفریح اور چھٹیاں گزارنے آیا ہوگا۔''

''اسے چھپنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟'' وہ دفاعی لہجے میں بولی۔ ''اس لیے کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔''

''نیوی کے محکمے نے اسے نکالا تھا' تو ان کا خیال یہ تھا کہ وہ بے قصور ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ بات یاد رکھو۔''

''لیکن یہ بات سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب اسے نوکری سے نکالا گیا تھا' تو اس پر کوئی جرم ثابت نہ ہو سکا تھا۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''بحریہ میں کسی ایسے شخص کو اہم عہدہ نہیں دے سکتے تھے' جس کی بیوی کے متعلق شبہ ہو کہ وہ جرائم پیشہ افراد سے ساز باز کیے ہوئے ہو۔''

''اوہ! میں سمجھا۔'' میں نے چونک کر کہا۔ ''تو تمہیں سہاش نے یہ بتایا کہ یہ سب کارروائیاں سریتا کی وجہ سے ہوئی ہیں' اور اصل قصور سریتا کا ہے' کیوں یہی بات ہے نا؟''

''ہاں! ہاں! سریتا ہی قصوروار ہے۔'' وہ ہیجانی لہجے میں چلا کر بولی۔

''یہ سہاش کی نرم دلی تھی کہ اس نے سریتا کو محض اس لیے بچا لیا تھا کہ وہ اس کی بیوی تھی' تمہیں اس کے اس ایثار اور جذبے کا کوئی احساس نہیں؟''

''سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ سہاش کے دل میں کوئی انسانی جذبہ اور ہمدردی کے جذبات ہو سکتے ہیں؟'' میں نے کہا۔

''تم اسے ایک عظیم شخص ثابت کرنا چاہتی ہو' میں تمہاری اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتا' تم خوامخواہ ایک ایسے شخص کے لیے جذباتی ہو رہی ہو' جو جرائم پیشہ ہے۔''

''تم بلاوجہ سہاش کے خلاف زہر اگل رہے ہو؟'' اس نے تکرار کے انداز میں کہا۔

''وہ ایک نرم دل اور انسان دوست شخص ہے' میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔''

''میں سہاش کو کیسے نرم دل اور انسان دوست سمجھ لوں۔'' میں نے ہذیانی لہجے میں کہنا شروع کیا۔

''اگر سمجھوں تو ان زخموں کا کیا کروں؟ جو اس نے میرے چہرے پر لگائے ہیں' ایک ایک زخم اس کی سنگ دلی کا گواہ ہے' وہ زخم چیخ چیخ کر سہاش کا نام لیتے ہیں' ٹھہرو ٹھہرو! میں جانتا ہوں کہ تمہیں میری بات کا کسی بھی طرح سے یقین نہیں آئے گا' مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے' جو جھٹلائی نہیں جا سکتی' تم میری بات کو کڑوی گولی سمجھ کر نگل لو' میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' وہ بالکل سچ ہے' بدقسمتی یہ ہے کہ جب تک سہاش تمہارے سامنے اس حقیقت کا اعتراف نہ کرے' تمہیں یقین آ ہی نہیں سکتا' مجھے معلوم ہے کہ تمہارا یہ نرم دل کافی چرب زبان ہے' میں اس سے کافی باتیں کر چکا ہوں' اس لیے میں یہ بات جانتا ہوں کہ وہ ایک قیافہ شناس اور شاطر ہے' اور کسی صحرائی لومڑی کی طرح ہے' اس لیے ہمیں صداقتوں اور حقیقتوں سے گریز نہیں کرنا چاہیے' لیکن تم یہ بات اتنی تو مانتی ہو کہ اس رات یہاں سہاش آیا تھا' اس سے انکار نہیں نا؟''

''ہاں!'' سروجا نے قدرے تامل سے اقرار کیا۔

''میرا خیال ہے۔''

''ہوں' تو وہ یہاں آیا؟ کیوں آیا؟'' میں نے کہا۔

''کیا تم نے اس پہلو پر سوچا؟ غور کیا؟ اس بات پر ہماری رائے مختلف ہے' چلو چھوڑو اس بات کو' اب یہ دیکھتے ہیں کہ آگے کیا ہوا؟ سہاش اور سریتا میں ناچاقی ہو گئی' سہاش مشتعل ہو کر سریتا کو مارنے کے لیے دوڑا' تو سریتا سے کہا کہ وہ اسے جان سے مار دینا چاہتا ہے' سریتا نے اپنی جان بچانے کے لیے اسے گولی ماردی' اگر تم بھی اس کی جگہ ہوتیں تو گولی چلا دیتیں' جان کسے پیاری نہیں ہوتی؟''

''کیا واقعی سریتا نے اسے گولی ماردی تھی؟'' سروجا کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''جانے کیوں یقین نہیں آرہا ہے؟''

''میں نے کہا نا کہ جان کسے پیاری نہیں ہوتی اور......؟''

''جب سریتا نے اسے گولی ماردی' تو وہ زندہ کیسے بچ گیا؟'' اس نے درمیان میں تیزی سے سوال کیا۔

"میں یہی تو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ زندہ کیسے بچ گیا؟" میں نے جواب دیا۔

"لیکن جب ڈاکٹر نارنگ اسے دریا میں ڈبونے کے لیے لے گیا' تو سبھاش ہوش میں آ گیا' ڈاکٹر نارنگ نے اسے باندھنے کے لیے وہ زنجیر وہاں سے ہٹائی تھی' اور کشتی کے ساتھ لٹکا دی تھی' بات یہ ہے کہ سریتا کی گولی نے سبھاش کو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا تھا' وہ گولی اس کے بازو کو چھوتی ہوئی نکل گئی تھی' سبھاش یہ سمجھا کہ گولی اس کے دل میں اتر گئی ہے' وہ خوف و دہشت سے بے ہوش ہو گیا تھا' سریتا یہ سمجھی کہ وہ مر چکا ہے' ہوش میں آنے کے بعد سبھاش کو جب اس حقیقت کا علم ہوا' تو وہ نفرت اور غصے سے پاگل ہو گیا' اس نے ڈاکٹر نارنگ کو ڈرا دھمکا کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اس کے بچ جانے کا کسی سے ذکر نہ کرے' سو ڈاکٹر نارنگ نے سریتا کو اس بات کا یقین دلایا کہ وہ بیوہ ہو چکی ہے' اور اب ایک دلچسپ مرحلہ ہمارے سامنے آتا ہے' سریتا اور ڈاکٹر نارنگ نے سبھاش کو مردہ کیے ہوئے اس کے جسم سے میری وردی اتار لی تھی' اور اسے جلا دیا تھا' یہ کیوں کیا؟ یہ تم بے چین اور مضطرب کیوں ہو رہی ہو؟"

"کیا یہ کوئی الف لیلہ کی کہانی ہے یا کسی انگلش فلم کی......" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ ایک سچی کہانی ہے' اس کا الف لیلہ یا کسی انگلش فلم سے کوئی تعلق نہیں" میں نے کہا۔

"آخر تمہیں اس کہانی کا یقین کیوں نہیں آیا ہے؟"

"اس لیے کہ سبھاش کو کیا ضرورت آن پڑی کہ وہ تمہاری وردی پہنے؟" وہ بدستور طنزیہ لہجے میں بولی۔

"اچھا بتاتا ہوں" میں نے جواب دیا۔ "پہلے اس بات پر غور کرو کہ وہ تمہارے پاس نہیں آیا تھا' حالاں کہ تم اسے رقم بھی دے سکتی تھیں' اور اپنے خوب صورت کمرے پر چھپا سکتی تھیں' کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"جانے کیوں مجھے ان باتوں پر اور تمہاری زبان پر ذرا بھر بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"لیکن مجھے اس بات پر یقین ہے کہ تمہیں بڑی خوب صورتی سے بے وقوف بنایا گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"اس کا تو تمہیں شدت سے احساس ہو رہا ہے نا؟"

"آخر تم کس وجہ سے یہ بات کہہ رہے ہو؟" اس نے ساکت پلکوں اور منجمد آنکھوں سے دیکھا۔

"اس وجہ سے کہ تم نے بتایا ہے کہ وہ تم سے واپس آ کر اب تک نہیں ملا' کیا تم نے یہ بات نہیں کہی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں! میں نے کہی تھی' لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" اس کی آواز میں اکتاہٹ تھی' وہ جز بز سی ہو رہی تھی۔

"کیا یہ اس سے ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ سبھاش کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا' کہ تم اس کی مذموم حرکتوں میں ہرگز اس کا ساتھ نہیں دو گی؟" میں کہنے لگا۔

"اس یقین کی وجہ سے میں تم سے یہ باتیں کر رہا ہوں' اس نے نیوی سے نکال دیئے جانے کے بعد کیا کہا تھا؟ اس نے سریتا کو پاپی اور اپنے آپ کو نردوش قرار دے کر تمہیں بہلا دیا تھا' اور تم نے اس کی اس بات پر اندھا اعتماد کر لیا تھا' اس اعتماد کا ثبوت یہ ہے کہ تم نے اس کی باتوں پر یقین کر کے اپنی کشتی کا ڈیزائن اس سے بنوایا' اور پھر اس کے ساتھ مل کر کشتی بنواتی رہی تھیں۔

سریتا کو تمہارا یہ میل جول بالکل بھی پسند نہ تھا' وہ حسد و رقابت کی آگ میں جلتی رہی تھی' میرا خیال ہے کہ تمہیں اس وقت بھی شک تھا کہ وہ مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہے' اس کے باوجود تم نے دیرینہ واقفیت کی بناء پر اس کا ساتھ دیا' اب بھی تمہیں اس بات کا شک ہے کہ وہ نردوش نہیں ہے' اس لیے تم نے پولیس سے رابطہ نہیں کیا' لیکن تم پھر بھی یہ چاہتی ہو کہ وہ بے گناہ ثابت ہو' اسے نردوش کیا جائے' اس لحاظ سے اس کے خوش نصیب ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ اسے تم جیسی پرخلوص اور ہمدرد لڑکی میسر ہے۔"

میں نے میز پر آملیٹ کی رکابی' ملائی اور کافی رکھنے کے بعد کہا۔

"ہوش میں آؤ سروجا! میری یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ سبھاش اور سریتا مجرمانہ سرگرمیوں میں ایک دوسرے کے شریک کار تھے' ان کی آپس میں ناچاقی کی وجہ یہ تھی' کہ مشکل حالات کی وجہ سے سریتا نباہ کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی' وہ بہت جلد حواس باختہ ہو جاتی تھی' ایک مرد اور عورت میں بہر حال فرق ہوتا ہے' نیوی سے نکالے جانے کے بعد دریا کی نگرانی کے لیے سبھاش کو ایک آڑ کی ضرورت تھی' اس لیے اس نے تمہیں آڑ بنایا' تم سے بہتر

کٹھ پتلی اسے نہیں مل سکتی تھی‘ تم ان پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے سوچو‘ آؤ اب کچھ کھا پی لو۔“

میں نے دوسری رکابی اٹھائی‘ میں نے جو پہلے آملیٹ بنایا تھا‘ میں نے اپنے سامنے رکھ لیا‘ دوسرا آملیٹ جو بنایا تھا‘ اس کے لیے رکھ دیا‘ اس کی رکابی میں جو دو سلائس رکھے اس پر مکھن لگا دیا‘ پھر فریج سے مکھن کی ایک اور ٹکیہ نکال لی‘ میں نے دونوں کے لیے دونوں پیالوں میں کافی انڈیلتے ہوئے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا‘ میں نے اس کا بشرہ بھانپ کر قیاس کیا کہ میں اسے قائل نہیں کر سکا ہوں‘ لیکن اس کی آنکھوں سے اتنا اندازہ ضرور ہوا کہ میں نے اس کے یقین کو ڈگمگا دیا ہے‘ اور اب وہ متزلزل سی ہو رہی ہے‘ پھر میں نے کھانا کھاتے ہوئے اس کی طرف وارفتگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ایسا لگتا ہے کہ تم نے صبح سے کچھ کھایا ہی نہیں ہے؟“

”میں نے بتایا نا کہ میں آج سارا دن چٹا گانگ میں مصروف رہی ہوں۔“ وہ کہنے لگی۔ ”واپسی میں اندھیرا ہو چکا تھا‘ میں نے بڑی خاموشی اور احتیاط سے یہاں کا جائزہ لیا‘ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اسٹیشن ویگن غائب تھی‘ اس وقت اندر آ کر معلوم کرنا مناسب نہیں تھا‘ چنانچہ میں گھر گئی‘ اس وقت سب لوگ کھانا کھا چکے تھے‘ جو کھانا بچا تھا‘ وہ نوکروں کو دے دیا گیا تھا‘ اگر میں کھانا طلب کرتی یا خانساماں سے بنانے کے لیے کہتی تو میری ماں لعن طعن شروع کر دیتی کہ تم کھانے کے وقت کا بھی خیال نہیں کرتی ہو؟ یہ ہوٹل نہیں گھر ہے‘ اس لیے میں خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی‘ جب یقین ہو گیا کہ سب سو چکے ہیں‘ تو میں یہ لباس پہن کر اور پستول لے کر یہاں چلی آئی۔“

”اچھا تو یہ بات ہے۔“ میں نے کہا۔

”تم نے بحریہ میں اپنے والد کے کسی دوست کا ذکر کیا تھا‘ ان علاقوں میں بحریہ کے کافی ملازم آباد ہیں‘ یہ بات سریتا نے بتائی تھی‘ چٹا گانگ بہت بڑی بندرگاہ ہے‘ یہ سارا علاقہ سمندری علاقہ سے قریب ہے‘ تو کیا تمہارے پتا جی بھی بحریہ میں ملازم ہیں؟“

”ہاں وہ بھی بحری فوج میں کیپٹن تھے۔“ اس نے جواب دیا۔

”سمندر میں اسمگلروں کے ہاتھوں ایک مقابلے میں مارے گئے تھے۔“

”یہ سن کر مجھے افسوس ہوا کہ تم باپ کے سائے سے محروم ہو۔“ میں نے ہمدردی کا اظہار کیا‘ تو وہ جذباتی ہو گئی‘ ہر بیٹی کی طرح وہ اپنے باپ کو بہت چاہتی تھی‘ میں نے چند لمحوں

کی خاموشی کے بعد اس کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کی نیت سے دریافت کیا۔

”تو پھر نیوی اور بیمہ والوں نے تم لوگوں کو ان کی موت پر کثیر رقم ادا کی ہو گی؟“

”کیا مطلب؟“ اس نے دونوں سلائس پر مکھن لگا کر درمیان میں آملیٹ رکھ کر میری طرف دیکھا۔

”مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے والد کی پنشن ملتی رہتی‘ تو تم اتنی نفیس اور عمدہ کشتی تیار نہیں کر سکتی تھیں؟“ میں نے کہا۔

”اور پھر تم جس موٹر بوٹ میں آئی ہو‘ اور اس کے بیش قیمت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔“

”اگر ان معلومات سے تمہیں کچھ دلچسپی ہے تو میں بتائے دیتی ہوں کہ میری ماں نے ان کے امر ہونے کے بعد دوسرا بیاہ کر لیا تھا۔“ میری ماں بہت حسین تھی‘ وہ کلکتہ میں فلمی دنیا کی ماضی کی بہت مشہور اور مقبول فلمی اداکارہ تھی‘ وہ ڈول کے نام سے فلموں میں کام کرتی تھی‘ اس کے حسن و شباب پر بڑے بڑے رئیس ریشہ خطمی تھے‘ اور شادی کے خواہش مند تھے‘ میرے پتا جی بہت ہی خوب صورت ہی نہیں‘ بلکہ بے حد وجیہ‘ اور دراز قد تھے‘ وہ بنگالی ہی نہیں بلکہ یورپی مرد معلوم ہوتے تھے‘ بنگالیوں میں ایسے بہت کم مرد اتنے خوب صورت اور دراز قد ہوتے ہیں۔

ایک سرکاری تقریب میں وہ دونوں ایک دوسرے کو دل بیٹھے‘ پھر میری ماں نے دولت اور شہرت کو خیر باد کر کے گھر بسا لیا‘ جب میں بارہ برس کی تھی‘ تب میرے پتا جی حادثاتی طور پر اس دنیا سے رخصت ہو گئے‘ بارہ برسوں کے بعد میری ماں کے حسن میں کوئی فرق نہیں آیا‘ اور نہ ہی ماند پڑا تھا‘ وہ اس عمر میں بھی سترہ برس کی دوشیزہ دکھائی دیتی تھی‘ وہ آج بھی میری ماں نہیں‘ بلکہ بڑی بہن دکھائی دیتی ہے‘ میرے پتا جی دیش کے اس بڑے دولت مندوں میں سے ایک ہے‘ اسے دولت کی کوئی پروا نہیں‘ وہ اسے ہاتھ کا میل سمجھتا ہے‘ اس کے کئی بڑے بڑے کاروبار ہیں‘ اس کی یوں چھ مسافر لانچیں اور دو اسٹیمر کے علاوہ ایک ٹرانسپورٹ کمپنی بھی ہے‘ وہ میری ماں کا نوجوانی ہی سے پرستار تھا‘ اس لیے اس نے میری ماں کے بیوہ ہوتے ہی شادی کر لی‘ وہ غیر شادی شدہ بھی تھا۔

ماں نے اپنے اور میرے مستقبل کے لیے اس سے شادی کی‘ ویسے وہ ایک خشک مزاج

اور خالص کاروباری شخص ہے' لیکن میری ماں کا بہت خیال رکھتا ہے' اس نے بینک میں میرے اکاؤنٹ میں اسّی لاکھ کی خطیر رقم جمع کی ہوئی ہے' لیکن اس کے باوجود وہ ہر ماہ جیب خرچ کے لیے پچاس ہزار ٹاکا دیتا ہے' اس کے کاروبار میں دولت ابل رہی ہے' وہ دو تین دفعہ مجھے اور میری ماں کو امریکہ اور یورپ کی سیروسیاحت پر لے جا چکا ہے' دولت مندوں کے گھرانے ماڈرن ہوتے ہیں' میرا گھرانہ بھی بہت ماڈرن ہے' اس پر مغربی تہذیب کی گہری چھاپ ہے' اس کا اندازہ تمہیں میرے غسل کے لباس' موٹر بوٹ اور موجودہ وضع قطع سے ہو گیا ہوگا۔"

اس دوران اس نے نہ صرف آملیٹ سینڈوچ کھالیا تھا' بلکہ کافی بھی ختم کر لی تھی' پھر اس نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تمہارے پاس سگریٹ تو ہوگا؟"

"میرے پاس تو نہیں' البتہ سریتا کے سگریٹ یہاں پڑے ہیں۔" میں نے الماری کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"رہنے دو۔" وہ جل کر بولی۔

"میں مر بھی جاؤں تو اس کے سگریٹ ہرگز استعمال نہ کروں گی۔"

"سگریٹ تو سگریٹ کمپنی والوں کے ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا؟ اب یہ کسی کی بھی ملکیت نہیں ہیں' اور پھر تم نے کہا ہے کہ مر بھی جاؤں تو اس کے سگریٹ ہرگز استعمال نہ کروں گی' مرنے کے بعد سگریٹ پینے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے' کیا مُردے سگریٹ پیتے ہیں؟"

پھر اس نے میرے اصرار پر ہچکچاتے ہوئے سگریٹ لے لی' میں نے اس کے سگریٹ کو شعلہ دکھایا' اس نے ایک لمبا کش لینے کے بعد دھواں فضا میں چھوڑا' اور پھر وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"تم ایک بے حد دلچسپ آدمی ہو' میرا خیال تھا کہ تم سریتا پر لٹو ہو گئے ہو گے۔"

"یہ خیال تمہیں کیسے آیا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"کہیں اس لیے تو نہیں کہ وہ ایک حسین عورت ہے۔"

"اس لیے نہیں' بلکہ اس لیے کہ تم جو اس کی حمایت کر رہے ہو۔" وہ میرے چہرے پر

نگاہیں جھکا کر بولی۔

"ایک لاچار اور مجبور عورت جو محرومیوں کا شکار ہو' ایسی عورت کی مدد کر کے مرد کی خودداری کو تسکین ملتی ہے۔" میں نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا۔

"مردوں کو ہمیشہ وہی عورتیں اچھی لگتی ہیں' جو ان کے بازوؤں میں پناہ لیں' اس طرح وہ اپنے آپ کو بڑا عظیم اور اونچا کہتے ہیں' اس لیے میں نے سریتا کی حمایت کی۔"

"تم ویسے ہی کافی بڑے دکھائی دیتے ہو۔" اس نے مجھے تنقیدی نگاہوں سے دیکھا۔

"بائی دے وے! کسی عورت کو سہارا دے کر تو بڑے نہیں ہو سکتے' اس عورت نے کسی ناگن کی طرح تمہیں ڈس لیا ہے' اور اس کا زہر تمہارے جسم میں سرایت کر گیا ہے۔" اس کے ان دلچسپ فقروں سے میں محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکا' وہ بڑی بولڈ لڑکی تھی۔

مجھے یک لخت اس کی ماں کا چہرہ یاد آ گیا' اس کی ماں کا نام ڈولی تھا' وہ واقعی بلا کی حسین تھی' اس نے بمبئی کی دو ایک فلموں میں کام کیا تھا' اس کے حسن وشباب کی شہرت صرف مغربی بنگال تک محدود نہ تھی' اس نے ہندوستان کے تمام صوبوں میں دھوم مچا رکھی تھی' اس کی فلمیں بنگالی زبان کی جو مغربی بنگال میں بنتی تھیں' وہ کرناٹک کے صوبے میں ہندوستانی زبان میں ڈب کر کے دکھائی جاتی تھیں' میں نے آغاز جوانی میں اس کی کوئی فلم نہیں چھوڑی تھی' اس کے دیوانوں اور پرستاروں کی کوئی کمی نہیں تھی' اس نے کئی نامور اداکاروں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اس کی ہر فلم سپرہٹ ہوتی تھی۔ اس کے ہوش ربا پوسٹرز' کیلنڈر اور پوسٹ کارڈ آج بھی ہاٹ کیک کی طرح فروخت ہوتے تھے' کیوں کہ وہ کسی طرح مارلن منرو سے کم نہیں' بلکہ دو ہاتھ آگے تھی' اسے ہندوستانی مارلن منرو کہا جاتا تھا' اس نے ایک ارب پتی سے شادی کر لی تھی' وہ ابھی تک گمنام یا دماغوں سے محو نہیں ہوئی تھی۔

"میں کسی ایسے شخص سے محبت نہیں کر سکتی' جس کے لیے میرے دل میں عزت واحترام نہ ہو۔" وہ سگریٹ کے ٹوٹے کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بولی' اور پھر اس نے ایک لمبا سانس لیا۔

"احترام اور عزت اپنے کاموں سے پیدا ہوتی ہے' اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"دنیا میں جتنے ایسے لوگ ہیں' ان سے کہیں زیادہ بُرے لوگ ہیں' تم ان سے دامن بچا

کر اچھے لوگوں سے محبت کر سکتی ہو' اچھے بُرے کی تمیز کرنا بھی آسان کام نہیں ہے' ویسے تمہارا اور سہاش کا آپس میں کیا تعلق ہے۔"

"تعلق؟ یہی کہ وہ بُرا آدمی نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"دوسری بات یہ ہے کہ وہ میرا محبوب بھی نہیں ہے' اگرچہ عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے' میں اس سمجھ کے پھیر کا کیا کروں؟"

"اگر ایسی بات ہے تو اس کے لیے اتنی دردسری کس لیے کر رہی ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیوں کہ وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔" سروجا نے جواب دیا۔

"جب میرے پتا جی اسمگلروں کی فائرنگ سے مارے گئے تھے' تو اس الم ناک موت کی خبر نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑا تھا' میں ان سے بے پناہ محبت کرتی تھی' اس وقت صرف سہاش ہی ایک ایسی ہستی تھا' جس نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا' اگر اس وقت وہ مجھے دلاسا نہ دیتا' اور میرے دل کو بہلانے کا اہتمام نہ کرتا' جانے میری کیا حالت ہوتی' اور میں اس بات کا اعتراف کرنے میں گریز نہیں کروں گی' اس کی دوستی کو کسی کی وجہ سے میں نے غلط رنگ دیا' اور وہ میرے خوابوں کا شہزادہ بن گیا' لیکن وہ اتنا شریف النفس انسان نکلا کہ میری کم سنی اور بھرپور جوانی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا' اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی' اور اپنی نظروں میں گر جاتی' اس نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ اس نے بڑے سلجھے ہوئے انداز سے مجھے میرے مقام سے آگاہ کیا۔ اس نے بڑے خوب صورت انداز سے مجھے سمجھا دیا' کہ عمر کے لحاظ سے ہم دونوں کا جوڑا غلط اور غیر موزوں رہے گا۔"

اتنا کچھ بتانے کے بعد سروجا نے اور تفصیل سے سہاش کا کردار اجاگر کیا' اس نے سہاش کی تصویر کو ایسے رنگوں سے اُبھارا' جن میں شرافت اور نیک نفسی کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی' جیسے وہ آسمان سے اترا ہوا اوتار ہو۔

لیکن سہاش کے ہاتھوں مجھ پر جو بیت چکی تھی' اسے مدنظر رکھتے ہوئے میرے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ میں اس کی باتوں سے اتفاق کرتا' اس کے بیان کو دل سے مان رہا تھا' اور نہ ہی ذہن قبول کرنے کے لیے تیار تھا' کیوں کہ سروجا لڑکی سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت تھی' میں نے

یہ سب کچھ خاموشی سے سنا' اور تبصرے سے گریز کیا۔

اس نے مجھ سے ایک اور سگریٹ طلب کیا' پھر سلگا کر اس کا ایک لمبا سا کش لے کر بولی۔

"ملاح! تم جو کچھ سہاش کے بارے میں کہہ رہے ہو' اس لیے مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں' کیوں کہ وہ کسی کو دکھ میں دیکھ کر خود تڑپ اٹھتا تھا' پھر کیسے ممکن ہے کہ اس نے تمہارے ساتھ کوئی بُرا سلوک کیا ہو' اور ہمدردی اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی' یہی وجہ تھی کہ وہ سریتا کے رونے بسونے پر ہوش کھو بیٹھا' اور اس کے ساتھ شادی کر لی' کیوں کہ سریتا نے اسے اپنی مجبوری اور لاچاری کے افسانے اور کہانیاں سنائی تھیں' ایک طرح سے اس پر اسے ترس آ گیا تھا۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ ایسی باتیں ہیں' جو شاید ہی سہاش کے علاوہ کوئی اور جانتا ہو۔"

"سہاش سے' اس کے سوا اور کون بتا سکتا ہے۔" سروجا نے ہنس کر جواب دیا۔

"ہر اتوار کو وہ چٹا گانگ سے رنگا مائی آتا' تو مجھ سے وہ ملا کرتا تھا' اور وہ سب تمہاری اس بے چاری' مظلوم اور بے سہارا اور احساس محرومیوں کی ماری سریتا کے متعلق بتایا کرتا تھا' اس وقت میں نے سہاش کو راج کمار کے روپ میں دیکھنا چھوڑ دیا تھا' جو کنواری لڑکیاں سپنوں میں دیکھتی ہیں۔

سریتا کے متعلق سہاش کے اندازِ بیان سے میں نے اندازہ لگایا تھا' کہ یہ کوئی بڑی بدقماش قسم کی عورت ہو گی' لیکن میں سہاش کی خاطر اس کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی' یہاں تک کہ ان کی شادی ہو گئی' شادی کے بعد جب میں نے پہلی بار سریتا کو دیکھا' تو وہ اس سے ملتی جلتی دکھائی دی، جو نقشہ میں نے اپنے ذہن میں بنایا تھا۔"

"تو گویا تم سہاش کی باتوں سے پہلے ہی ایک رائے قائم کر چکی تھی۔" میں نے کہا۔

"اس لیے جب تم نے اسے دیکھا' تو وہ اس رائے کے مطابق نظر آئی' دراصل یہ ایک فطری اور نفسیاتی امر ہے' اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

"اوہ! یہ بات نہیں۔" سروجا نے بل کھا کر کہا۔

"دیکھنے میں وہ میرے تصور سے کہیں حسین تھی' اصل بات تو اس کے انداز اور طور

طریقے تھے' جن سے عامیانہ پن ٹپکتا تھا' جسے محسوس تو کیا جا سکتا تھا' مگر الفاظ میں بیان کرنا بے حد مشکل تھا' بہت بعد میں پتا چلا کہ وہ ایک حجام کی بیٹی ہے' شادی سے پہلے بہت سے چاہنے والوں کا دل بہلاتی رہی ہے' مثلاً آنٹی سرسوتی اس سے شدید نفرت کرتی تھیں' وہ اسے اس قابل نہیں سمجھتی تھیں کہ کسی اچھی تقریب میں لے جائیں' اسے لے جانا مذاق اُڑانے کے مترادف تھا' اس لیے اجتناب کیا جاتا۔''

''ایسی حسین عورت کی تو ہر ادا لوگ پسند کرتے ہیں۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''میرے خیال اور اندازے مطابق وہ جس محفل میں جاتی ہوگی' شمع محفل اور توجہ کا مرکز بن جاتی ہوگی' اور لوگ سہاش پر رشک کرتے ہوں گے کہ اسے کیسی حسین وجمیل اور بے انتہا جاذب نظر اور غیر معمولی پرکشش عورت مل گئی۔''

''ہاں! یہ بات تو تھی''۔ سروجا نے اقرار کے انداز میں سر ہلایا۔

''لیکن۔''

''لیکن کیا......؟'' میں نے اس کی بات کاٹی' یہ کیا تمام مرد اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے' اور ان کی ساتھی عورتوں کے سینوں پر سانپ لوٹ جاتے ہوں گے؟

''یہ بات بھی تھی' لیکن میں جو کہنا چاہ رہی ہوں' وہ یہ ہے کہ اکثر بڑی پارٹیوں میں شراب بھی رکھی جاتی تھی' اسے پارٹی ہی نہیں کہا جا سکتا' جس میں شراب نہ ہو' اکثر ایسا ہوا کہ اس نے بے تحاشا شراب پی لی اور مدہوش ہوگئی' نشے میں دھت ہو کر اس نے نامناسب اور غیر شائستہ حرکتیں کیں' کسی عورت کے کپڑے پھاڑ دیئے' کسی عورت کے بال خراب کر دیئے' تو کسی مرد کے سر پر شراب انڈیل دی' کسی مرد کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دیا' سہاش اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈال کر گھر پہنچاتا تھا۔

ان باتوں کو سن کر اور دیکھ کر مجھے سہاش پر بڑا ترس آتا تھا' مگر خود مرا علاج نیت کے مصداق اس کی کوئی دوسری مدد نہ کی جا سکتی تھی' اور پھر نہ جانے کیا بات تھی' میں سمجھتی ہوں کہ سہاش کی نرم دلی اور حوصلہ مندی تھی' کہ وہ جیسے جیسے اس اکھڑ اور بدسلیقہ عورت سے نباہ کرتا رہا' لوگ اسے لعن طعن بھی کرتے تھے' اور فقرے بھی کستے تھے مگر اس نے کبھی پروا نہ کی' اور وہ بدستور سریتا کا ساتھ دیتا رہا۔''

''تم نے سہاش کو سمجھایا تو ہوگا؟'' میں نے کہا۔

''کیا اس نے تمہاری بات پر کوئی توجہ نہیں دی؟''

''کسی نہ کسی کو تو اسے سمجھانا ہی تھا۔'' وہ بولی۔

''میں جب بھی اس سے سریتا کی حرکتوں کا ذکر کرتی' تو اس نے کوئی دھیان نہیں دیا۔'' اس نے سنجیدگی سے اثر نہیں لیا' مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی' پھر جب میں نے سریتا کی پراسرار آمدورفت کے بارے میں دھیان دلایا' تو وہ بولا کہ وہ اپنی بیوی پر پورا اعتماد کرتا ہے' اور اسے کرنا بھی چاہیے' کسی بھی شوہر کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی جاسوسی کرے' لیکن میں اصرار کرتی رہی کہ آخر پتا تو چلے کہ وہ کیا کرتی پھر رہی ہے' اگر وہ کسی الجھن میں پھنسی ہوئی ہے' تو اسے نکالا جا سکے' لیکن سہاش کا خیال تھا کہ اگر سریتا کسی بھی الجھن میں مبتلا ہے' تو اس میں اس کا کوئی دوش نہیں ہے' حالات نے اسے دوسروں کا آلہ کار بننے پر مجبور کر دیا ہوگا' وہ سریتا کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔

وہ یک لخت خاموش ہوگئی' میں میز کی دوسری سمت بیٹھا ہوا تھا' اس نے اپنا سگریٹ ایش ٹرے میں مسلنے سے پہلے اس کا آخری کش لیا تھا' پھر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا' جیسے وہ جاننا چاہتی ہے کہ میں قائل ہوا کہ نہیں؟

اس نے میرا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری دیکھا' تو اس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے' جیسے اسے دکھ ہوا ہو۔

''اب تم میری بات سنو!'' میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔

''سہاش نے بظاہر تو میرے ساتھ مہربانی کا تصور کیا' اور مجھے رنگا مائی پہنچانے کی کوشش کی' لیکن اس کا کیا علاج کہ جب میری آنکھ کھلی تو میں شدید زخمی اور مجروح حالت میں ہسپتال میں پڑا ہوا تھا' تم کیا کہتی ہو؟''

میں نے سگریٹ سلگانے کے لیے توقف کیا' اس دوران اس کی طرف دیکھا' تو اس کی آنکھوں میں بے دردی اور خوف کی جھلک تھی' اس کا چہرہ زرد تھا' میں نے ایک کش لے کر کہا۔

''سروجا! تمہیں اپنے سہاش کے متعلق ضرورت سے زیادہ غلط فہمی ہے' تم اس ریس میں ایک خود گھوڑے پر داؤ لگا رہی ہو' یہ نہ سمجھ کہ میں سریتا کو بے قصور کہتا ہوں' نہیں! ہرگز نہیں! کیوں کہ وہ بھی اس کی شریک تھی' یہ الگ بات ہے کہ کس نے اسے مجبور کیا' اسے مجبور

کرنے والا تمہارا نوجوان دوست سہاش کے سوا......''

''اسے میرا نوجوان مت کہو۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا' اس کے لہجے میں ناگواری اور تیزی تھی۔

''وہ ایک ایسا انسان تھا' جس کی تکلیف مجھے کسی صورت میں گوارا نہیں تھا' تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟ کیا تمہارے خیال میں مجھے احسان فراموشی کرنی چاہیے تھی؟''

''چلو! یوں ہی سہی۔'' میں نے کہا۔

''سوال یہ ہے کہ تم اس کے لیے کہاں تک اور کب تک ایثار اور قربانیاں دیتی رہو گی' اب میں تمہیں تفصیل سے وہ حالات بتاتا ہوں' جب سہاش سے میری ملاقات ہوئی تھی۔''

پھر میں نے سہاش سے ملاقات کی ساری کہانی مختصر طور پر سروجا کو سنائی۔

کہانی سنانے کے بعد میں اس کے لب کھلنے کا انتظار کرتا رہا' وہ کچھ نہ بولی' تو بالآخر میں نے کہا۔

''تو یہ ہے تمہارا سہاش! تم جانتی ہو کہ میری ناک پر اتنا بڑا زخم کیسے ہو گیا؟ ناک پر شدید زخم میرے خیال میں اس لیے آیا کہ سہاش کی ناک سیدھی' صاف اور خوب صورت ہے' جب کہ بچپن میں فٹ بال کھیلتے ہوئے میری ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی' اور ناک پر زخم کا نشان موجود تھا۔ اس نے سوچا ہو گا کہ کہیں ناک پر زخم کے نشان کی وجہ سے کسی کو شک نہ ہو جائے' سو اس نے مجھے بے ہوش کرنے کے بعد میری ناک کو بڑی بے رحمی سے کچل دیا' اور اس نے یہ کام گاڑی کو آگ لگانے اور کھڈ میں گاڑی کو دھکیلنے سے پہلے سرانجام دیا۔''

سروجا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی' اور میری آنکھوں میں جھانکتی ہوئی تیز و تند لہجے میں بولی۔

''میں کبھی اس بات کا یقین نہیں کر سکتی کہ سہاش ایسی سنگدلانہ حرکت کر سکتا ہے' ہرگز نہیں! تمہاری اس بات میں ذرا برابر بھی سچائی نہیں ہے۔''

''بھلے تم یقین نہ کرو۔'' میں نے کہا۔

''مگر یہ سوچو کہ میں خود کو کیوں کر اتنا زخمی کر سکتا ہوں؟ کیا کوئی شخص اتنا احمق ہو سکتا ہے' کہ اپنا چہرہ مسخ کر لے؟ ایسا کرنے سے کیا حاصل؟''

''مجھے کیا خبر تم نے کیا کیا؟'' وہ غصے سے چلا کر بولی۔

''بس میں اتنا جانتی ہوں کہ مجھے بحریہ کی یونیفارم کا ایک بٹن ملا ہے' جو تمہارا ہو سکتا ہے' دوسری بات یہ ہے کہ سہاش غائب ہے' اور تم اس کی حسین اور جوان بیوی کے شوہر بنے بیٹھے ہو' لہٰذا میں تمہاری بات کا کیوں کر یقین کروں' اس لیے کہ سہاش نے تمہیں خود ہی لفٹ دی' اگر ایسا ہوا ہے تو پھر تم نے ہی اسے ہلاک کر کے کہیں دفنایا ہو گا' کیوں کہ تم نہیں چاہتے تھے کہ ڈیوٹی پر دوبارہ جاؤ۔''

''کیا کہہ رہی ہو؟ بھلا میں......؟'' میں رک گیا' کیوں کہ وہ دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی۔

''میں پولیس کو بلا رہی ہوں' '' وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔ ''مجھے یہ کام پہلے ہی کر لینا چاہیے تھا' خیر اب بھی کچھ نہیں ہوا۔''

''ٹھیک ہے' شوق سے بلالو' '' میں نے کہا۔ ''تم زحمت کیوں کر رہی ہو' میں پہلے ہی پولیس کو اطلاع دے چکا ہوں۔''

''مجھے تمہاری اس بات کا اس وقت یقین آئے گا' جب میں انہیں یہاں دیکھوں گی؟'' اس نے تیز لہجے میں کہا۔

''ہو سکتا ہے کہ تم مجھے دھوکا دینے کے لیے جھوٹ بول رہی ہو؟''

یہ کہہ کر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی' چند لمحوں کے بعد میں اٹھا' اور اس کے پیچھے چلا گیا کہ دیکھوں وہ کیا کرتا ہے۔

وہ اس وقت سیڑھیوں کے پاس رکے' ٹیلی فون کے ساتھ مصروف تھی' میرے قدموں کی آواز سن کر وہ مجھے خشمگیں نظروں سے تکنے لگی' اس کے چہرے پر اجنبیت اور کدورت پھیلا ہوا تھا۔

''کیا معاملہ ہے؟'' میں نے اسے کریڈل پر بار بار ہاتھ مارتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

جواب میں اس نے جھک کر فوراً ہی اپنا پستول نکال لیا' اور اس کا رخ میری طرف کرنے کے بعد استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''تم نے پولیس کو بلایا ہے' ایک ناکارہ ٹیلی فون کے ذریعے؟ مجھے بے وقوف بناتے ہو؟''

''لیکن یہ آج سہ پہر ناکارہ تو نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔

"ٹھہرو! میں دیکھتا ہوں۔" میں اس کی طرف بڑھنے لگا۔

"وہیں کھڑے رہو۔" وہ غرا کر بولی۔

"اگر تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو؟"

میں نے ایک لمبی سانس لے کر اسے درزیدہ نظروں سے دیکھا اور اس کا چہرہ نظروں کی گرفت میں لے کر بولا۔

"سروجا! ڈرامے کا یہ سین پہلے بھی تو ہو چکا ہے۔"

"فضول بات مت کرو۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولی' اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔

پھر وہ مزید کچھ کہنے کے بجائے الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھنے لگی' جیسے کہیں میں موقع پا کر اسے دبوچ نہ لوں' معلوم نہیں کیوں وہ مجھ سے خوف سا محسوس کر رہی تھی' اگر اسے دبوچ کر بے بس کرنے اور فائدہ اُٹھانے کا' ارادہ ہوتا تو ناشتے کے دوران میں کسی بھی بہانے ایسا کر سکتا تھا' اس کے وہم کا میرے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔

میں نے اس کا راستہ روکنا مناسب نہیں سمجھا' اور ٹیلی فون کی طرف بڑھا' میرے قدموں کے ساتھ ساتھ اس کے پستول کا رخ میں بدلتا رہا تھا' میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا' ڈائل ٹون گدھے کے سر کی سینگ کی طرح غائب تھی' میں نے دو ایک بار کریڈل دبایا' تو مجھے ٹون سنائی نہ دی۔ فون ڈیڈ پڑا تھا۔ میں نے حیرت اور فکرمندی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا' فون ڈیڈ ہونے کی وجہ میری سمجھ سے بالاتر تھی' کیوں کہ طوفان یا ہوا کے جھکڑ بھی نہیں چل رہے تھے۔

سروجا اب دروازے کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی' پھر وہ برق سرعت سے مڑی' اور باہر نکل گئی' لیکن وہ دروازے کے باہر یوں ٹھٹک کے رک گئی' جیسے زمین نے اس کے پاؤں پکڑ لیے ہوں۔

میں بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا' ہال کی روشنی میں وہ کسی بت کی طرح کھڑی تھی' اس کا چہرہ متغیر تھا' اور بڑی بڑی آنکھوں سے وحشت جھانک رہی تھی' جب میں قدم بڑھا کر اس کے پہلو میں پہنچا' تو وہ ساکت سی رہی' اور اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا' میرا خیال تھا کہ وہ شاید بدک جائے گی' کہ کہیں میں اسے دبوچ نہ لوں' اس نے میری طرف دیکھا تک نہیں' لیکن اس نے یہ تو محسوس کر لیا تھا' کہ میں اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا ہوں' اس کا

ساکت کھڑے ہونا تعجب خیز امر تھا۔

میں نے دریا کی طرف دیکھا' سبھاش کی جو کشتی ڈاک پر کھڑی تھی' اس کے کیبن سے روشنی آ رہی تھی۔

میں بھی سروجا کی طرح دم بخود رہ گیا' حالانکہ شام کو کشتی پر کوئی روشنی نہ تھی' اور اس امر کا مجھے پورا وشواس تھا۔

سروجا نے سر گھما کر میری طرف دیکھا' اس کے بشرے سے ایسا ظاہر ہوتا تھا' جیسے اس کے سب شکوک و شبہات فنا ہو چکے تھے' اگر ایسا نہ ہوتا' تو وہ مجھے قریب آنے نہیں دیتی' پھر اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کیا' کیا' تم نے واقعی سبھاش کو آج شام دیکھا ہے؟"

"ہاں!" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن تم نے میری کسی بات کا یقین نہیں کیا۔"

"تو کیا کشتی میں اس وقت......" وہ رک رک کر بولی۔

"وہی ہے۔"

میں نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے دوبارہ کشتی کی طرف دیکھا' جواب دینا فضول تھا' اور پھر اس وقت سریتا کا یہ فقرہ میرے ذہن میں گونجنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ آج رات وہ چاندنگر جائیں' کیوں کہ اہم ملاقاتوں کے لیے وہی مقام مخصوص ہے۔"

"مگر اس بات کا بھی امکان ہے کہ سریتا نے شاید جھوٹ سے کام لیا ہو' یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پولیس حرکت میں آ گئی ہو' زیرزمین کام کرنے والوں کی سرگرمیاں اور منصوبے کسی اور رخ پر جا رہے ہوں' سبھاش کے اس مطالبے کا کہ کشتی کو سریتا یارڈ سے نکال کر ڈاک پر پہنچا دے' اس کے سوا کوئی اور مقصد نہ تھا کہ یہ کشتی ضرورت کے وقت فوری پر میسر آ سکے۔"

یہ سب کچھ سوچتے سوچتے میرا ذہن الجھ سا گیا' مگر یہ روشنی کس مقصد سے کی گئی ہے؟ اور سریتا کی کھڑکی پر کنکر کیوں پھینکے گئے؟ جب کہ خالی پڑا ہوا گیراج یہ ظاہر کر رہا تھا' کہ سریتا گھر پر موجود نہیں۔ وہ اسٹیشن ویگن لے کر کہیں چلی گئی ہے۔ حالات بڑے پراسرار سے ہو گئے تھے۔

مجھے گمان ہونے لگا کہ سریتا کی کھڑکی پر پتھر اس لیے پھینکے گئے تھے کہ سریتا متوجہ ہو

جائے' ان کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے' کہ وہ مجھے بیدار کریں' یہ روشنی بھی سریتا کو بلانے کے لیے نہیں جلائی گئی' بلکہ مجھے گھر سے کشتی تک لانے کے لیے جلائی گئی ہے' کیوں کہ میرے پاس پستول ہے اس لیے گھر میں گھس کر مجھ پر قابو پانا خطرے سے خالی نہیں' اس کے بجائے کنکر پھینک کر مجھے جگانا' اور پھر میرے جذبۂ تجسس کو ہوا دے کر کشتی تک لانا' زیادہ بہتر رہے گا' میں کشتی میں روشنی دیکھ کر خودبخود اپنا تجسس دور کرنے کشتی کی طرف آ جاؤں گا' اس لیے ٹیلی فون کی تاریں کاٹ دی گئی ہیں کہ میں پولیس کو اس روشنی کے متعلق آگاہ نہ کر سکوں۔

یہاں تک سوچنے کے بعد میرے ذہن میں ایک اور سوال پیدا ہوا کہ آخر وہ مجھے ہی کشتی پر کیوں لانا چاہتے ہیں؟

پھر سریتا کی روانگی کو یاد کر کے اس سوال کا جواب پانے میں کوئی دقت نہ ہوئی' ممکن ہے سریتا نے انہیں اطلاع دے دی ہو کہ میں نے پولیس کو خبردار کر دیا ہے' اور کل رات وارد ہونے والی کشتی کے بارے میں بھی بتا دیا ہے' اور اگر اب میں غائب کر دیا جاؤں' اور اس طرح میرا کوئی نام ونشان نہ ملے تو پولیس ہی کو شک گزرے گا کہ میں نے جھوٹی اطلاعات دی تھیں۔

اصل میں' میں خود ہی مجرم تھا' اس طرح مجرموں کی بہت ساری حل نہ ہونے والی گتھیوں کا بوجھ پولیس میرے کندھوں پر ڈال دے گی' پولیس میرے غائب ہونے کو میری موت نہیں' بلکہ فرار کہے گی۔

''ہاں!'' میں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

''یہ سہاش ہی ہوسکتا ہے' وہ پھر نازل ہو گیا ہے۔''

سروجا خاموش رہی' مجھے ہر طرف سے خوف کے گہرے سائے پھیلتے دکھائی دے رہے تھے' میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا' لیکن میں یہ بات جانتا تھا کہ میں بھاگ کر نہیں جا سکتا' یہ لوگ مجھے فرار ہونے نہیں دیں گے۔ اب مجھے کشتی کی طرف جانا ہے' ورنہ وہ خود مجھے پکڑنے آ جائیں گے۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر سروجا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''سروجا! میرا پستول اب تو مجھے دے دو۔''

''نہیں!'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''دونوں پستول میرے پاس ہی رہیں گے' میں پستول نہیں دوں گی۔''

''وہ کس لیے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''میں نے صرف اپنا پستول تم سے مانگا ہے' تم دونوں پستول اپنے پاس رکھ کر کیا کرو گی؟''

''اس لیے کہ ملاح! تم سہاش کو دیکھتے ہی گولی مار دو گے۔'' وہ بولی۔

''میں اسے مرتا ہوا دیکھ نہیں سکتی۔''

میں اسے یہ بات کہنا چاہتا تھا کہ میں سہاش کو قتل کرنے کے لیے نہیں' بلکہ اپنا دفاع کرنے کی غرض سے اپنا پستول اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں' تاکہ میں موٹربوٹ میں بیٹھ کر یہاں سے بھاگ جاؤں' مگر میں یہ بات جانتا تھا کہ یہ ضدی لڑکی ہرگز میرا کہا نہیں مانے گی' خوامخواہ کی بحث پر اتر آئے گی۔

''اچھا......'' میں نے مشتعل ہو کر کہا۔

''تو اب کس بات کا انتظار کر رہی ہو؟ کیا دیوالی کا؟ قدم کیوں نہیں بڑھاتی ہو؟'' ہم دونوں چلتے چلتے ڈاک کی شکستہ سیڑھیوں تک پہنچے' اندھیرے کی وجہ سے مجھے ہلکی سی ٹھوکر لگی' لیکن میں فوراً ہی سنبھل گیا' البتہ اس ٹھوکر نے میرے سینے کے درد کو چھیڑ دیا' اندھیرے میں ٹوٹی ہوئی کشتیوں پر اترنا میرے لیے کافی دشوار ثابت ہوا' اس کے علاوہ سہاش کا خوف میرے اعصاب پر چھایا ہوا تھا' وہ میرے پیچھے تھی۔

ڈاک پر ہلکورے لیتی ہوئی کشتی کے علاوہ کوئی اور چیز متحرک نہ تھی' ہر طرف خاموشی پھیلی ہوئی تھی' ایسا لگتا تھا کہ جیسے آس پاس کوئی ذی نفس موجود نہیں ہے' البتہ کشتی کے کیبن سے بدستور روشنی جھانک رہی تھی' کھڑکی بند تھی' اور اس کے دھندلے شیشوں سے یہ روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

میں کشتی کے قریب پہنچ کر ایک لمحے کے لیے رکا' اور تذبذب کے عالم میں کشتی میں کود گیا' اندھیرے میں اِدھر اُدھر کچھ نہ دکھائی دیا' تو میں مڑا تاکہ ہاتھ بڑھا کر سروجا کی مدد کروں' لیکن اس اثناء میں وہ آہستہ سے چھلانگ لگا چکی تھی' تاہم ایک ہاتھ سے تھامے ہوئے پستول کی وجہ سے وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی' وہ بُری طرح لڑکھڑا گئی' میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے سنبھال لیا۔

دو آدمی میری گھات میں بیٹھے ہوئے تھے، جس کی ہمیں خبر نہ ہو سکی تھی' ان دونوں نے اچانک ہم پر ہلہ بول کر ہمیں قابو میں کر لیا' ہمیں تو ہاتھ ہلانے کی مہلت ہی نہ ملی۔ ایک نے مجھے پیچھے سے پکڑ لیا' اور دوسرا اچھل کر سروجا پر اس طرح حملہ آور ہوا کہ اس نے سروجا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول چھین لیا' اور پھر اس نے نیفے میں اڑسا ہوا پستول نکال کر اسے قابو میں کر لیا۔

حملہ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ سروجا کچھ بھی نہ کر سکی' اس ضدی لڑکی نے اگر مجھے پستول دیا ہوتا' تو شاید اس بے بسی کی نوبت نہ آتی' ہم دونوں میں سے کسی نے کچھ نہیں کیا' ان میں جو ایک قدآور شخص تھا' وہ ریوالور تھامے ہوئے تھا۔ اس نے ریوالور سے ہم دونوں کو کشتی کے کیبن کی طرف اشارہ کیا' میں آگے بڑھا' کھینچ کر کیبن کا دروازہ کھول دیا۔

کیبن کے اندر دو افراد اور تھے' میں نے دیکھا' سریتا دیوار کے ساتھ ایک سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ مجھے دیکھتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئی' میں اسے یہاں دیکھ کر زیادہ حیران نہیں ہوا' لیکن اس کے چہرے کے تاثرات نے مجھے دہلا دیا' اس کی حالت اندر سے بڑی دگرگوں ہو رہی تھی' اس کا سارا لباس کیچڑ سے بھرا ہوا تھا اور اس کا پھٹا ہوا سوئیٹر یہ ظاہر کر رہا تھا' کہ اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی' سریتا کے چہرے پر جابجا خراشیں تھیں' اس نے مجھے دیکھ کر بے تابانہ قدم اٹھایا۔

''اجیت! میرے پیارے اجیت! مجھے بے حد افسوس ہے کہ لیکن میں کچھ بھی نہ کر سکی۔''
اس نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔

''مجھے معاف کر دو اجیت!''

مجھے اس کے اظہارِ افسوس سے کوئی دلچسپی نہ تھی' کیوں کہ میں اس وقت دوسرے شخص کو دیکھ رہا تھا' جو سریتا کے پیچھے تھا' وہ کیبن کے آخری بنے ہوئے کشتی کنٹرول بورڈ کے پاس کھڑا تھا' کیبن میں کافی روشنی تھی' اور اس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا' وہ سبھاش نہیں تھا' میرے لیے اجنبی تھا۔

اس شخص نے ریوالور سے میرا نشانہ لے کر دوسرے ہاتھ سے ہیٹ یوں اتارا گویا اپنی شناخت کو آسان بنا رہا ہو' اس کی اس حرکت نے اس کے گنجے سر کو نمایاں کر دیا' وہ کچھ اور

بوڑھا دکھائی دے رہا تھا۔

''کشتی پر خوش آمدید کہتا ہوں کیپٹن اجیت!'' ڈاکٹر نارنگ نے فاتحانہ انداز کے تاثر میں ڈوب کر کہا۔

ایک بات یہ تھی کہ نیوی کی طرف سے جو شخص اس مہم پر آیا تھا' شاید وہ میرا ہم شکل تھا' اس لیے ان لوگوں کو مغالطہ ہوا تھا' اور اس کہانی نے جنم لیا تھا' میں نے تردید اس لیے نہیں کی کہ وہ میری کہی بات کو تسلیم نہیں کرتے' بلکہ یہ سمجھتے کہ میں اپنی جان بچانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لے رہا ہوں' اس لیے میں اس کی بات سن کر خاموش ہو رہا تھا۔

پھر ڈاکٹر نارنگ نے مدھم آواز میں اپنے آدمیوں کو کچھ احکامات دیئے' اور میرے پیچھے کھڑے ہوئے شخص نے کیبن کا دروازہ بند کر دیا۔ چند لمحوں تک ہولناک اور بھیانک سکوت طاری رہا' پھر سروجا نے مجھے ملامت آمیز نظروں سے دیکھا' اس کے چہرے پر اُلجھن کے آثار پیدا ہوئے' پھر وہ تیز لہجے میں بولی۔

''تم نے کہا تھا کہ تم نے...... سبھاش زندہ ہے' وہ کہاں ہے؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا' میں جواب کیا دیتا؟ میرے پاس جواب تھا بھی کیا؟ کیوں کہ میں غلط نتائج پر ابھی تک گم صم تھا' اس وقت میرا ذہن بُری طرح چکرا رہا تھا' میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

ڈاکٹر نارنگ نے اس لمحے ایک زوردار قہقہہ لگایا' پھر اس نے سروجا کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے کہا۔

''سن سروجا! میں ہی سبھاش ہوں' میرے سوا کیپٹن اور کسی سبھاش سے نہیں ملا' اس نے یہ غلطی انسانی فطرت کے تحت کی' جو شخص گاڑی چلا رہا تھا' اور اس کی اشیاء کا استعمال کر رہا تھا' اور جس نے اپنے آپ کو سبھاش کہہ کر متعارف کرایا' یہ ایک فطری غلطی تھی کہ یہ مجھے سبھاش کے روپ میں دیکھ کر سبھاش ہی کہتا رہا' اس میں اجیت کا کوئی قصور نہیں' اگر ایک شخص ازراہِ مہربانی کسی کو گاڑی میں لفٹ دیتا ہے' تو لفٹ لینے والا اس کی مہربانی پر یہ نہیں کر سکتا کہ اسے گھور گھور کر دیکھنا شروع کر دے' اور پھر گاڑیوں کے ڈیش بورڈ میں آج کل ایسی بتیاں بھی نہیں ہوتیں کہ لفٹ دینے والے کا چہرہ نمایاں طور پر دکھائی دے سکے۔''

سروجا نے پہلے ایک طرف اور پھر دوسری طرف دیکھا' پھر وہ تذبذب کا شکار رہی' پھر

وہ چلا کر بولی۔

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم گھر پر بھی اس کے علاج کے لیے کئی دفعہ آئے' مجھے یقین دلانے کی کوشش نہ کرو کہ اس نے تمہیں پہچانا ہی نہیں' وہ کوئی چھوٹا بچہ نہیں؟"

"مس سروجا! اجیت کی الجھن ناقابل فہم نہیں' ایک رات ایک ایسے شخص نے اس کے سر پر ضرب لگا کر بے ہوش کر دیا' جس کا چہرہ اس نے غور سے دیکھا ہی نہیں' البتہ اس کے ذہن پر یہ بات نقش تھی کہ اس شخص کا نام سبھاش ہے' چند دنوں کے بعد جب یہ ہسپتال میں مجروح پڑا تھا' اسے ایک معزز ڈاکٹر نارنگ سے متعارف کرایا گیا' تو کیا اس کے ذہن میں یہ خیال آ سکتا ہے کہ اسے زخمی کرنے والا سبھاش اور ڈاکٹر ایک ہی شخص کے دو روپ ہیں؟ ہرگز نہیں! خصوصاً اس صورت میں کہ دوسرا شخص یعنی ڈاکٹر نارنگ اس پہلے شخص سبھاش سے عمر میں بیس برس بڑا ہے اور بوڑھا دکھائی دے رہا ہو۔

مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ ڈاکٹر نارنگ نے کمال عیاری سے مجھے بے وقوف بنائے رکھا' اگرچہ ہسپتال میں ڈاکٹر نارنگ کی آواز سنی ہوئی محسوس ہوئی تھی' لیکن میں اپنی خستہ حالت کی وجہ سے اس پر غور نہ کر سکا تھا۔

"لیکن یہ تو کہتا ہے کہ ایک رات پہلے سبھاش نے اس پر گولی چلائی تھی۔" سروجا نے مجھے گھور کر دیکھا' اور ڈاکٹر نارنگ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"اس نے آج رات بھی سبھاش کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

"ہاں!" ڈاکٹر نارنگ نے مسرور لہجے میں جواب دیا' تو اس کے لہجے کی پشت پر فخر سا تھا۔ "انسانی نفسیات کا یہ عجیب وغریب واقعہ ہے' اجیت نے مجھے ہسپتال میں ایک ڈاکٹر کے روپ میں دیکھا' ایک ایسے ڈاکٹر کے روپ میں، جو گنجا اور بوڑھا تھا' اجیت مجھے کسی اور روپ میں دیکھنے کے لیے قطعی تیار نہ تھا' یہی وجہ تھا کہ جب اس نے گھر سے باہر چاند کی روشنی میں ریوالور سمیت اوور کوٹ ہیٹ پہنے ایک شخص کو دیکھا' تو اس کا خیال اس شخص کی طرف گیا' جس سے وہ رات مل چکا تھا' اور جس نے یہی پہنا ہوا تھا' خصوصاً ہیٹ' اجیت نے نفسیاتی غلطی کی' اور یہ مجھے ڈاکٹر نارنگ کے طور پر سمجھ نہ سکا' اس نے مجھے سبھاش ہی سمجھا' جس نے اسے راستے میں قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔

مجھے اعتراف ہے کہ حالات کے اس ارتقاء میں میری منصوبہ بندی کو کوئی دخل نہ تھا' اس

رات گھر کے باہر سریتا سے ملاقات کا انتظار کر رہا تھا' دروازے پر اجیت کو اچانک دیکھ کر حیران رہ گیا' پہچانے جانے سے بچنے کے لیے میں نے اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹارچ پر گولی چلا دی' اور پھر یہ جان کر مجھے حیرت ہوئی کہ اجیت نے مجھے سبھاش کہا ہے۔

اس حیرت انگیز خبر نے سریتا پر دیوانگی طاری کر دی تھی' اجیت کی اس غلط فہمی نے سریتا کو عارضی طور پر پاگل کر دیا تھا' پھر میں نے اس کی غلط فہمی سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کیا' اور میں نے سریتا کو سمجھایا کہ وہ اسے اس غلط فہمی میں مبتلا رکھے' آج رات بھی میں نے اجیت کی اس غلط فہمی سے فائدہ اُٹھانے کی نیت سے اوور کوٹ اور ہیٹ پہنا' اور وہ لباس ایک طرف رکھ دیا جس میں' میں بوڑھا اور گنجا دکھائی دیتا تھا' اس کے بعد میں نے سریتا کے کمرے کی کھڑکی پر خشت باری کی' تاکہ اجیت یہ سمجھے کہ اس کی تمام مصیبتوں کے پس پردہ سبھاش کا ہاتھ ہے۔"

سروجا کا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری ہو گیا تھا' وہ چند لمحوں تک ہونٹ چباتی رہی' پھر بولی۔

"تم نے کہا ہے کہ تم اس رات سبھاش کی گاڑی چلا رہے تھے' تو پھر سبھاش کہاں تھا؟"

"سبھاش وہیں تھا' جہاں شام کو اسے دریا کی تہہ میں اتارا گیا تھا' اس حالت میں اتارا گیا تھا کہ اس کے سر میں گولی کا ایک سوراخ اور اس کے گرد بھاری زنجیر کے کئی چکر دیئے گئے تھے' تاکہ اس کی لاش دریا کی سطح پر نہ آ سکے۔"

سروجا اسے تحیر سے کھلے منہ سے دیکھتی رہی' پھر اس نے اپنی زبان سے خشک ہونٹوں کو نم کیا' پھر اچانک ہی دروازے کی طرف اندھا دھند بھاگی۔

دروازے پر کھڑے ہوئے ڈاکٹر نارنگ کے گرنے نے اسے پیچھے کی طرف دھکیل دیا' وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی' لڑکھڑاتی ہوئی ایک کرسی پر جا گری اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کیبن کے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی' ایک لمحے میں' میں نے باہر کی سمت دیکھا اور ڈاکٹر نارنگ سے کہا۔

"ڈاکٹر! وہ لوگ آ گئے ہیں۔"

ڈاکٹر کی آنکھوں میں جوش کی سی چمک پیدا ہوئی' اس کا چہرہ دمک اٹھا' اور وہ خوش ہو کر

بولا۔

''اچھا ان کا خیال رکھو' لمحے کے لیے بھی ان سے غافل نہ رہنا' اور نہ ہی بے پروا ہونا۔''

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا' کیبن کا دروازہ تنگ تھا' لیکن وہ ترچھا ہو کر نکل گیا۔

رسمی نمسکار کی ہلکی پھلکی آوازوں کے بعد مدھم آواز میں گفتگو شروع ہوگئی' جس کی بھنبھناہٹ میرے کانوں تک آتی رہی' لیکن الفاظ قطعی واضح نہ تھے' مبہم مبہم سے سنائی دیتے تھے۔

سروجا کی سسکی سن کر میں نے اس کی طرف دیکھا' وہ بھی میری طرف ہی دیکھ رہی تھی' اور اس کی نگاہوں سے شکوہ ظاہر ہو رہا تھا' معاً مجھے احساس ہوا کہ سریتا ابھی تک مجھ سے لگی کھڑی ہے۔

میرے سینے میں نفرت اور رحم کے متضاد جذبات پیدا ہو گئے' سریتا کی حالت قابل نفرت بھی تھی' اور قابل رحم بھی' وہ بے حد خوف زدہ بھی تھی' اور وحشت زدہ بھی دکھائی دیتی تھی' مگر اس نے مجھے ہر قدم پر دھوکا دیا تھا' اور ہر قدم پر مجھ سے جھوٹ بولتی بھی رہی تھی' سریتا نے صرف مجھے ہی نہیں' بلکہ ڈاکٹر نارنگ کو بھی دھوکا دیا تھا' اور اب وہ اپنی دوعملی کی وجہ سے کہیں کی بھی نہیں رہی تھی' میرے لیے اب اس کے ساتھ نباہ کرنا' اور زندگی کا ساتھی بنانا ناممکن تھا۔

میں نے یہ سب کچھ سوچتے ہوئے اسے آہستگی سے ایک قریبی کرسی پر بٹھا دیا۔

پھر میں نے باہر کی طرف کان لگا دیئے' اچانک ہی باہر سے واضح الفاظ سنائی دیئے۔

''کپتائی اسٹار کے عملے کو قرار واقعی سزا دی جائے گی' تم فکر نہ کرو کہ وہ ایسی حماقت نہیں کر سکتے کہ ہم سے غداری کریں' ہم چاند نگر سے کپتائی جائیں گے' سارے انتظامات مکمل ہیں' کیپٹن اجیت چوں کہ ساتھ ہے اس لیے کوئی خطرہ نہیں' یہ ہماری آخری اور سب سے بڑی اور کامیاب مہم ہے' منزل مقصود پر پہنچتے ہی ایک عظیم انعام تمہارا منتظر ہے' ڈاکٹر میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں' اپنے دوسرے ساتھیوں کا ذکر نہ بھول جانا۔''

پھر ڈاکٹر نارنگ کی آواز سنائی دی۔

''میرا کام ہی میرے لیے عظیم انعام ہے' میں کوشش کروں گا کہ میرے باقی ساتھی بھی

اپنا اپنا حصہ وصول کر لیں' کیوں کہ اس اہم کامیابی میں ان کا بڑا اہم کردار ہے' انہوں نے جانوں پر کھیل کر بڑی احتیاط اور حفاظت کی ہے۔''

''ٹھیک ہے ہم جا رہے ہیں۔''

یہ دوسری آواز تھی' اس کے ساتھ ہی کشتی جوڑی ہوئی تھی' اس نے ہلکورا لیا' دروازے پر کھڑے ہوئے دونوں آدمی الگ ہو گئے' ڈاکٹر نے دونوں کے بیچ میں سے گزر کر اندر آتے ہوئے دونوں آدمیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

''تم اب دونوں چٹا گانگ کے لیے روانہ ہو جاؤ' فلائنگ کک لانچ پر انتظار کرنا' اب خطرہ نہیں رہا۔''

دونوں کیبن سے سر ہلا کر باہر نکل گئے' ان کے جانے کے بعد میز پر رکھے ایک پیکٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''اس میں کیپٹن کی وردی ہے' اسے فوراً پہن لو' دیر نہ کرو' کیوں کہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے''۔

''وہ کس لیے؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''میرے وردی پہننے سے کیا ہوگا؟''

''اس لیے کہ راستے میں بحریہ فورس کی لانچ گمشدہ ہونے کا پتا چلانے کے لیے تلاشی لے رہی ہے' ہر لانچ کی' وہ تمہیں پہچانتے ہیں' وہ تمہیں دیکھ کر ہماری کشتی کو جانے دیں گے' چاند نگر تک خطرہ ہے' پھر ہم ہوں گے' اور ایک ارب کی مالیت کا سونا۔''

''اب تک جو پارسل تم یہاں سے روانہ کرتے رہے ہو چٹا گانگ' اس میں کیا ہوتا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''اب تک صرف تین پارسل محض تجرباتی طور پر روانہ کیے جا چکے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''صرف ایک میں پانچ سیر سونا تھا' اور دو عدد پارسلوں میں ہیروئن' جو ہم نے چاند نگر میں رکھی ہوئی ہے' اب دو من ہیروئن دبئی کے راستے یورپی ممالک جائے گی' کیوں کہ وہاں ہیروئن کی مانگ اور قیمت مسلسل بڑھتی جا رہی ہے۔''

''ایک ارب کی مالیت کا سونا؟ کہاں لے جایا جائے گا؟''

''ہندوستان' وہاں سے مغربی بنگال اور آسام'' وہ بولا۔

"جلدی سے کپڑے پہنو دیر نہ کرو۔"

اس کے تحکمانہ لہجے میں بڑا جارحانہ انداز تھا' اس لیے میں نے فوراً ہی لباس پہنا' اور وردی پہن لی' جو بحریہ کی ٹوپی تھی' وہ میرے ناپ کی تھی' میں نے دل میں سوچا کہ ڈاکٹر نارنگ کو معلوم نہیں کہ میں نیوی کا کیپٹن نہیں' بلکہ ہندوستانی سیاح ہوں' نیوی فورس نے مجھے نہیں پہچانا' اور میرے پاس شناختی کارڈ نہ پا کر کشتی کی تلاشی لی' تو اس وقت یہ ڈرامہ دلچسپ موڑ پر پہنچ جائے گا' اس کا کلائمکس اور ڈراپ ڈاکٹر نارنگ کے لیے غیر متوقع ہوگا' وہ قانون کے ہتھے چڑھ جائے گا' میں بچ جاؤں گا' کیوں کہ میں مخبر ہوں' جب میں تیار ہوگیا' تو اس نے مجھے کنٹرول بورڈ کی طرف جانے کو کہا اور حکم دیا۔

"کیپٹن چلو! اسے چلاؤ۔"

"کیا؟" میں نے اسے تعجب سے دیکھا۔ "کشتی کو میں چلاؤں؟"

"کشتی کی موٹر چلاؤ' ہماری روانگی کا وقت ہو چکا ہے' ہاں! دیکھو کوئی شرارت نہ کرنا' میں تمہارے سر پر موت کا فرشتہ بنا کھڑا رہوں گا۔" اس نے ریوالور کو انگلیوں پر نچایا۔

میں مجبوراً کنٹرول بورڈ پر جا بیٹھا' مرتا نہ کیا کرتا؟ اِدھر اُدھر دیکھ بھال کرنے کے بعد میں نے اگنیشن میں چابی گھمائی' کشتی کی موٹر گھر گھرانے لگی' پھر وہ حرکت میں آ گئی۔

"ساری بتیاں بجھا دو۔" ڈاکٹر نارنگ نے تحکمانہ لہجے میں ہدایات دیں۔

"ہم اندھیرے میں سفر کریں گے۔"

تقریباً چھ برسوں کے بعد کشتی کو سنبھالتے ہوئے میری حالت بڑی عجیب ہو رہی تھی۔

+++

دماغ میں منتشر خیالات کا ایک طوفان بل کھا رہا تھا' مجھے بمبئی میں جہاز ران کمپنی میں ملازمت کا واقعہ یاد آ گیا' جب یوں بحری جہاز چلاتے چلاتے ایک سنگین حادثہ ہوگیا تھا' اور جہاز پھٹ گیا تھا' گزشتہ دنوں کے واقعات جو بے حد عجیب وغریب تھے' اس نے پہلے سے میرے اعصاب کو کمزور کر رکھا تھا' کبھی مجھے ایسے حالات سے واسطہ نہ پڑا تھا' اور جب اس حادثے کی یاد آئی' تو میرا دماغ سنسنانے لگا' اور پھر ان درندوں کی بستی میں' جو مجھ پر بیتی تھی' چاندنی کی یاد بھی آئی تو میرا دماغ ماؤف ہوتا گیا' اور حواس جواب دیتے گئے' پھر مجھے کچھ یاد نہ رہا' میں تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

کافی دیر بعد ہوش آیا' تو میں نے دیکھا کہ سریتا کنٹرول بورڈ پر بیٹھی ہے' اور سروجا مجھے متفکر نظروں سے دیکھ رہی ہے' مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر ڈاکٹر نارنگ نے سروجا سے کہا۔

"اب یہ ٹھیک ہوگیا ہے' اس پر اعصابی دورہ پڑ گیا تھا' میرا خیال ہے کہ اب تم کشتی سنبھالو' سریتا کافی تھک گئی ہے۔"

انجن کی ہلکی ہلکی آواز مجھے اپنے جسم میں نمایاں طور پر محسوس ہو رہی تھی' اس کے پیچھے واقع کیبن کی کھڑکی بار بار بج اُٹھتی تھی' کشتی اب چاند نگر کی طرف بڑھ رہی تھی' سروجا بڑی مہارت سے ڈاکٹر نارنگ کی ہدایت پر عمل کرتی کشتی چلا رہی تھی' میں اپنی خستہ حالت کی وجہ سے دل ہی دل میں اس بات پر مطمئن تھا' کہ مجھے کشتی چلانے کی زحمت سے نجات مل گئی تھی۔ ڈاکٹر نارنگ بڑی مستعدی سے ریوالور تھامے ہمارے سروں پر موجود تھا' کنٹرول بورڈ پر لگے دو چھوٹے بلبوں کی وجہ سے کیبن میں مدھم روشنی تھی۔

نیم تاریکی میں آنکھیں کھول کر تکتے' اور سوچتے ہوئے میری نگاہیں گیسولین کے ایک گیلن کے ڈبے پر مرکوز ہوگئیں' یہ ڈبہ میرے پاؤں کے بالکل قریب' دیوار کے پاس رکھا تھا'

تاکہ ضرورت کے وقت اسے لینے کیبن سے باہر جانا نہ پڑے' اس ڈبے پر سرخ روشنائی کے حروف سے واضح تھا کہ اس میں گیسولین بھرا ہوا ہے' یہ ڈبہ میری نگاہوں کے سامنے تھا' مجھے خیال آیا کہ یہ ڈبہ اس مقصد سے رکھا گیا ہے' کہ جب ڈاکٹر نارنگ مطلوبہ کشتی پر پہنچ جائے تو گیسولین سے اس کشتی کو آگ لگا کر دریا میں ڈبو دیا جائے' ظاہر تھا کہ ڈاکٹر نارنگ کو بعد میں اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

کشتی اندھیرے میں ساحل سمندر سے کچھ فاصلے پر اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی' سروجا اِدھر اُدھر دیکھے بغیر اسے چلا رہی تھی' ڈاکٹر نارنگ اپنے گھٹنوں پر ریوالوار لیے مستعد حالت میں بیٹھا تھا' میں سوچ رہا تھا کہ یہ ڈاکٹر ایک طرح سے جرم پیشہ ہے' جانے اس کی وجہ سے کتنے بے گناہ لوگ موت کے گھاٹ اتر جائیں گے' اور ان سے پہلے میں۔

میری نگاہیں بدستور گیسولین کے ڈبے پر مرکوز تھیں' مجھے یوں محسوس ہونے لگا' جیسے یہ ڈبہ مجھے کچھ کرنے کی تحریک دے رہا ہے۔

ڈاکٹر نارنگ اٹھا' اور سروجا کے کندھوں پر جھک کر کشتی کا راستہ دیکھنے لگا' تو سروجا نے خلاف توقع بڑی چاق و چوبند آواز میں بڑی بے خوفی سے اسے مخاطب کیا۔

"ایک ارب مالیت کا سونا، جسے بحریہ نے اس لانچ پر چھاپہ مار کر پکڑا' جو دبئی سے آرہی تھی' تم نے اس سونے کو کیسے چرالیا؟ جب کہ تم ایک ڈاکٹر ہو؟"

"یہ سوال جو تم نے کیا ہے، اس کا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" وہ استہزائیہ لہجے میں کہنے لگا۔

"حالانکہ میری جو پچھلی سرگرمیاں رہی ہیں' ان سے سبھاش واقف تھا' اور اس نے تمہیں اعتماد میں لیا ہوا تھا' اور میں نے اسے' سبھاش کو اس لیے اعتماد میں لیا تھا کہ اس کا گھر رنگامائی میں تھا' جو اسمگلنگ کا مال چھپانے اور محفوظ رکھنے کے لیے موزوں ترین تھا' میں نے یہ طریقہ کار اپنایا تھا کہ منشیات چٹاگانگ میں پہنچتے ہی اسے یہاں پہنچا دیتے' پولیس اس کی تلاش میں چٹاگانگ کی خاک چھانتی پھرتی' جب معاملہ ٹھنڈا ہو جاتا' تو ہم اسے کشتیوں کے ذریعہ کپتائی پہنچا دیتے' پھر وہاں سے چٹاگانگ' میرے کارکنوں نے سبھاش کے خاندان کا جائزہ لیا' تو اس کی بیوی اپنے حالات پر نالاں نظر آئی' اس کے خواب بہت اونچے تھے' لہٰذا اسے آلہ کار اور مہرہ بنانا چنداں مشکل نہ تھا۔"

سریتا نے بے چینی سے پہلو بدلا' مگر خاموش رہی' البتہ اس کے چہرے پر ایک کرب سا اُبھر آیا۔ ڈاکٹر نے اپنی بات جاری رکھی۔

"میں نے زیرزمین افراد سے مل کر ایک گروہ بنایا' کیوں کہ میں اپنے پیشے میں ناکام ہو چکا تھا' میں دولت مند بننے کا سپنا بچپن ہی سے دیکھتا آ رہا تھا' یہ ایک شارٹ کٹ تھا' منشیات کے علاوہ اسلحہ کا کاروبار بھی منافع بخش تھا' سونے کا بھی' میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ سونا ہندوستان سمگل کر کے میں کسی غیر ملک کو چلا جاؤں گا' وہاں ہر طرح کا عیش نصیب ہوگا۔

لیکن بحریہ نے وہ لانچ سمندری حدود میں پکڑ لی' تو میں نے ایک جادوگر کی مدد سے ایک منتر سیکھا' اس منتر کی بدولت میں نے اس کشتی کو چرالیا، جس میں سونا تھا' جن محافظوں کے تحویل میں تھا' انہیں میں نے اس منتر سے مفلوج کر دیا تھا' میں نے صرف اتنا ہی منتر سیکھا' اور مزید منتر سیکھنے کے لیے وقت نہیں تھا' اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت تھی' وہ سونا رنگامائی لے آئے' ویسے میں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ سبھاش نے جو منتر سیکھا' اس کی مدد سے سونے والی لانچ محافظوں کے تحویل سے نکال لی گئی ہے' میں نے اس لیے یہ بات مشہور کی تھی کہ کل کلاں میں نہ پھنس جاؤں' وہ سونا وہاں سے لانے کے بعد مختلف کشتیوں میں رکھ دیا گیا۔

میرے لیے یہ مشکل نہ تھا کہ سبھاش کی پتنی سریتا کو اپنے گروہ کی آلہ کار بننے کی ترغیب دوں' چنانچہ میں نے جلد ہی سریتا کو اپنی راہ پر ڈال لیا' اور اس کے گھر میں کچھ دن سونا رکھا گیا۔"

"مگر تم نے سبھاش کو قتل کیوں کیا؟ جب کہ وہ تمہارا دوست بھی تھا؟" سروجا نے سوال کیا۔

"کیوں کہ اس کے پاس ہماری کشتیوں کی ایک فہرست تھی' جو اس نے تیار کی تھی۔" ڈاکٹر نارنگ نے جواب دیا۔

"اس نے مجھے غیر قانونی اور مجرمانہ زندگی سے باز رکھنے کی کوشش کی' مجھے اس سے ڈر اور خوف محسوس ہوا کہ کہیں وہ رخنہ نہ ڈال دے' اور مجھے قانون کے حوالے نہ کر دے' اس لیے میں نے کالی بھیڑوں کی مدد سے اسے بحریہ سے نکلوا دیا۔

سبھاش نے اپنی بیوی سے کہا کہ ڈاکٹر کو سمجھا دو' پھر مجھے یہ اطلاع ملی کی کیپٹن اجیت کو رنگامائی بھیجا جا رہا ہے' بحریہ کو کسی مخبر نے یہ اطلاع دی تھی' کہ سونا رنگامائی میں موجود ہے' یہ مخبر

سبھاش تھا' اس کے سوا کوئی شخص نہیں ہو سکتا تھا' سریتا نے اس سے کہا تھا کہ وہ ڈاکٹر کا ساتھ دے' اس نے انکار کیا' اور دھمکی دی تھی کہ وہ تمام باتیں حکومت کو بتا دے گا' جس پر سریتا نے اس پر گولی چلا دی تھی۔

پھر میں نے ایک منصوبے کے تحت کیپٹن اجیت کو شکار کیا' اب تمام حالات تمہارے سامنے ہیں' ایک بات یہ ہے کہ سبھاش نے سریتا سے آخری وقت میں یہ کہا تھا' کہ وہ اس پر کی گئی زیادتیوں کا ازالہ اور اپنی ساری جائیداد اور دولت اس کے نام کر دے گا' ایک شرط پر تیار ہے' وہ حکام کے پاس چل کر اعتراف کرلے' اور وعدہ معاف گواہ بن جائے' لیکن اسے اپنے شوہر پر اعتماد نہ تھا' اس لیے سریتا نے تلخ کلامی کے بعد اپنے شوہر کو قتل کر دیا' جب میں گھر پہنچا تو سبھاش مرا پڑا تھا۔''

''میں اسے قتل کرنا نہیں چاہتی تھی۔'' سریتا بڑبڑائی۔

''میرا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا۔''

''یہ عجیب بات ہوئی کہ تم مرد ہو کر سبھاش کو قتل نہ کر سکے' اور تم نے بزدلوں کی طرح ایک عورت کے ہاتھ سے اسے قتل کرایا۔'' سروجا نے طنز کیا' اس کے لہجے میں نفرت بھی تھی۔

''شرم کیا بات ہے؟''

یہ طنز سن کر ڈاکٹر نارنگ پھنکارا' اور ریوالور سے اسے کچوکا دیا' تو وہ تنک کر بولی۔

''اپنی کشتی کے عملے کو ناکارہ کر کے کشتی خود چلانا پڑے گی' یہ بات سوچ لو ڈاک۔''

''اپنی چونچ بند رکھو' اور مجھے ڈاک نہ کہو۔'' وہ بگڑ کر برہمی سے بولا۔

''بہت اچھا ڈاک!'' یہ کہہ کر سروجا ہنس پڑی۔

میں نے محسوس کیا کہ سروجا نے اپنے طنز سے ڈاکٹر نارنگ کی مردانگی کو للکار کر مشتعل کر دیا ہے' وہ ڈاکٹر کو اپنی طرف متوجہ رکھ کر مجھے موقع دے رہی تھی' کہ میں کوئی عملی قدم اٹھاؤں' یہ بات میری سمجھ میں آتے ہی میں کچھ کرنے پر تل گیا' ڈاکٹر نارنگ اس کے سر پر کھڑا سامنے کا جائزہ لے رہا تھا' یہ ایک عجیب سی بات تھی' کہ ڈاکٹر نارنگ میرے بارے میں دھوکا کھا گیا تھا' اب ان باتوں پر سوچنے کا وقت نہیں تھا' کچھ کرنے کے لیے لمحہ لمحہ قیمتی تھا' کشتی کافی رفتار سے جا رہی تھی' کوئی واضح فیصلہ کیے بغیر میں گیسولین کے ڈبے کو پاؤں کی مدد سے اپنی طرف سرکانے لگا' کشتی کی موٹر کی آواز میں ڈبہ سرکنے کی آواز جذب ہو گئی' اس خیال اور

تصور سے میرا حلق خشک ہو رہا تھا' کہ جوں ہی آتش گیر گیسولین چلتی ہوئی کشتی کے سلنڈروں تک پہنچے گی' کشتی یوں ہی بھک سے اُڑ جائے گی' جیسے اس پر دو ہزار وزنی بم پھینکا گیا ہو' میں نے کانپتے ہاتھوں سے ڈبے کا منہ کھولا تو معاً ڈاکٹر نارنگ میری طرف بڑھا' اور زوردار آواز میں بولا۔

''یہ تم اندھیرے میں کیا؟''

میں نے اس کا فقرہ مکمل ہونے نہیں دیا' اور گیسولین کا کھلا ہوا ڈبہ پوری قوت سے اس کے منہ پر دے مارا' ڈاکٹر نارنگ اس اچانک وار کے لیے تیار نہ تھا' ڈبے کی چوٹ نے اسے بوکھلا دیا' میں نے فوراً ہی چلا کر سروجا سے کہا۔

''سروجا! انجن بند کر کے فوراً سمندر میں کود جاؤ' ڈاکٹر اب کوئی گولی چلا نہیں سکتا' کیوں کہ گولی کے دھماکے سے کشتی میں آگ لگ جائے گی' سارا حال پولیس کو بتا دینا کہ اس کے عقبی حصے میں سونا رکھا ہے۔''

سروجا نے فوراً ہی انجن بند کر دیا' پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی' ڈاکٹر نارنگ اس ڈبے کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا' مگر یہ ڈبہ پہلے ہی آدھا خالی ہو چکا تھا' اس طرف سے مایوس ہو کر وہ میری طرف کوندا بن کر لپکا' اور بائیں ہاتھ سے ایک مکا میری پسلیوں میں جڑ دیا' زخمی سینے پر یہ مکا کھا کر میں اچھلا اور سریتا کے پاؤں سے الجھ کر باہر کشتی کے عرشے پر جا گرا' اتنے میں سروجا تیزی سے گزر گئی' اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔

ڈاکٹر نارنگ اسے پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے لپکا' مگر وہ سمندر میں کود چکی تھی' کچھ فاصلے پر روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں' یہ روشنیاں شاید ایک لانچ اور گھاٹ کی تھیں' شاید گھاٹ چاند نگر کا تھا' ڈاکٹر نارنگ نے میرے قریب آ کر ریوالور سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''چلو! کشتی چلاؤ۔''

''گیسولین اب کشتی کے انجن تک پہنچ چکی ہے' انجن کے چلتے ہی کشتی ٹکڑے ہو جائے گی' سونے سے بھرے لوہے کے صندوق دریا کی تہ میں اتر جائیں گے' اب تمہارا ریوالور دکھانا بھی فضول ہے' کیوں کہ دھماکے سے گیسولین آگ پکڑ لے گی' اور ہمارے ساتھ تم بھی ختم ہو جاؤ گے' اب آرام کرو اور انتظار کرو اپنے مہمانوں کا۔''

اشتعال کے عالم میں ڈاکٹر اندھا ہو رہا تھا' اس نے میری بات کی کوئی پروا نہیں کی' اور مجھ پر پستول تاننے لگا۔

ستاروں کی دھندلی روشنی میں ریوالور کی نال میری سمت اٹھ رہی تھی' اچانک میں نے اپنے بازو پر سریتا کی گرفت محسوس کی' اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا' سریتا میرے اور ڈاکٹر کے درمیان کھڑی ہو گئی' اس وقت ریوالور نے ایک گولی اُگلی' شعلہ چمکا اور ریوالور کے دھماکے کے فوراً بعد ایک اور دھماکا' مجھے اتنا یاد رہا کہ سریتا گولی کھا کر دُہری ہو رہی تھی' اس کے بعد ایک زلزلہ آیا' اور میں نے اپنے آپ کو گہری تاریکیوں میں ڈوبتا ہوا پایا۔

میرے آس پاس آگ کے شعلے ناچ رہے تھے' میں نے جان بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے' مگر مجھے اپنے دائیں ہاتھ میں شدید درد محسوس ہوا' اور میں نے بے ہوش ہونے سے پہلے ایک نیوی کی کشتی کو' جو اس سمت آ رہی تھی' اس کی سرچ لائٹ اپنے چہرے پر پڑتے دیکھی' پھر میں بے ہوش ہو گیا۔

+++

دوسرے دن ہسپتال کے ایک کمرے میں آنکھ کھلی تو سروجا میرے قریب بیٹھی ہوئی تھی' مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر سروجا دل کش انداز میں مسکرائی' اور اس کی خوب صورت آنکھیں چمک اٹھی تھی' میں نے بھی جواباً مسکرانے کی کوشش کی' پھر اچانک ایک خیال کے زیر اثر پوچھا۔

"سروجا! کشتی میں کون کون زندہ بچا؟"

"میں تو پہلے ہی کود گئی تھی۔" سروجا نے جواب دیا۔

"نیوی کی کشتی غیر محسوس انداز سے ہمارے تعاقب میں تھی' اس نے مجھے فوراً ہی سمندر سے نکال لیا' اچانک کشتی دھماکے سے پھٹی' اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے' تمہیں پانی میں گرتے ہوئے دیکھ لیا گیا تھا' چنانچہ تمہیں بھی اٹھا لیا گیا' ڈاکٹر نارنگ اور سریتا کی لاشیں بعد میں مل گئیں' ڈاکٹر نارنگ کی جیب سے ایک لفافہ برآمد ہوا' جس میں کشتیوں اور اس کے گروہ کے لوگوں کے نام و پتے درج تھے' اور خفیہ اطلاعات منشیات کے ٹھکانوں کے بارے میں بھی تھیں' سونے سے بھرے صندوق بھی مل گئے' اور......"

لیکن اب بھی میں کچھ سن نہ رہا تھا' کیوں کہ سریتا کا خیال آیا تھا' جس نے آخر دم

ایثار و قربانی دے کر ڈاکٹر کی گولی سینے میں اتاری تھی' اس خیال کے ساتھ ہی میرے جسم میں صدمے کی لہر پھیل گئی' سینہ کٹ کر رہ گیا۔

"تم جلد ہی ٹھیک ہو جاؤ گے۔" سروجا نے مجھے دلاسا دیا۔

"چند ہی دنوں میں تمہارے بازو کو بھی آرام آ جائے گا اور پھر......"

سروجا کی آواز میں لرزش تھی' میں نے اپنے خیالوں سے چونک کر اس کی طرف دیکھا' سروجا بڑی حیرت اور مایوسی سے میری طرف دیکھ رہی تھی' میں نے اس کا نرم و نازک اور خوب صورت ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس سے کہا۔

"ہاں! مجھے جانا ہی ہو گا' کیوں کہ اب میرا یہاں کوئی کام نہیں رہا' تمہیں میری روانگی پر افسوس تو نہیں ہو گا؟" سروجا خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی' پھر اس نے اپنا سر ہلا کر جواب دیا۔

"بہت زیادہ دکھ ہو گا' کیوں کہ مجھے ایک اچھا دوست ملا' جس نے اپنی جان کی پروا نہیں کی۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"تم نے میری جان بچا کر جو دیا کی ہے' میں اسے ساری زندگی نہیں بھول سکتی' آنٹی سرسوتی کہہ رہی تھیں کہ تم جیسے شریف آدمی اس دنیا میں خال خال ہی ہوتے ہیں۔"

"لیکن تمہاری رائے کیا ہے، میرے بارے میں کہ میں کیسا انسان ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"میری بھی وہی رائے ہے جو آنٹی سرسوتی کی ہے" وہ بولی۔

"مجھے معاف کر دینا' میرا رویہ تمہارے ساتھ بڑا نامناسب رہا' یہ سب کچھ غلط فہمی کا نتیجہ تھا' میں بڑی نادم بھی ہوں۔"

"میں تمہیں ایک مشورہ دوں؟" میں نے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"اس پر عمل کرو گی......؟"

"میں ضرور عمل کروں گی۔" وہ بولی۔

"تم کسی اچھے اور سلجھے ہوئے نوجوان سے شادی کر کے گھر بسا لو۔" میں نے کہا۔

"ایسا لباس پہنو، جو ایک شریف لڑکی پہنتی ہے' یہ لباس ایک اچھی لڑکی کو زیب نہیں دیتا ہے' شائستگی اختیار کرو' بے حیائی اچھی بات نہیں ہے۔"

"میں تمہیں بتاتی چلوں کہ میری منگنی ہو چکی ہے، اور میرا منگیتر آئندہ ہفتے لندن سے آ رہا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"آئندہ ماہ ہم دونوں کی شادی ہو جائے گی۔" اس کا چہرہ حیا آلود ہو گیا، وہ اور حسین دکھائی دینے لگی۔

"لباس کے معاملے پر تمہاری ہدایت پر عمل کروں گی، میری بڑی خواہش ہے کہ تم میری شادی میں شرکت کرو۔"

"وعدہ نہیں کرتا، لیکن کوشش ضرور کروں گا۔" میں نے کہا۔

"تمہیں سریتا کی موت کا بہت افسوس ہوا ہوگا؟" سروجا نے موضوع بدلا۔

"وہ کیسی عورت تھی؟"

"افسوس نہیں، بلکہ بہت دکھ اور رنج ہوا۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔

"وہ مجھ سے محبت کرنے لگی تھی، وہ بہت اچھی عورت تھی، اس نے اپنی محبت کی خاطر میری جان بچائی، اس نے چاندنی کی یاد اور زخم تازہ کر دیئے۔"

"یہ چاندنی کون؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

پھر میں نے مختصر طور پر اسے ساری کہانی سنا دی، اور چاندنی کے بارے میں بتایا۔

میں کوئی تین دن تک ہسپتال میں زیر علاج رہا، سروجا کی ماں مجھے اپنے ہاں لے آئی، میں ابھی تک پوری طرح صحت یاب نہیں ہوا تھا، سروجا کی ماں ڈومی، جو میری پسندیدہ فنکارہ رہی تھی، اسے دیکھ کر بڑی حیرت اور خوشی ہوئی تھی، وہ آج بھی نوجوان دوشیزہ معلوم ہوتی تھی، سروجا کی بڑی بہن معلوم ہوتی تھی، خوشی اس بات کی تھی کہ میں اپنی پسندیدہ اور اپنے وقت کی ایک عظیم اداکارہ کا معزز ترین مہمان تھا، میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا، کہ ایک دن وہ میری میزبان ہوگی۔

میرے اس کارنامے نے پورے دیش میں دھوم مچا دی تھی، اور میں ایک طرح سے ہیرو بن گیا تھا، اخبارات اور رسائل و جرائد نے میری تصویریں اور انٹرویوز بھی شائع کیے تھے۔ روزانہ متعدد خطوط اور ٹیلی فون بھی آتے تھے، نیوی کے محکمے کی جانب سے مجھے ایک تقریب میں ایک لاکھ ٹاکا کا انعام دیا گیا، مجھے ملازمت کی پیش کش کی تھی، میں نے معذرت کر لی، اس لیے کہ مجھے واپس اپنے ملک جانا تھا۔

میں کوئی بارہ دن تک سروجا کا مہمان رہا، اس کا سوتیلا باپ بھی بڑا خوش اخلاق تھا۔ سروجا کے ماں باپ اور سروجا نے میری سیوا میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، ان دنوں سروجا کا منگیتر بھی لندن سے آ گیا تھا، اس سے مل کر اور اسے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، دونوں کا جوڑ بہت اچھا تھا۔

میں بارہ دنوں کے بعد اپنے دوست گوونداشرما کے ہاں آ گیا، اس نے جن جڑی بوٹیوں کے بارے میں بتایا تھا، وہ بڑی مفید اور علاج معالجے کے لیے بڑی کارآمد اور تیر بہدف تھیں، ان کی بہتات تھی، ہم انہیں لے کر ہندوستان آ گئے، میں نے گوونداشرما سے بہت کچھ سیکھا، اور یہ پیشہ اختیار کر لیا۔ انسانیت کی خدمت کر کے میرے دل کو شانتی ملنے لگی۔ میں نے ملازمت کو خیرباد کہہ دیا۔ ایک شفاخانہ کھول لیا۔ میری پریکٹس خوب چل پڑی۔ میں رفتہ رفتہ سریتا اور چاندنی کو بھول گیا، جو زخم تھے وہ مندمل ہوتے گئے۔

کوئی ایک برس کے بعد ملک تقسیم ہو گیا۔ مشرقی بنگال پاکستان بن گیا۔ اب برصغیر میں سامراجی حکومت کا چراغ بجھ گیا۔ اب وہاں جا کر جڑی بوٹیاں لانا مشکل تھا، کیوں کہ آزادانہ آمدورفت قوانین کی وجہ سے نہیں ہو سکتی تھی۔

ایک روز فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے، میرا دوست گوونداشرما دو مسلمان لڑکیوں کی عزت بچاتے ہوئے امر ہو گیا، میرا دل اس بات سے اچاٹ ہو گیا، پھر میں نے سری لنکا جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فرقہ وارانہ فسادات نے میرے دل میں اپنی ہی قوم سے نفرت پیدا کر دی۔

✦✦✦

میرے پتاجی ہندوستان سے سری لنکا جڑی بوٹیوں کے سلسلے میں آئے، تو وہ اس وقت جوان تھے، وجیہ اور خوب صورت بھی تھے، ایک کاجو بیچنے والی لڑکی کو دل دے بیٹھے، اس کی زلف کے اسیر ہو گئے، سانولی رنگت، تیکھے تیکھے نقش و نگار اور کالی کالی آنکھوں کے جادو نے انہیں دیوانہ بنا دیا، وہ غریب بھی انہیں دل کا نذرانہ دے بیٹھی، دونوں نے شادی کر لی، میرے پتاجی کبھی لوٹ کر ہندوستان نہیں گئے، انہوں نے مستقل رہائش اختیار کر لی، یہ میری ماں تھیں، لیکن وہ دو بچوں کو جنم دینے کے بعد سنسار سے سدھار گئیں۔

میں ایک روز ایک کتاب کی تلاش میں ان کی کتابوں کی الماری کی تلاشی لے رہا تھا،

کہ مجھے ان کی ڈائری ہاتھ لگی' اس ڈائری میں انہوں نے چاندنی اور سریتا کے واقعات لکھے ہوئے تھے' جو میں نے آپ کو سنائے' جیسا کہ میں بتا چکا ہوں' اور ان کی زندگی کے حالات سے آپ کے علم میں یہ بات آ چکی ہو گی کہ انہوں نے وید کا پیشہ اختیار کر لیا تھا' ان کے ایک دوست نے انہیں بتایا تھا کہ سری لنکا نایاب جڑی بوٹیوں سے مالا مال ہے' چونکہ میرے پتا جی کو انسانیت کی سیوا کا بڑا خیال تھا' اس لیے انہوں نے یہاں بھی یہی پیشہ اختیار کر لیا تھا' جب وہ ایک بچی کے باپ بنے' تو انہوں نے اس کا نام سریتا رکھا' وہ شاید سریتا کو نہیں بھولے تھے' اگر یہ ڈائری ہاتھ نہ لگتی' تو میں ان کے پراسرار ماضی سے بے خبر ہی رہتا۔

سریتا بڑی بہن تھی' اور میں اس سے سات برس چھوٹا تھا' سریتا کی پیدائش کے بعد دو لڑکے ہوئے' لیکن وہ چھ ماہ سے زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے تھے' اس لیے سریتا کو مجھ سے شدید محبت تھی' وہ شوخ طبیعت کی مالک تھی' مزاج میں تیزی و تندی بھی تھی' بڑی طرح دار بھی تھی' اس کی حرکتیں اور شرارتیں بہت مشہور تھیں' بہت سے لوگ تو عاجز آ جاتے تھے' کچھ لوگ اس لیے بھی نظر انداز کر دیتے تھے' کہ ان میں ایک سادگی اور معصومیت ہوتی تھی' اس کی صورت اتنی بھولی اور موہنی تھی' کہ کسی کو یقین نہیں آتا تھا' کہ وہ اس قدر شریر واقع ہوئی ہے۔

سریتا کو بچپن ہی سے جانور اور پرندے پالنے کا شوق نہیں' بلکہ جنون تھا' جو عمر کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔

اس نے بہت سارے خرگوش اور گلہری کے بچے بھی پال رکھے تھے' وہ مجھے ان کے پاس لے جا کر کہتی تھی۔

"رنگا سوامی! یہ بچے کتنے معصوم اور پیارے لگتے ہیں' کیا تمہیں اچھے لگتے ہیں؟"

"ہاں!" میں اثبات میں سر ہلا دیتا۔

"واقعی بہت سندر لگتے ہیں۔"

پھر وہ مجھے اپنے ساتھ لیے جنگل کی طرف نکل جاتی' تاکہ خرگوش اور گلہری کے بچے تلاش کر کے لائے جائیں' کبھی ہرن کا بچہ بھی لے آتے تھے۔

میں بھی سریتا کو حد سے زیادہ ہی چاہتا تھا' کیوں کہ گھر میں ایک ہی بہن تھی' اس کے دم سے گھر میں رونق تھی' وہ ہنستی تھی تو ایسا لگتا تھا' سُر بول اُٹھے ہوں' منع کرنے کے باوجود اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتی تھی۔ دراصل اسے شرارتیں کیے بغیر چین نہیں آتا' اور نہ کھانا

ہضم ہوتا۔ وہ نت نئی شرارتیں سوچتی رہتی۔

وقت جو کسی کا ہوا اور نہ ہوتا ہے' وہ تیزی سے گزرتا جاتا ہے' اس طرح گزرتا گیا کہ ہم اسے پکڑ بھی نہ سکے' ہم دونوں کی عمروں میں اضافہ ہوتا گیا' جب اس نے سولہ برس کی عمر میں قدم رکھا' تو میری عمر نو برس کی ہو گئی تھی۔

کولمبو میں چند گھنٹوں کی مسافت پر مغرب شمال میں ایک خوب صورت گاؤں ہے' جس کا نام ماتلے ہے' اس کو گاؤں تو نہیں کہا جا سکتا' اس لیے کہ اس پر ایک چھوٹے شہر کا گمان ہوتا ہے' اسے شہر کہنا اس لیے بھی مناسب و موزوں ہو گا کہ اس کی آبادی بہت زیادہ ہے' اس میں ایک نہیں کئی بازار ہیں' چھوٹے بھی بڑے بھی' یہاں سیاحوں کی آمد و رفت اس لیے بھی رہتی ہے کہ یہاں دستکاری کی چیزوں کے علاوہ قدیم نوادرات بھی فروخت ہوتے ہیں' اس کے علاوہ یہاں کے سگار بھی بہت پسند کیے جاتے ہیں۔

ایک بازار میں جو بہت بڑا تھا' اس میں ہمارا مکان تھا' جس کی نچلی منزل میں پتا جی کا مطب تھا' اوپر کی منزل پر ہماری رہائش تھی۔ اوپر والے کمرے کی کھڑکیوں کے قریب باہر کی طرف پتا جی کے نام کا ایک خاصا بڑا سائن بورڈ بھی لگا تھا' ان کی بڑی شہرت تھی' ان کے ہاتھ میں جو شفا تھی' اس لیے کہ وہ خود اپنی ان جڑی بوٹیوں سے استفادہ کرتے تھے' جو جنگلات سے تلاش کر کے لاتے تھے۔

ہمارے اس گاؤں میں ایک جادوگرنی روفو نام کی تھی' وہ چھوٹے موٹے جادو منتر جانتی تھی' ان منتروں کو اس نے آمدنی کا ذریعہ بنا رکھا تھا' سریتا نے اس سے ایک منتر سیکھ لیا تھا' وہ منتر یہ تھا کہ کسی بھی پرندے یا جانور کو دس فٹ تک اس منتر کی وجہ سے ساکت کیا جا سکتا تھا' وہ جس پرندے اور جانور کے بچے کو پکڑتی' وہ اسے ساکت کر دیتی تھی۔

سریتا نے یہ منتر نہ جانے کس طرح سے اس جادوگرنی سے سیکھ لیا تھا' جب کہ وہ جادوگرنی ہر کسی کو کوئی جادو منتر بالکل بھی نہیں سکھاتی تھی' وہ قدرے لالچی بھی تھی' سریتا نے شاید اس کی مٹھی گرم کی ہو گی' جب سریتا نے اس سے یہ منتر سیکھ لیا' مجھے لے کر جنگل میں گئی' تاکہ اس منتر کی خوبی دیکھ سکے' یعنی اس کا تجربہ کر کے دیکھے کہ واقعی اسے منتر آ گیا ہے کہ نہیں۔

ایک تھیلے میں اس نے کچھ سامان رکھا ہوا تھا' اس میں ایک پٹاری بھی تھی' قریب جنگل

میں سانپ وغیرہ بھی ہوتے تھے‘ پتا جی سپیروں سے ادویات بنانے کے لیے سانپوں کا زہر
خریدتے تھے‘ ایک لال سنہرا سانپ ہوتا تھا‘ جو ایک طرح سے نایاب تھا‘ لیکن اس کا زہر بڑا
قیمتی اور ادویات کے لیے بے حد مفید ہوتا تھا‘ سریتا نے بتایا تھا کہ وہ سانپ پکڑنے جا رہی
ہے‘ جب ہم جنگل کے قریب پہنچے تو اتفاق سے وہ سانپ جھاڑیوں سے نکل کر ہماری طرف
بڑھا‘ وہ بڑا موذی اور خطرناک اور زہریلا ہوتا تھا‘ اس سانپ کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے
سریتا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے‘ اس لیے پہلا تجربہ ہے یہ منتر کام کرے یا نہ کرے‘ دوسرے
لمحے وہ سنبھل گئی‘ اس نے فوراً ہی منتر پڑھ کر پھونکا تو وہ سانپ ایک دم سے ساکت ہو گیا‘
سریتا نے یہ دیکھ کر فوراً ہی پٹاری تھیلے میں سے نکالی‘ اور سانپ کو پکڑ کر اس پٹاری میں بند کر
دیا‘ جس وقت اس نے سانپ کو پکڑا، وہ خوف زدہ تھی‘ سانپ زندہ تھا‘ لیکن بالکل ساکت و
جامد تھا‘ ایسا لگتا تھا کہ اس میں زندگی بالکل نہیں ہے‘ وہ کسی ربڑ کے کھلونے سانپ کی طرح
لگ رہا تھا۔

جب پتا جی اس سانپ کو دیکھتے تو وہ خوش ہوتے‘ انہیں یقین نہیں آیا کہ سریتا سانپ کو
پکڑ کر لا سکتی ہے‘ جب سریتا نے بتایا کہ اس نے منتر کی مدد سے سانپ کو پکڑا ہے‘ تو انہوں
نے سریتا کو کہا کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرنا‘ کیوں کہ بعض اوقات منتر بے اثر ہو جاتا ہے‘
اور پھر کچھ سانپ ایسے ہوتے ہیں، جو کسی جادوگر کے زیر اثر ہوتے ہیں‘ ان پر کوئی جادو منتر
اثر نہیں کرتا۔

ایک دفعہ ایک شامت کی ماری آسامی بلی نے اس سائن بورڈ کے پیچھے تین خوب
صورت بچے دے دیئے‘ آسامی بلی سے خوب صورت بلی دنیا میں شاید ہی کوئی اور ہوتی ہوگی‘
اس کے بچے اتنے پیارے تھے کہ آدمی دیکھتا ہی رہ جائے‘ اتفاق سے ایک روز سریتا نے ان
بچوں کو دیکھ لیا‘ سریتا نے مجھ سے کہا کہ میں اس کی مدد کروں‘ تا کہ ان تینوں بچوں کو اٹھالیا
جائے‘ میں کبھی جانوروں کے قریب پھٹکتا ہی نہیں تھا‘ اور نہ میں نے کبھی کسی جانور کو اٹھایا‘
چونکہ وہ ایک ساتھ تین بچوں کو اٹھا نہیں سکتی تھی‘ اس لیے اس نے مجھ سے ایک بچہ اٹھالینے
کے لیے کہا‘ میں نے اس کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا۔

سریتا کو بہت غصہ آیا‘ وہ بُرا مان کر روٹھ کر چلی گئی‘ لیکن اس کے دل کو قرار نہ آیا‘ وہ
اس وقت تک نہیں بیٹھی تھی‘ جب تک اپنی ضد پوری نہ کر لے‘ تھوڑی دیر بعد وہ آئی تو اس کے

ایک ہاتھ میں پتا جی کی چھڑی تھی‘ اس کے ہاتھ میں چھڑی دیکھ کر پہلے تو میں یہ سمجھا کہ وہ میری
پٹائی کرنے لائی ہو‘ یہ دیکھ کر میں دور جا کھڑا ہوا‘ حالانکہ اس نے کبھی مجھ پر چھڑی نہیں اٹھائی
تھی‘ اور نہ ہی ہاتھ اٹھایا تھا‘ اور نہ ہی تھپڑ وغیرہ مارا تھا‘ اس کے دوسرے ہاتھ میں بید کی وہ
ٹوکری تھی‘ جس میں پتا جی سبزی ترکاری لاتے تھے‘ میں سمجھ گیا کہ وہ کس لیے یہ ٹوکری لے کر
آئی ہے‘ چھڑی اس لیے لائی ہے کہ بلی آنے کی صورت میں اسے مار کر بھگا دے۔

گرمیوں کا موسم تھا‘ دوپہر کا وقت تھا‘ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ سورج آگ برسا رہا ہوتا
ہے‘ در و دیوار نہ صرف تپش سے سیاہ ہو رہے تھے‘ بلکہ دہک بھی رہے تھے‘ جسم سے پسینہ پانی
کی طرح بہہ رہا تھا‘ ہوا بالکل بند تھی‘ جس سے دم گھٹتا محسوس ہوتا تھا‘ چونکہ بارش نہیں ہوئی تھی‘
اس لیے موسم سخت بن گیا تھا۔

سریتا دیدی کا چہرہ کچھ گرمی اور کچھ غصے سے لال بھبوکا ہو رہا تھا‘ وہ منہ سے کچھ
بڑبڑاتی اور مجھے ملامت آمیز نگاہوں سے گھورتی ہوئی کھڑکی میں ایک ٹانگ باہر کی طرف لٹکا
کر بیٹھ گئی‘ اس وقت بلی موجود تھی‘ وہ بلی اور بچوں کو کچھ کھانے کو دینے لگی‘ میں وہیں کھڑا تھا‘
بلی کی غراہٹ اور اس کے بچوں کی میاؤں میاؤں برابر سنائی دے رہی تھی۔

وہ اپنے کام میں بے رحمانہ طور پر مصروف تھی‘ بلی چھڑی کی ضربوں کی تاب نہ لا کر
بھاگ گئی‘ جب بچوں نے اپنی ماں کو نہ پایا‘ تو وہ اور زور زور سے میاؤں میاؤں کرنے لگے‘
سریتا نے پھر ان تین بچوں کو باری باری اٹھا کر ٹوکری میں رکھا‘ پھر انہیں وہاں سے لے جا کر
ایک بڑے سے پنجرے میں، جس میں پرندوں کو بند کر کے رکھتی تھی‘ وہ خالی تھا‘ اس نے ان
تینوں بچوں کو ڈال کر قید کر دیا‘ پھر مجھے سختی سے تاکید کہ میں پنجرہ نہ کھولوں۔

دن بھر تو بلی نہ جانے کہاں رہی‘ مجھے نظر نہ آئی تھی‘ لیکن شام ہو گئی‘ تو وہ واپس آ گئی‘
جب اس نے اپنے بچوں کو وہاں نہ پایا تو پریشان ہو گئی‘ اس سے رہا نہ گیا‘ وہ تلاش کرنے لگی
اور آواز دینے لگی۔ بچوں نے ماں کی آواز سنی‘ تو انہوں نے میاؤں میاؤں کرنا شروع کر دیا‘
پھر وہ اس کمرے میں کھڑکی کے راستے گھس گئی‘ جس میں پنجرہ رکھا تھا‘ وہ پنجرے پر بار بار
جھپٹتی اور ناکام ہو جاتی‘ وہ اپنے بچوں کو پنجرے سے باہر نکالنے پر تلی ہوئی تھی‘ ماتا کی ماری
اور کیا کرتی۔

سریتا نے پہلے تو فضا میں چھڑی لہرا کر اسے ڈرایا دھمکایا کہ وہ باہر نکل جائے‘ لیکن بلی

باز نہیں آئی اور خوف زدہ نہیں ہوئی' تو سریتا کا پارہ اور چڑھ گیا' جب بلی غرانے لگی اور ایسا لگا کہ وہ سریتا پر حملہ آور ہونے والی ہے' اس کی آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی تھی۔ یہ دیکھ اور محسوس کر کے اس چھڑی سے اس پر اس قدر زور سے وار کیا کہ وہ بے دم ہو کر فرش پر لڑھک گئی' یہ چھڑی بہت موٹی اور مضبوط تھی کہ ایک آدمی بھی اس کی چوٹ برداشت نہیں کر سکتا تھا' پھر سریتا نے پے درپے ضربوں سے اسے اُدھ موا کر دیا' پھر پنجرہ دوسرے کمرے میں لے جا کر رکھ دیا' اس کی کھڑکی اور دروازہ بند کر دیا۔

ایشور نے اس بے زبان جانور کی بد دعا سن لی' دوسرے دن جب وہ گلہری کے بچوں کو پکڑنے کے لیے جنگل جا رہی تھی' تب اسے ایک زہریلے سانپ نے اس کی بے خبری میں ڈس لیا' اسے اتنی مہلت بھی نہیں ملی تھی کہ وہ سانپ پر حملہ یا بچاؤ کرتی' نہ منتر کام آیا اور نہ پتا جی کی کوئی مدد......

سریتا جیسی بھی تھی' جو بھی تھی آخر کو میری بہن تھی' مجھے بہت چاہتی تھی' اس نے کبھی مجھے ماں کی کمی محسوس ہونے نہیں دی تھی' اس کی موت سے میرے دل کو اس قدر شدید صدمہ پہنچا تھا کہ میں کئی دنوں تک بیمار رہا۔

+++

اس المناک واقعے کو بیس برس کا ایک لمبا عرصہ بیت گیا' لیکن مجھے اپنی دیدی کی یاد برابر آتی رہی۔ کوئی ایک دن شاید ہی ایسا گزرا ہو کہ میں نے اسے یاد نہ کیا ہو' دیدی کی موت سے میں نے یہ سبق سیکھا کہ کبھی بھی بے زبان جانور کو جو بے خود اور معصوم ہوتا ہے' اس پر ظلم نہیں کرنا چاہیے' ایشور ان کی بد دعا سن لیتا ہے۔

میرے پتا جی بھی سورگ باشی ہو گئے' ان کا سایہ سر سے کیا اٹھا' میں نے اتنی بڑی دنیا میں اپنے آپ کو بالکل تنہا پایا' وقت بڑا مرہم ہے' میرے دل میں آیا کہ کیوں نہ میں ہندوستان واپس چلا جاؤں' لیکن مجھے پھر خیال آیا کہ یہاں میری ضرورت ہے' اس لیے کہ یہاں غربت و افلاس زیادہ ہے' انسانیت کی سیوا کی یہاں ضرورت ہے' یہ سوچ کر میں نے ہندوستان جانے کا خیال دل سے نکال دیا' یوں بھی مجھے اس سرزمین سے اس لیے زیادہ محبت اور انسیت ہو گئی تھی کہ میں نے یہاں جنم لیا تھا' میری ماں اس سرزمین کی تھی' میں اپنی ماں کو چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا' ان کی سمادھی اور پتا جی کی سمادھی بھی یہیں تھی۔

میرے پتا جی نہ صرف وید' حکیم بلکہ ڈاکٹر بھی تھے' انہوں نے کولمبو کے میڈیکل کالج سے ڈاکٹری کی سند بھی لی تھی۔ انہوں نے ہر ایک معالج سے بہت کچھ سیکھا تھا' اس لیے وہ ایک بہترین' ماہر اور قابل ترین معالج بن گئے تھے' انہوں نے بڑا نام پیدا کیا' انہوں نے میری ایک خاص انداز سے تربیت کی تھی' اور اپنے فن کا سارا نچوڑ مجھے بتا دیا تھا' میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے بھی اس پیشے سے بہت دلچسپی تھی' بلکہ جنون تھا' اور جنون ہو تو آدمی بہت کچھ سیکھ لیتا ہے۔

میں ایلوپیتھک اور ہومیوپیتھک ڈاکٹر نہ تھا' لیکن ڈاکٹر کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ مجھے مریض اور ملنے والے صرف ڈاکٹر صاحب ہی نہیں بلکہ حکیم صاحب بھی کہتے تھے' میں جڑی بوٹیوں کی تحقیقات کا بڑا شائق تھا' سری لنکا میں ایسی ایسی نادر جڑی بوٹیاں بقول میرے پتا جی کے، موجود تھیں کہ آسام اور پورے بنگال کیا، نیپال میں بھی دستیاب نہیں تھیں۔

ہمارا ایک پرانا ملازم مقامی تھا' اس کا نام تنا کا تھا' وہ مجھ سے بارہ برس بڑا تھا' پتا جی نے اس کا نام تنا کا رکھا' اور اس کی پرورش بھی کی تھی۔ تنا کا بڑا وفادار اور جانثار تھا' وہ مجھ سے محبت کرتا تھا' اس وقت میری عمر اٹھائیس کے لگ بھگ تھی' جب کہ تنا کا کی عمر چالیس برس کی تھی۔

میں اور تنا کا جڑی بوٹیوں کی تلاش میں جنگلوں اور دور دراز علاقوں کی طرف نکل جاتے تھے' میں نے گہنی میں ایسی جڑی بوٹیاں دریافت کی تھیں' جن کی عجیب و غریب خاصیت اور افادیت نے میری حکمت کو چار چاند لگا دیئے' ہندوستان کے شہر دہلی سے ایک حکیم صاحب جن کا بڑا نام تھا' اور دہلی میں ان کا بہت بڑا مطب اور وہ سربند ادویات بازار میں فروخت کرتے تھے' بخشی صاحب کا ادارہ بڑا مشہور و معروف تھا۔ وہ سری لنکا میں سیر و سیاحت اور جڑی بوٹیوں کی تلاش میں آئے تھے' میری ان سے ملاقات ہوئی' تو انہوں نے مجھے بتایا کہ جافنا کے شمال میں جو پہاڑی علاقہ ہے' وہاں میں نے کچھ جڑی بوٹیاں دریافت کی ہیں' جو علاج معالجے میں بڑی معاون ثابت ہوں گی۔

انہوں نے جس علاقے کا نام لیا تھا' میں وہاں کسی وجہ سے نہیں گیا تھا' اور نہ ہی جانا چاہتا تھا' کچھ دنوں کے بعد میرا تجسس اور تحقیقات کا جنون کشاں کشاں وہاں لے گیا۔ حکیم صاحب نے مجھے ان کی جو خصوصیات بتائی تھیں' وہ میری کمزوری تھیں' میں تو ایسی جڑی بوٹیوں کے خواب دیکھتا آ رہا تھا۔

میں کوئی تین دن تک نئی نئی بوٹیاں دریافت کرتا ہوا جافنا سے اس علاقے درگاپور جا پہنچا' تنا کا میرے ہمراہ تھا' اور وہ ہر طرح سے میرے آرام کا خیال رکھتا تھا' ہمارے پاس تین خچر تھے' جن میں ایک پر میں خود سوار ہوتا تھا' باقی دونوں خچروں پر سامان لدا پھندا ہوتا تھا' تنا کا اور سوریا کے ہمراہ پیدل چلتا تھا۔

سوریا جافنا کا باشندہ تھا' اس نے پورے سری لنکا کی خاک چھانی ہوئی تھی' اسے ہر بات کا علم تھا' درگا پور' آدم پیک اور جافنا کے برابر تھا' اس کا راستہ انتہائی دشوار گزار تھا' وہ پُر خطر پہاڑوں کے عقب میں تھا' جن کی چوٹیاں آسمان سے ملی ہوئی دکھائی دیتی تھیں' ایسا لگتا تھا کہ ان پہاڑوں پر چڑھ کر آسمان پر پہنچا جا سکتا ہے۔

جب میں نے اس سے جافنا میں موجود جڑی بوٹیوں کا ذکر کیا' تو اس نے بتایا کہ درگاپور کے جنگلوں میں ایک پودا ہے' جو بہت ہی خوب صورت اور سحر انگیز ہے' اس کی عجیب و غریب خاصیت یہ ہے کہ اس کی جڑ کی خوشبو سے سانپ بلکہ اژدھا' شیر اور ہر قسم کے وحشی اور خوں خوار درندوں پر ایک ایسا اثر ہوتا ہے کہ وہ مست اور نیم بے ہوش ہو جاتے ہیں' پہاڑی لوگ اسے اپنے بچاؤ کے لیے ہر وقت اپنی جیب میں رکھتے ہیں' درندے اس درخت کے قریب بھی نہیں پھٹکتے ہیں۔

''اس جڑ کو جیب میں رکھنے والا بھی بے ہوش نہیں ہوتا کیا؟'' میں نے اس سے سوال کیا۔

''نہیں!'' اس نے جواب دیا۔

''اس جڑ میں سے خوشبو اس وقت پھوٹتی ہے، جب اسے مسلا جاتا ہے۔''

''یہ بڑی عجیب سی بات ہے۔'' میں نے کہا۔

''واپسی میں اسے ساتھ لے جانا نہیں بھولنا' میں اسے گھر کے تمام کمروں میں رکھوں گا۔''

''درگاپور سے کوئی بیس اکیس میل کے فاصلے پر جنوب میں ایک بہت ہی خوب صورت اور پر فضا قصبہ ہے' اس کا نام بونائن نگر ہے' یہ خالصتاً ہندوؤں کی بستی ہے' یہاں کوئی بدھسٹ' مسلمان اور کسی مذہب کا فرد نہیں رہتا ہے' جب کہ سری لنکا کے اور علاقوں میں بدھسٹ' مسلمان اور عیسائی بھی رہتے ہیں' یہ ایک عجیب سی بات ہے' لیکن اس سے زیادہ ایک عجیب سی

بات یہ ہے کہ اس قصبے کے گردونواح میں روشنی دینے والی درخت بکثرت پائے جاتے ہیں' اس درخت کو پہاڑی مشعل کا درخت کہا جاتا ہے' اس کی روشنی دودھیا چاندنی کی طرح صاف وشفاف اور قدرے تیز ہوتی ہے' لہٰذا اس قصبہ کے کسی مکان میں نہ تو دیا جلایا جاتا ہے' اور نہ ہی چراغ' کیوں کہ لوگ اس کی ٹہنیاں کاٹ کر گھروں میں بطور چراغ استعمال کرتے ہیں' جیسے جیسے شام ہوتی ہے اور اندھیرا پھیلنے لگتا ہے' ٹہنیاں آپ ہی آپ روشن ہونے لگتی ہیں' چراغوں کی طرف جل اٹھتی ہیں' اگر دن میں گھر یا کمروں میں اندھیرا کیا جائے' تو پھر یہ آپ ہی آپ چراغ کی طرح جل اٹھتی ہیں' اس کی خاص بات یہ بھی ہے کہ ٹہنیاں سوکھتی نہیں ہیں' یہ سدا بہار ہوتی ہیں' ایک ٹہنی بیس گز تک روشنی دیتی ہے' راتوں کو سفر کے لیے اس درخت کی ٹہنیاں لوگ گھروں سے لے کر نکلتے ہیں۔ یہ مشعل کا کام دیتی ہے۔ یہ درخت راتوں کو جہاں ہوتے ہیں، وہاں دن کا سماں ہوتا ہے۔''

وہ ایک لمحے کے لیے سانس لینے رکا' پھر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''اس علاقے کے غاروں میں ایک خاص قسم کی گھاس بھی اگتی ہے' جسے پانی میں بھگویا جائے تو اس میں سے دھواں نکلنا شروع ہو جاتا ہے' گردوپیش میں کوئی پندرہ بیس گز تک دھند سی چھا جاتی ہے۔ رات کو گھپ اندھیرا ہو جاتا ہے۔' یہ گھاس بھی بکثرت غاروں میں اُگتی ہے۔''

مجھے اس کی باتیں سن کر نہ صرف حیرت ہوئی' بلکہ اس کی کسی بات کا یقین نہیں آیا' کیوں کہ سری لنکا میں پیدا ہونے اور یہاں برسوں سے رہنے کے باوجود میں نے کبھی ان درختوں اور گھاس کے بارے میں سنا نہیں تھا' اگر یہ بات سچ ہوتی' تو ہر کسی کے علم میں ہو سکتی تھی۔ جب میں نے اپنی حیرت کا اظہار اور اس بات کی سچائی کو تسلیم کرنے سے انکار کیا' تو وہ کہنے لگا۔

''اصل بات یہ ہے کہ کوئی ان بستیوں میں نہیں گیا' اور نہ ہی کوئی ان بستیوں سے شہر اور بڑے گاؤں کی طرف آتا ہے۔ کوئی اس لیے جانا پسند نہیں کرتا کہ ناتن نگر بھوتوں کا مسکن ہے' یہ بھوت باہر کے آدمی کو اِدھر آنے نہیں دیتے' اور نہ ہی اندر کے آدمی کو باہر جانے دیتے ہیں' جب کہ لوگوں نے بھوتوں کی روک تھام کے لیے بہتر کچھ انتظام کر رکھا ہے' اس کے باوجود یہ بھوت لوگوں کو بہت پریشان اور تنگ کرتے ہیں۔''

''ایک اور سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ ایسا پودا' درخت اور گھاس ملک میں کیوں نہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے ایک جادوگر یہاں کسی کام سے آیا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''وہ دو برس یہاں رہا تھا' جب اس نے دیکھا کہ جنگل سے سانپ اور موذی جانور آ کر آبادی کے لوگوں کو تنگ کرتے ہیں' تو اس نے اپنے منتروں سے اس جڑ کے درخت کو اگایا' پھر اس نے روشنی کے لیے روشنی کے درخت بکثرت اُگائے اور یہ گھاس بھی' یہ سب کچھ اس نے جادو منتروں سے کیا' اس نے یہیں تک محدود رکھا۔''

سوریا نے جو کچھ بتایا تھا' ایک لحاظ سے بہت دلچسپ اور حیرت انگیز تھا۔ یہ ایک ناقابل فہم بات تھی۔ کچھ ایسی باتیں تھیں' جو جھٹلائی نہیں جا سکتی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ گاؤں کوئی طلسم کدہ ہو' اس انوکھے گاؤں اور اس کے عجیب وغریب پودے اور روشنی کے درخت کا اس لیے یقین کرنا پڑا کہ ایک جادوگر کے منتروں کے باعث ان کا جنم ہوا۔ اس بات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا' کہ یہاں صدیوں سے پراسرار' ماورائی اور بہت ہی خوف ناک واقعات جنم لیتے رہے ہیں۔ بنگال' آسام اور ہندوستان کے دیگر علاقوں کی طرح جادوگر' جادوگرنیاں' چڑیلیں' بھوت اور پریت ہیں۔

اس رات میں نے ایک عجیب وغریب سپنا دیکھا' کیا دیکھتا ہوں کہ میں اور تنا ایک خوبصورت اور سرسبز وشاداب پہاڑی پر کھڑے ہوئے ہیں' جس کے درمیان ایک گہری کھائی میں کف اڑاتی مچلتی ہوئی ندی بہہ رہی تھی۔

اس کھائی کے اوپر لکڑی کے دو مضبوط اور کشادہ پل بنے ہوئے تھے' ایک پل گاؤں کی طرف جاتا تھا' جب کہ دوسرا ایک عالی شان مکان کے دروازے پر جا کر ختم ہوتا تھا' جو دوسری طرف عین کھائی کے اوپر بنا تھا' اس پل میری دیدی سریتا نہایت مغموم حالت میں کھڑی تھی' اس کی گود میں ایک خوب صورت اور گول مٹول سا بچہ تھا' وہ مجھے دیکھ کر بڑی عاجزی سے گڑگڑانے لگی۔

''میرے پیارے مسافر! مجھے بچالو' مجھے بچالو!'' اس کی آواز میں بے پناہ کرب تھا۔

''دیدی!'' میں نے دل گرفتہ لہجے میں پوچھا۔ ''یہ کون سی جگہ ہے اور آپ یہاں کیسے

آئیں؟''

''میں سریتا نہیں' شوبھا ہوں' میں تمہاری دیدی کی ہم شکل ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس گاؤں کو نائن نگر کہتے ہیں' میں یہاں کی رانی ہوں' لیکن انتہائی بدقسمت اور مظلوم ہوں' دنیا کی سب سے بدنصیب عورت' تمہیں کبھی مجھ جیسی بدنصیب عورت سے واسطہ نہیں پڑا ہوگا۔''

میں دل میں حیران تھا' کہ یہ کون عورت ہے' جو اپنے آپ کو رانی بتا رہی ہے' اور میری بہن سریتا کی ہم شکل ہے' کسی جڑواں بہن کی طرح' ذرا برابر بھی تو فرق نہیں تھا' قد وقامت' بدن' رنگت اور نقش ونگار......

میں اس کی مدد کے لیے فوراً ہی لپکا' چشم زدن میں ایک کالی آندھی چلی' دیکھتے ہی دیکھتے وہ پل ٹوٹ گیا۔ سریتا' میں اسے سریتا ہی کہوں گا' سریتا کھائی میں گرگئی' لیکن اس نے گرتے گرتے بچے کو میری طرف اچھال دیا تھا' میں نے بچے کو تھام لیا' اور پھر میں نے ایک دل خراش چیخ سنی' جو سریتا کی تھی۔ جیسے وہ ندی میں پڑے بڑے پتھروں سے ٹکرائی ہو۔

اس دہشت ناک خواب کی گھبراہٹ اور خوف سے میری آنکھ کھل گئی' اور سینے میں دل کی دھک دھک بھرگئی' دماغ میں خون کی رو دوڑ گئی' نہ صرف میری پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی' بلکہ خنکی کے باوجود میرا جسم بھی پسینے میں شرابور تھا' نس نس میں خون منجمد ہونے لگا۔

پھر نیند کہاں آتی' میں بے قراری سے بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے سریتا دیدی کے بارے میں سوچنے لگا۔

بیس بائیس برس کے لمبے عرصے میں سریتا دیدی کو شاید میں نے دو ایک مرتبہ سپنے میں دیکھا ہوگا' لیکن وہ پل بھر کے لیے ہنستی مسکراتی دکھائی دی تھی' لیکن آج کا سپنا تو اور ہی تھا' ایک خیال آیا کہ کیا اس نے مرنے کے بعد دوسرا جنم لیا ہے؟ شوبھا کے نام سے' اس کی عمر وہی تھی' جب وہ اس سنسار سے سدھار گئی' ہمارے دھرم میں جو بھی حادثاتی طور پر یا کسی بھی مہلک بیماری سے مرجاتا ہے' اس کا دوسرا جنم ہوتا تھا' ایسا سری لنکا میں کہا جاتا ہے' کیا یہ سپنا سچا ہوسکتا ہے؟

میرا چین وسکون اور نیند اُڑ گئی تھی' بستر کانٹوں کی سیج لگ رہا تھا' رات گزرتی تو جا رہی تھی' لیکن اس کا گزرتا ہوا لمحہ کسی صدی کی طرح بھاری اور اذیت ناک ہو رہا تھا' ایسا لگ

رہا تھا کہ آج صبح نہیں ہوگی' یہ کالی رات یوں ہی مسلط رہے گی' جب مرغان سحر کی نوید دینے لگے' اور دور سے مندروں کی گھنٹیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں' صبح صادق کی الہڑ ہوائیں چلنے لگیں' اور اجالے کی دیوی کی آمد پر تاریکی کے بھوت کا رنگ پھیکا پڑنے لگا' تب دل کو ایک قرار اور سکون سا محسوس ہوا۔ دل و دماغ پر جو خوف و دہشت تھی' وہ دم توڑنے لگی۔

تناکا دوسرے خیمے میں سوتا تھا۔ وہ میرے لیے ناشتہ لے کر آیا' تو میں نے رات کے سپنے کے بارے میں بتایا۔

''بہرحال یہ سپنا تھا۔'' تناکا نے مجھے دلاسا دیا۔

''دل و دماغ پر اس کا اثر نہ لیں تو اچھا ہے' ڈراؤنے اور بھیانک قسم کے خواب سفر کے دوران نظر آتے ہیں' میں تو اس سے بھی خوف ناک سپنے دیکھتا ہوں۔''

''تمہاری بات سے تو میں انکار نہیں کرسکتا۔'' میں نے کہا۔

''جانے کیوں یہاں ٹھہرنے کو دل نہیں کر رہا ہے' اب چل پڑو۔''

مجھے اس علاقے میں جڑی بوٹیاں مل سکتی تھیں' جہاں جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں' اس کی علامتیں ظاہر ہوجاتی ہیں' لیکن یہ سپنا دیکھنے کے بعد اب میں یہاں ایک دو دن تو کیا' ایک گھڑی بھی کسی قیمت پر رکنا نہیں چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد ہم نے اپنے سفر کا آغاز کیا' جب تک سفر پر یہاں سے روانہ نہیں ہوئے' ایسا لگتا رہا تھا کہ کسی عفریت نے جکڑ رکھا ہے' یہ راستہ اس قدر تنگ و پُر پیچ تھا کہ اس سے گزرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی' موت ہر طرف منہ کھولے کھڑی لگ رہی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس راستے آمد و رفت نہیں تھی۔ یہ راستہ پُرخطر کھائی کے کنارے سے ہوتا ہوا پہاڑ کی ناہموار اور ناقابل چڑھائی پر جا پہنچا تھا' اس پر نصف فرلانگ کی مسافت دس میل کی مسافت کے برابر تھی' بعض گھاٹیاں اتنی دشوار گزار تھیں کہ خچر اپنے پاؤں زمین پر گاڑ گاڑ کر چلتے تھے۔

آخر دس دنوں کی صعوبتوں کے بعد ہم یہ راستہ طے کر کے سوریا کے گاؤں دھرم پور پہنچے' گاؤں کی آبادی صرف دو سو افراد پر مشتمل تھی' لیکن اس وقت دل کش' خوب صورت اور پُرفضا گاؤں تھا کہ یقین نہیں آتا تھا' مسلسل اور کٹھن سفر کی تکان سے بدن چور چور ہو رہے تھے' اس لیے میں نے آرام کرنے کی غرض سے یہاں دو دن قیام کا فیصلہ کیا۔

دودھ' مکھن' کاجو اور پھلوں کے رس سے سوریا کے گاؤں والوں نے خاطر مدارت کی' یہ لوگ بڑے مہمان نواز اور مخلص بھی تھے۔ ہماری ساری تھکان صرف ایک گھنٹے میں اتر گئی' ایسا لگا کہ ہمارے جسموں میں اس کا نام و نشان موجود نہیں ہے' اس کی وجہ بکری کا دودھ تھا۔ وہ لوگ چونکہ بیلوں اور دودھ پر گزارہ کرتے تھے' اس لیے صحت مند اور چاق و چوبند دکھائی دیتے تھے۔ بعد میں انہوں نے پرندوں کے گوشت سے تواضع کی۔ اس گوشت کو انہوں نے صرف نمک سے آگ پر بھونا تھا۔ سوریا نے چلتے وقت پانچ کلو نمک لے لیا تھا۔ یہاں نمک کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ ایک مٹھی نمک کے عوض کوئی بھی پسند کی لڑکی یا عورت مہربان ہو جاتی تھی۔ اس کے گھر والوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ سوریا نے اس نمک کو چالیس گھرانوں میں تبرک کے طور پر تقسیم کیا' تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ان میں بڑا نظم و ضبط تھا' وہ سب ایک قطار میں کھڑے ہوگئے۔ اس قطار میں صرف کنبے کے سربراہ تھے۔ سوریا نے انہیں نمک دیا' تو اس طرح سے لیا' جیسے وہ ہیرے جواہرات ہوں' اس گاؤں کا سردار بھی اس قطار میں کھڑا اپنی باری کا انتظار کرتا رہا تھا۔ سوریا نے بڑی منصفانہ اور مساویانہ تقسیم کی تھی۔

ان کی بڑی خواہش تھی کہ ہم کچھ دن رک جائیں' تاکہ وہ ہماری ہر طرح سے سیوا کر سکیں' وہ اپنی عورتیں بھی پیش کرنے کو تیار تھے' لیکن ہم نے اس بات کو منظور نہیں کیا۔ ایسی بات نہ تھی کہ یہاں کی لڑکیاں اور عورتیں بدصورت تھیں۔ سری لنکا کی عورتیں اور لڑکیاں عموماً سانولی اور گہرے کالے رنگ کی ہوتی ہیں' گندمی مائل بھی' لیکن ان میں بے انتہا کشش اور جاذبیت ہوتی ہے۔ ان کی سانولی رنگت میں ایک عجیب سی دل کشی ہوتی ہے' جو دل موہ لیتی ہے' ان کے تیکھے تیکھے نقش و نگار اور کالی کالی آنکھیں جادو بھری ہوتی ہیں۔

جب کہ دھرمپور میں ایک عورت اور لڑکی بھی سانولی اور کالی دکھائی نہیں دی' وہ کشمیری عورتوں کی طرح سرخ و سفید اور پُرکشش تھیں' لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت کی اور عجیب سی بات یہ تھی کہ اس پورے گاؤں میں ایک بچہ' لڑکا اور ایک مرد بھی صاف اور گورے رنگ اور سانولے اور گندمی رنگ کا دکھائی نہ دیا' وہ کوے کی طرح کالے رنگ کے تھے' پکا اور کالا رنگ' کوئلہ معلوم ہوتے تھے۔ سوریا کی رنگت بھی کالی تھی' وہ صحت مند اور دراز قد تھے' لیکن ان میں ایک بھی خوب صورت اور وجیہ نہیں تھا' پورے سری لنکا میں یہ واحد قصبہ تھا' جس میں دنیا کی

حسین ترین لڑکیاں اور عورتیں تھیں اور مرد ان کے برعکس۔ وہ لنگوروں کی طرح لگتے تھے ان کے سامنے......

میں نے سوریا سے اس کی وجہ دریافت کی' اس نے بتایا کہ دو صدی پہلے کی بات ہے کہ اس بستی کے مرد بہت خوب صورت اور وجیہ ہوتے تھے' عورتیں بدصورت تو نہیں' لیکن بہت ہی کالی ہوتی تھیں' مرد بستی سے باہر جا کر دور دراز علاقوں سے شادی کر کے یا خرید کر عورتیں لایا کرتے تھے' بستی کی عورتوں کو جانوروں سے بدتر کہتے' حقیر جانتے اور امتیازی سلوک کرتے' لڑکیاں کنواری رہ جاتی تھیں' بوڑھی ہو کر مر جاتی تھیں۔ ان دنوں ایک دیوی کا ادھر سے گزر ہوا۔ وہ ایک دن ٹھہری تھی۔ اس نے گزرتے وقت یہ بات دیکھ لی' اور جان لی تھی' اس نے لڑکیوں اور عورتوں کی بپتا سنی' پھر اس نے مردوں سے ناراض ہو کر عورتوں' لڑکیوں اور بچیوں پر ایسا منتر پڑھ کر پھونکا کہ اسی وقت وہ سب دنیا کی حسین ترین ہو گئیں' پھر اس نے مردوں کو جادو منتروں سے کالا اور بدصورت بنا دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن' عورتیں حسین اور مرد بدصورت ہو گئے' وہ یہ سزا آج تک بھگت رہے ہیں' اور نہ جانے کب تک بھگتتے رہیں گے۔

واقعی تمام لڑکیاں اور عورتیں ایک سے ایک حسین اور تراشیدہ نگینوں کی طرح تھیں۔ ایک لمحے کے لیے دل کے کسی کونے میں ایک خیال آیا کہ کسی لڑکی کو ساتھ لے جاؤں' لیکن عورت کے چکر میں پڑنے سے مقصد فوت ہو جاتا۔

سوریا ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار نہ تھا' کیوں کہ وہ تین برس کے بعد اپنے گاؤں لوٹا تھا۔ پڑوس کی لڑکی سے وہ بچپن سے مانوس تھا' اور جب وہ سیانی ہوئی تو ان دونوں میں محبت ہو گئی تھی' اب وہ لڑکی سولہ برس کی تھی' جب کہ وہ لڑکی اس کے انتظار میں تھی' سولہ برس کی عمر میں وہ اور حسین ہو گئی تھی' وہ اس پر ریشہ خطمی ہو گیا۔ لڑکی کے دل میں جو محبت کی آگ تھی' وہ تیز ہو گئی۔ دو دن میں ان کا عشق بڑی تیزی سے پروان چڑھا' اور دونوں بے حد جذباتی ہو گئے۔ لڑکی نہیں چاہتی تھی کہ وہ واپس جائے' سوریا تو ابھی شادی کر کے گھر بسانا چاہتا تھا۔

وہ اس لیے ساتھ چل پڑا تھا کہ لڑکی کے باپ نے شرط رکھی تھی کہ وہ شادی اس صورت میں کر سکتا ہے کہ اس کے پاس دو سو کی رقم اور تین زنانہ جوڑے ہوں' اور پانچ سیر نمک ہو' وہ

نمک سسرال میں دے گا۔ اس کے پاس صرف ساٹھ روپے تھے۔ نمک اور جوڑوں کی خریداری کے لیے رقم نہ تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ واپسی پر اسے اتنی رقم دے دوں گا کہ وہ شادی کر سکے۔

پہلے سے بھی یہ راستہ ناقابل گزر اور شکستہ تھا' لیکن عزم و حوصلہ ہو تو کوئی امر مشکل اور ناممکن نہیں ہوتا ہے' میں کسی دولت یا خزانے کے حصول کے لیے نہیں جا رہا تھا' انسانیت کی سیوا کا یہ جذبہ تھا' جو لے جا رہا تھا۔ میں جڑی بوٹیوں سے دکھی انسانیت کی سیوا کرنا چاہتا تھا۔ بہت سے لاعلاج امراض ایسے تھے' جن کا خاتمہ ان جڑی بوٹیوں سے ہی ممکن تھا۔ مریضوں کی سیوا سے آتما اور دل کو جو شانتی اور خوشی ملتی تھی' وہ بڑے سے بڑا خزانہ پا کر بھی نہیں مل سکتی تھی۔ یہ جذبہ ہی تھا' جو غالب تھا' جذبہ نہ ہوتا تو یہ سفر جاری نہ رہتا۔

بڑی دقتوں اور صعوبتوں کے بعد اسے طے کر کے دوسرے دن کہیں دوپہر کے وقت ہم ایک کھلے میدان میں پہنچے۔ سامنے ایک بہت ہی خوب صورت ٹیلہ تھا۔ اس دیدہ زیب اور فرش نما میدان میں دیودار کے شان دار درخت موجود تھے۔ سورج کی نرم اور سنہری کرنوں کی تابانیوں سے میدان کا ذرہ ذرہ دمک رہا تھا' دھوپ اپنے پورے جوبن پر تھی' ٹھنڈی ہوا کے تازہ جھونکے اس میدان کے خس و خاشاک کی اس طرح بلائیں لے رہے تھے' جس طرح ایک ماں اپنے بچے کی بلائیں لیتی ہے۔

اس پُرکیف منظر نے ایسا مسحور کیا کہ ہم نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ سوریا کے گاؤں والوں نے جو کھانا دیا تھا' وہ ابھی اچھی خاصی وافر مقدار میں موجود تھا' اور سرد موسم کے باعث خراب نہ ہوا تھا۔ ہم نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا' پھر دراز ہو گئے بستروں پر' تا کہ تھکن اتر جائے اور تازہ دم ہو جائیں۔

سہ پہر کے وقت میں اور تنا کا سیر کرتے ہوئے ٹیلے کی سمت جا نکلے۔ دور سے ایک عورت دکھائی دی' جو سائے میں بیٹھی ہوئی تھی' گو کہ یہ بوڑھی عورت تھی' لیکن بلند قامت' مضبوط بدن کی اور بے حد صحت مند بھی تھی' پہاڑی عورتوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ بوڑھی ہو کر بھی صحت مند رہتی ہیں۔ اس کے بال بہت لمبے لمبے تھے' لیکن سفید بال تھے' ان میں ایک بھی کالا بال نہیں تھا' وہ بال کھولے ہوئے ان میں کنگھی کر رہی تھی' اس کے چہرے پر ایک سپاٹ پن تھا' اور آنکھوں میں ویرانی تھی۔

"تم اس عورت کو دیکھ رہے ہو؟" میں نے کہا۔

"وہ اپنے گھر کے بجائے یہاں بیٹھ کر کنگھی کیوں کر رہی ہے؟"

"یہ کوئی چڑیل معلوم ہوتی ہے۔" تناکا چہک کر کہنے لگا۔

"بچپن میں بڑی بوڑھیاں جو کہانیاں سناتی تھیں' وہ بتاتی تھیں کہ ویران جنگلوں میں اور پہاڑوں پر چڑیلوں کا بسیرا ہوتا ہے' اس کی پہچان یہ ہے کہ ان کے بال ایڑیوں تک دراز ہوتے ہیں' یہ عورت نوے برس کی لگتی ہے' یہاں پچاس' ساٹھ برس کی عورت کے بال بھی اتنے لمبے نہیں ہوتے' میرے خیال میں سرکار! یہ عورت یقیناً چڑیل ہے' میرا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ اس کے پاس نہ جائیں' ہشیار رہیں' بلکہ یہ زیادہ ہی بہتر ہے کہ ہم کسی اور سمت چلتے ہیں۔"

تناکا کی توہم پرستی پر میں ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا' یہ بات میں جانتا تھا کہ چڑیلیں' بھوت پریت' پراسراریت' جادو منتروں کا وجود ہے' اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا' کسی ایسی عورت کو دیکھ کر جس کے بال ایڑیوں تک لمبے ہیں، اسے چڑیل کہنا اور کہہ دینا اس کا میں قائل نہیں تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ چڑیلیں عموماً رات کے وقت نکلتی تھیں' دن میں اس طرح سامنے آ کر بالوں میں کنگھی نہیں کرتی تھیں' ان کے بارے میں' میں نے یہ سنا تھا کہ وہ انتہائی بدصورت ہوتی ہیں' ان کے دانت نوکیلے اور لمبے ہوتے ہیں' ہونٹ موٹے اور مکروہ' ان کی آنکھیں لال لال اور خوف ناک' پیر کے پنجے پیچھے کی طرف مڑے ہوئے ہوتے ہیں' لیکن اس عورت میں چڑیل والی کوئی بات نہیں تھی' وہ ایک عام عورت کی طرح تھی' صرف یہ بات تھی کہ وہ معمر دکھائی دے رہی تھی۔

اس بوڑھی عورت نے قدموں کی آہٹ پا کر اپنے چہرے پر نقرئی تاروں کے سے سفید بالوں کو ہٹایا' اس نے مجھے اور تناکا کو بغور دیکھا' تناکا مجھے اس عورت کی طرف بڑھتے دیکھ کر میرے پیچھے چلا آیا تھا' پھر اس عورت نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور یہاں کیسے آنا ہوا؟"

"میں نہ صرف وید ہوں' بلکہ حکیم اور ڈاکٹر بھی ہوں' یہاں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں آیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کولمبو سے آیا ہوں۔"

"حیرت کی بات ہے' اس قدر دور دراز سے زندہ سلامت پہنچ گئے؟" اس کے چہرے پر گہرا استعجاب منجمد ہو گیا۔

"یہاں آج تک کوئی زندہ نہیں پہنچا' یہاں سے جو جاتا ہے' اور وہاں سے جو آتا ہے' وہ راستے میں مر جاتا ہے۔"

"وہ کس لیے مر جاتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"کیا بدروحیں یا جادو منتر رکاوٹ بن جاتے ہیں؟"

"اس لیے کہ راستہ خطرناک ہے اور بدروحیں اور بھوت پریت جادو منتروں سے موت کے گھاٹ اس لیے اتار دیتے ہیں کہ ان کا خون پی جائیں' انہیں انسان کا خون بہت مرغوب ہے' شاید تم نے اپنی زندگی میں یقیناً انسانوں کے ساتھ کوئی بھلائی کی ہو گی' اس لیے ایشور نے تمہاری رکھشا کی۔"

"میں یہاں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں آیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا دولت کمانے کی غرض سے؟" اس کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

"یہاں بڑی بہتات ہے ایسی جڑی بوٹیوں کی' جس سے دولت کمائی جا سکتی ہے' تم نے دولت کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈالی؟ جب کہ انسانی جان سے زیادہ کوئی شے قیمتی نہیں ہے' تمہیں جان کی کوئی پروا نہیں رہی۔"

"دولت کمانے کے لیے نہیں۔" میں نے کہا۔

"انسانیت کی سیوا اور بھلائی کے لیے' بھگوان نے اتنا دیا ہے کہ کسی چیز کی کمی نہیں ہے' میں بیماروں کا مفت علاج کرتا ہوں' مجھے اس سیوا سے جو شانتی ملتی ہے' وہی میری دولت ہے' دنیا میں شانتی اور سکون سے بڑی دولت کوئی نہیں ہے۔"

"تم سچ بولتے ہو۔" اس نے کہا۔

"مجھے تمہارے جذبے سے بڑی خوشی ہوئی۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ کیا تم اس ویرانے میں اکیلی رہتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں!" اس عورت نے نفی کے انداز میں سر ہلایا' اور ایک گہرا سانس لیا۔

"میرا اپنا گھر ہے۔"

"تمہارا گھر ہے کہاں؟ جب کہ یہاں دور دور تک کوئی مکان نظر نہیں آ رہا ہے؟" میں

نے کہا۔

''میں نائن نگر کی رہنے والی ہوں۔''

اس نے جواب دیا۔

''جو یہاں سے تین چار میل کے فاصلے پر واقع ہے' میرا نام لکشمی ہے' میں بے اولاد ہوں' اس وجہ سے گاؤں کی بے رحم اور کینہ پرور عورتیں مجھے منحوس خیال کرتی ہیں' مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔ میں اپنے گاؤں میں حقیر کہی جاتی ہوں' اگر میں ماں نہیں بن سکی' تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ وہ میرے شوہر کو میرے خلاف بھڑکاتی رہتی ہیں کہ وہ مجھ سے شدید نفرت کرنے پر مجبور ہو جائے' میرا شوہر جوگندر بہت ہی سخت اور سفاک قسم کا آدمی ہے۔ وہ ان کی باتیں مان کر اور سچ سمجھ کر مجھے بُری طرح مارتا پیٹتا اور زدوکوب کرتا ہے۔ بعض اوقات اس کی سختیوں سے تنگ آ کر میں اس جنگل میں آ جاتی ہوں' ویرانے میں آ کر بڑا سکون ملتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اذیت اور زنداں سے نجات پا کر آئی ہوں۔ میں یہاں گو تنہا ہوتی ہوں' لیکن پرند چرند اور یہاں کے دل کش نظارے میرے ساتھی بن جاتے ہیں' مجھے دلاسا دیتے ہیں۔''

''تم کیا یہاں اپنے شوہر کے بغیر رہ جاتی ہو؟''

میں نے کہا۔

''تم جو اسے چھوڑ کر یہاں آ جاتی ہو' تو وہ کچھ نہیں کہتا؟''

''لیکن زیادہ دن نہیں رہ پاتی ہوں۔''

وہ بولی۔

''اس لیے کہ اس کا غصہ کچھ دنوں بعد جب سرد پڑ جاتا ہے' تو وہ مجھے تلاش کرتا ہوا آ جاتا ہے' اور پھر مجھے منا کر اور میری منت سماجت کر کے گھر لے جاتا ہے۔''

''گویا وہ تم سے بہت محبت بھی کرتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس لیے وہ تمہیں منا کر لے جاتا ہے' یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔''

اس نے جواب دینے کے بجائے اپنے بازو اور شانے دکھائے' جن پر بڑے گہرے اور سرخ نشانات تھے۔ ایک عورت پر ہاتھ اٹھانا مرد کے لیے بڑے شرم کی بات تھی۔

مجھے اس پر بڑا رحم آیا' اس عورت پر بڑا ظلم ہوا تھا۔ مجھے اس کی بات کا یقین آ گیا کہ اس کا شوہر واقعی بہت ظالم ہے' اور درندہ صفت۔

میری جیب میں سفر کے دوران ایک تیر بہدف مرہم ہوتا تھا' جو میں نے نایاب قسم کی جڑی بوٹیوں سے بنایا ہوا تھا' کسی کے گر کر چوٹ لگنے پر میں زخم پر مرہم لگا دیتا تھا' جس سے نہ صرف آرام وسکون ملتا تھا' بلکہ تھوڑی ہی دیر میں زخم مندمل ہو جاتا تھا' میں نے جن نایاب جڑی بوٹیوں سے بنایا تھا' اب وہ کہیں شاید ہی ہوں' یہ آزمودہ مرہم تھا' میں نے وہ مرہم اس کے زخموں پر لگایا' تو وہ بہت خوش ہو گئی۔ زخموں میں جو جلن اور تکلیف تھی' وہ ختم ہو گئی تھی۔ اسے یقین نہیں آیا تھا' کہ ایسا بھی مرہم ہو سکتا ہے۔

میں نے اسے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ تم ایک وحشی کے ساتھ زندگی گزار رہی ہو۔''

''یہ میری مجبوری ہے' اور میں اس کے ظلم وستم کو ہنسی خوشی کسی وجہ سے سہہ لیتی ہوں۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔

''میرا پتی بھی اس وجہ سے منانے اور مجھ سے محبت کرنے پر مجبور ہے' اگر یہ مجبوری اور اس کی کمزوری نہ ہوتی' تو وہ کب کا مجھے چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے شادی کر لیتا۔''

''کیسی مجبوری؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا' میں اس کی بات کی تہہ تک باوجود کوشش کے' سمجھ نہ سکا تھا۔

''میری مجبوری یہ ہے کہ مجھے اولاد نرینہ چاہیے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس کی مجبوری یہ ہے کہ اسے بھی وارث چاہیے' تاکہ اس کے خاندان کو بڑھائے' اگر وارث پیدا نہ ہوا تو اس کا نام اور خاندان ختم ہو جائے گا۔''

''اس عمر میں تو ایک عورت ماں بننے سے رہی؟'' میں نے کہا۔

''لیکن مرد ہونے کے ناتے اسے کیا مجبوری ہو سکتی ہے؟ وہ دوسری شادی کر لے گا' وہ دوسری شادی کر سکتا ہے' اس کے لیے لڑکیوں اور عورتوں کی کیا کمی ہو سکتی ہے' وہ کسی بھی عورت سے شادی کر لے گا۔''

''نہیں!'' وہ سر ہلا کر بڑے اعتماد سے بولی۔

''میں جانتی ہوں' وہ ہرگز کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا۔''

''کیوں نہیں کرے گا؟''

''اس لیے کہ جوگی بابا نے ہم دونوں کے ہاتھوں کی ریکھا اور ستاروں کی چال دیکھ کر کہا

ہے کہ اس کے بچے کی ماں صرف میں ہی بن سکتی ہوں' وہ دوسری شادی کر لے، تب بھی باپ نہیں بن سکتا' یہاں کا دستور ہے کہ کوئی مرد اس وقت تک شادی نہیں کر سکتا' جب تک اس کی بیوی نہ مر جائے' جوگی بابا نے یہ پیش گوئی بھی کی ہے' کہ ایک دن میرا بیٹا اس گاؤں کا سردار بنے گا' تب سے میں مطمئن ہوں' اور بہت مسرور بھی' اور اس کی مار بھی کھا لیتی ہوں' مگر میں جانتی ہوں کہ اس عمر میں' میں ماں نہیں بن سکتی' لیکن جوگی بابا کی کوئی پیشین گوئی آج تک غلط ثابت نہیں ہوئی۔''

میں نے اسے ناقدانہ نظروں سے غیر ارادی طور پر دیکھا' گو کہ وہ ایک ستر برس کی عمر کی عورت تھی' اس کا ایک بال بھی کالا نہیں تھا' لیکن عجیب سی بات یہ تھی کہ اس کے چہرے پر ایک جھری بھی نہیں تھی' اور پھر اس کا بدن بھی پرکشش تھا' بالکل ایک جواں سال عورت کی مانند' یہ عجیب اور حیرت کی بات تھی۔

شاید یہاں ایسی کوئی جڑی بوٹی ہوتی ہوگی، جو سدا عورتوں کو جوان' دل کش اور پرکشش رکھتی ہے' میں نے سوچا کہ یہ بات میں اس سے کسی وقت معلوم کرلوں گا' کہ اس عمر میں بھی تم جو جوان دکھائی دیتی ہو اس کا راز کیا ہے؟

لکشمی سے کچھ دیر تک بات کرنے سے اندازہ ہوا کہ وہ بہت سیدھی سادی' ملنسار اور مہذب قسم کی عورت ہے' اس میں کسی قسم کی ریاکاری نہیں تھی۔ میں نے اس سے ناتن نگر اور بھوت پریت کے متعلق تفصیل اور وضاحت سے دریافت کیا۔

اس نے بتایا کہ بے شک یہ قصبہ بھوتوں کے ظلم وستم کا مسکن بنا ہوا ہے' اور اس سارے فساد کی جڑ سردار ہے' سردار انتہائی ظالم اور شقی القلب ہے' اس نے اس گاؤں کے اصل وارث اور اس کے حامیوں پر بڑا ظلم اور زیادتی کی تھی۔ یہ سب اس کے کارن ہے' پھر اس نے سانس لینے کے لیے توقف کیا اور کہنے لگی۔

''آج سے نصف صدی پہلے کی بات ہے' ناتن نگر ان کالے کالے اونچے اونچے پہاڑوں کے درمیان واقع تھا' اس وقت اس گاؤں کی آبادی تین ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ اس وقت موجودہ سردار کا چچا شنکر داس اس گاؤں کا حاکم تھا۔ اس سردار کو شکار کا بہت شوق تھا' ایک دفعہ جب وہ شکار کے لیے جا رہا تھا تو اس کا گھوڑا ایک دشوار گزار کھائی سے گزرتے ہوئے اس طرح بھڑکا جیسے اس نے کوئی بدروح دیکھ لی ہو اس کے مرنے کے بعد اس کا چھوٹا بھائی

یعنی موجودہ سردار کا باپ درگا داس کو یہاں کا عارضی حاکم بنا دیا گیا' کیوں کہ مرنے والے سردار کا لڑکا شیکھر صرف ایک برس کا تھا' جب تیرہ برس کے بعد درگاہ داس کا دیہانت ہوا' تو اس کے لڑکے انیل نے، جو شیکھر سے پانچ برس بڑا تھا' شیکھر کو رات کو سوتے میں گلا دبا کر قتل کر دیا' اور خود حاکم بن بیٹھا' اس پر شیکھر کے حامیوں نے احتجاج کیا' اور ایک طوفان کھڑا کیا' تو اس نے انہیں بھی موت کا نشانہ بنا دیا۔

وہ دن ہے اور آج کا دن ہے' ناتھن نگر پر نحوست کے بادل چھا گئے' اور اس کی تباہی و بربادی شروع ہوگئی' یعنی تمام بے گناہ' ذلوں کی روحیں بھوت بن کر گاؤں والوں کو ستانے اور پریشان اور خوف زدہ کرنے لگیں' اور اپنی چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر سردار ایک درّے کے راستے اپنی رعایا کے ساتھ بھاگ آیا' اور پھر پہاڑ کے اس طرف ایک جگہ موجودہ ناتن نگر کو آباد کیا' پھر اس پہاڑی درّے کو ایک پتھریلی دیوار بنا کر جو کئی گز اونچی تھی' بند کر دیا۔

اب یہ بھوت گاؤں میں تو نہیں آتے ہیں' لیکن جب کسی کے مرنے کے بعد اسے شمشان گھاٹ لایا جاتا ہے' تو بھوت اس کی چتا سے لاش اٹھا کر لے جاتے ہیں' اور اسے آدم خوروں کی طرح کھا لیتے ہیں' یہ آدم خود بھوت انسان کے گوشت کو بڑی رغبت سے کھاتے ہیں' جیسے اس سے لذیز کوئی اور گوشت نہیں ہوتا ہو۔''

اتنا بتا کر وہ چپ ہوگئی۔

''لکشمی!'' میں نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے مخاطب کیا۔

''ناتن نگر کے لوگ مسافروں' سیاحوں اور مہمانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں؟ وہ ہمارے ساتھ کس طرح سے پیش آئیں گے؟ کیا تم بتانا پسند کروگی' تاکہ ہم محتاط اور ہشیار رہیں' اس لیے ہم سیدھے سادے سے لوگ ہیں۔''

''بھوتوں کے خوف' پُرخطر راستے اور عفریت قسم کی گھاٹیوں کی وجہ سے کوئی بھی یہاں آنے کا نام نہیں لیتا۔''

وہ ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگی۔

''میں حیران ہوں کہ تم لوگ کیسے خیریت سے یہاں پہنچ گئے' مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔''

''اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟''

میں نے کہا۔

"تمہیں یقین کیوں نہیں آرہا ہے؟"

"اس لیے کہ یہاں تو قدم قدم پر موت منہ کھولے کھڑی رہتی ہے' البتہ جزیرہ چندن سے کبھی کبھی کوئی بردہ فروش نوجوان اور حسین لڑکیاں سردار کے پاس سچے موتیوں کے عوض فروخت کر جاتا ہے' قریب میں جو دریا ہے' اس میں موتی پائے جاتے ہیں اور ان موتیوں پر صرف سردار کا اختیار ہے' کوئی اس کی اجازت کے بغیر دریا سے موتی نکال سکتا ہے' اور نہ بیچ سکتا ہے' اگر کوئی خلاف ورزی کرے تو اسے زہریلے سانپوں سے ڈسوا دیا جاتا ہے۔

حسین اور نوجوان لڑکیاں سردار کی کم زوری ہیں' انہیں کشتیوں پر لایا جاتا ہے' سردار نے ایک مہمان خانہ بنا رکھا ہے' جن میں ان لڑکیوں کو رکھا جاتا ہے' چوں کہ تم وید اور حکیم ہو اور تم عمدہ عمدہ دوائیاں سردار کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کرو گے' تو وہ تمہاری بڑی قدر اور عزت کرے گا' شاید ان موتیوں سے تمہارا منہ بھر دے۔"

+++

شام کے وقت ہم لوگ لکشمی کی معیت میں جوناتھن نگر کی طرف روانہ ہوئے۔

ہم ایک ایسی جگہ پہنچے، جس نے ہمیں بری طرح چونکا دیا تھا' وہاں میری آنکھوں کے سامنے خواب کا سارا نقشہ پھر گیا' ہم لوگ اس وقت ایک ایسی پہاڑی پر کھڑے تھے، جس کے مقابل دوسری پہاڑی پر گاؤں آباد تھا' وہی ندی' وہی کھائی' وہی پل' وہی مکان' ایک لمحے کے لیے مجھ پر سکتہ سا چھا گیا' میں بھوچکا سا ہو کر خواب والی حسین لڑکی کی جستجو میں اس خوب صورت پل کی طرح دیکھنے لگا' جو اس دروازے پر جا کر ختم ہوتا تھا' مگر وہاں کچھ نظر نہ آیا۔

لکشمی میری بدحواسی پر سخت حیران ہوئی تھی' اور وہ اس کی تہہ میں پہنچ نہیں سکتی تھی کہ کیا اسرار ہے؟

میں دیر تک سراسیمگی کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا' شاید وہ لڑکی دکھائی دے جائے' لیکن اس کا کہیں بھی نام و نشان نہ تھا' مناظر میں ایسا حسن اور دل کشی تھی کہ اس نے دل موہ لیا تھا' وہاں سے نظریں ہٹانے' اور آگے جانے کو دل نہ چاہا تھا' جیسے کوئی منتر ہم پر کسی دیوتا نے پڑھ کر پھونک دیا ہو۔

اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ دل پر جبر کر کے چل پڑیں' جب شام کے دھندلکوں کی آغوش میں دن پوری طرح سما گیا' تب ہم ناتھن نگر میں داخل ہوئے' سوریا اور خچروں کو اس نے اپنے مویشی خانے میں جگہ دی' اس نے رات کے کھانے کا بھی اہتمام کیا تھا۔ سوریا کھانے کے بعد مویشی خانے میں چلا گیا' میں اور تنا کا مندر کے باہر کمرے میں جا کر سو گئے۔

صبح کے وقت مندر کے پنڈت جی سے ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں اپنا پیشہ اور یہاں آنے کی وجہ بتائی' تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے میرے اس جذبے کو خوب سراہا' اور

عزم و حوصلے پر عش عش کر اٹھے‘ پنڈت جی نے مجھے سردار سے ملانے کا وعدہ کیا۔

پنڈت کا نام شام تنگا تھا‘ گاؤں میں اس کی بڑی عزت تھی۔ اس کا رتبہ سردار کے بعد کیا جاتا تھا۔ وہ ہمیں اپنے گھر لے گیا۔ اس نے بڑی خاطر مدارت کی تھی‘ تین دن تک ہم اس کے مہمان رہے‘ اس کی نوجوان بیٹی تین برس سے ایک پیچیدہ مرض میں مبتلا تھی۔ میں نے دوا دی تو وہ دو دن میں مکمل طور پر صحت یاب ہوگئی‘ جس پر پنڈت میرا اور ممنون ہوا۔

راستے میں جو دو ایک جڑی بوٹیاں ملی تھیں‘ وہ بڑی مقوی تھیں‘ میں نے اس پر تحقیق کرنے میں تین دن صرف کر دیئے تھے‘ چوتھی شام کے وقت تنگا نے سردار کے پاس جا کر میرا تعارف کرایا۔

سردار جس کی عمر ساٹھ برس کے درمیان تھی‘ لیکن وہ دیکھنے میں چالیس برس کا ایک مضبوط طاقتور اور بھرپور جوان دکھائی دیتا تھا‘ گو اس کی رنگ سفید تھی‘ لیکن خدوخال بھدے اور بے کشش تھے‘ بشرے سے رعونت ٹپکتی تھی‘ اور چھوٹی آنکھوں میں کینہ بھرا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہی میرے دل میں اس کے خلاف نفرت نے جنم لے لیا‘ وہ ہرگز اس لائق نہیں تھا کہ اسے ملا جائے‘ بہرحال ایک مجبوری اور رسم بھی تھی۔ وہ میرے ناتھن نگر آنے تک دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ اس نے بڑی حیرت کا اظہار کیا‘ داد بھی دی کہ میں نے اتنا لمبا سفر، جو نہ صرف دشوار گزار‘ بلکہ کٹھن اور اذیت ناک تھا‘ عزم و حوصلے اور جذبے سے کیا‘ اور موت کا خیال نہیں کیا‘ اور اپنی سلامتی داؤ پر لگا دی‘ جو بہت بڑی بات ہے۔

میں نے اسے دواؤں سے بھرا بکس بطور نذرانہ پیش کیا‘ تو وہ بہت خوش ہوا کیوں کہ ایسی ادویات یہاں پر دستیاب نہیں تھیں‘ تنا کا نے اس کے ایک ملازم کو میرے بارے میں بتایا کہ میں سری لنکا کا مشہور و معروف وید ہوں‘ میری ہر طرف دھوم مچی ہوئی ہے۔ میرے شفاخانے پر دن رات مریضوں کا تانتا بندھا رہتا ہے‘ یہ بات ملازم نے اپنے سردار کو سنائی تھی‘ جس سے وہ خاصا متاثر اور خوش ہوا تھا‘ اور اس نے مجھے شاہی مہمان قرار دے کر شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا دیا تھا۔

شاہی مہمان خانے کے دروازے پر خوب صورت پل تھا‘ بڑے دروازے کے اندر ایک کھلا صحن تھا‘ جس کے دونوں پہلوؤں پر لمبے لمبے برآمدے تھے‘ اور ان کے پیچھے کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں‘ جن کی کل تعداد چوبیس تھی‘ یہ شاہی اصطبل تھا‘ اس خطے میں زون کے درخت

لگے ہوئے تھے‘ جو رات کو روشنی دیتے تھے‘ مہمان خانے میں ہماری رہائش کا انتظام کیا گیا تھا‘ اس بات کی اجازت تھی کہ ہم وہاں جب تک رہنا چاہیں، رہیں۔

میں اکثر پنڈت شام تنگا سے ملنے جایا کرتا تھا۔ ایک دن گفتگو کے دوران بھوتوں کا خیال آیا‘ تو میں نے اس سے بھوتوں کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ بھوتوں کے متعلق تمام روایات سچی ہیں‘ ان میں کوئی مبالغہ نہیں ہے‘ اور نہ ہی یہ کہانیاں ہیں۔ ان بھوتوں کی وجہ سے سردار اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر یہاں آباد ہوا ہے‘ لیکن یہاں بھی شمشان گھاٹ میں رات کے وقت بھوت گھومتے ہیں‘ ان کی باتوں کی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔

میں نے اس سے پوچھا کہ کیا کبھی اس نے کوئی بھوت بھی دیکھا ہے یا سنی سنائی بات ہے؟ اس نے بتایا کہ اس نے ایک دن رات کے وقت ایک بھوت کو دیکھا ہے‘ اس نے اس بھوت کو پہچان لیا تھا‘ وہ سابقہ سردار کے حامیوں میں سے تھا‘ وہ چھپ کر دیر تک اس بھوت کو دیکھتا رہا تھا‘ وہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتا‘ تو یقین نہ کرتا‘ اس کی طرح اور بھی لوگوں نے ان بھوتوں کو دیکھا ہے‘ جو سابق سردار کے حامیوں کے تھے‘ اس لیے لوگ گھروں سے دن ڈوبنے کے بعد نہیں نکلتے ہیں۔

پنڈت کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ سردار پر ان مقتولوں کی ایسی لعنت اور بددعا پڑی ہے کہ وہ اب تک بے اولاد ہے‘ اس کی عورتیں دوسری جگہوں کی ہوتی ہیں‘ جنہیں بردہ فروش سردار کے ہاتھوں فروخت کر جاتے ہیں‘ اس لیے وہ کچھ عرصہ بعد سردار کی محل نما حویلی سے بھاگ جاتی ہیں‘ کیوں کہ سردار ان کے امید سے نہ ہونے پر انہیں ستاتا اور ہراساں کرتا رہتا ہے‘ وہ خوف زدہ ہو جاتی ہیں کہ کہیں سارداران کے امید سے نہ ہونے پر موت کی نیند نہ سلا دے۔

”کیا سردار نے کبھی لڑکیوں کے فرار ہونے کی کوئی روک تھام نہیں کی؟“ میں نے پوچھا۔

”بات یہ ہے کہ وہ ہرجائی عیاش قسم کا شخص ہے۔“ پنڈت جی نے جواب دیا۔

”بردہ فروش جو لڑکیاں لاتے رہتے ہیں‘ ان لڑکیوں کو یہ بات بالکل پسند نہیں کہ وہ ان سے کھلونے کی طرح کھیلتا رہے‘ ایک طرح سے انہیں داشتہ کی طرح سلوک کرے‘ اس لیے وہ اپنی تذلیل سمجھ کر فرار ہو جاتی ہیں۔“

یہ باتیں سن کر میں متعجب ہوا، کیوں کہ اس گاؤں کی ہر بات نرالی اور انوکھی تھی۔

+++

شام کا وقت بے کیف اور بے رنگ سا تھا، ایک عجیب سی وحشت ساری فضا پر مسلط تھی، ہوا میں بھی افسردگی سی محسوس ہوتی تھی، جس سے خزاں کی آمد کا احساس ہوتا تھا، پت جھڑ سے درخت بے رونق ہو رہے تھے، جیسے انہیں بے لباس کر دیا گیا ہو، پہاڑوں کی چوٹیاں اپنے سر پر غرور اٹھائے تماشائے لیل ونہار میں مصروف تھیں، آسمان کے چوڑے چکلے سینے پر بگلوں کی قطاریں تھیں، گھونسلوں میں پرندوں کی سوکھی پھڑپھڑاہٹ اور جنگلی گدھوں کی منحوس آوازیں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر رہی تھیں، خوں خوار ندی کا پانی سیاہ ناگن کی طرح اپنی زبان خار شگاف سے پتھروں کو چھیدتا تیزی سے رواں تھا، اردگرد کی فضا نہایت اداس تھی، ایک سوگواری سی چھائی ہوئی تھی۔

میں نے واپس آتے ہوئے موسم کے اس تغیر سے اپنے اندر ایک اضطراب اور بے چینی محسوس کی، میں بڑی بے دلی سے قدم اٹھاتا ایک شکست خوردہ سپاہی کی طرح مہمان خانے کی طرف جا رہا تھا، راستے میں جو درخت اور جھاڑیاں تھیں، انہیں بھی بہ غور دیکھتا آ رہا تھا کہ شاید کوئی کام کی جڑی بوٹی دکھائی دے جائے، جڑی بوٹیاں جھاڑیوں میں بھی پائی جاتی تھیں۔

میں سوچ رہا تھا کہ سردار سے اجازت لے کر واپس چلا جاؤں، کیوں کہ قیام کا جو مقصد تھا، وہ پورا ہو گیا تھا، کارآمد اور نایاب قسم کی جڑی بوٹیاں وافر مقدار میں مل گئی تھیں، جن کی مجھے توقع نہیں تھی اور پھر کچھ دنوں میں جاڑا آنے والا تھا، جاڑے کی صورت میں سفر ناممکن ہو جاتا، کیوں کہ سری لنکا میں بارشیں شروع ہو جاتی ہیں، جو کئی کئی دنوں، بغیر کسی وقفے کے جاری رہتی تھیں، یہ سلسلہ کوئی ایک ماہ تک جاری رہتا تھا، اس صورت میں راستے ندی نالے بن جاتے تھے، سرد موسم اندرون سری لنکا ہوتا تھا، جب کہ کولمبو اور جافنا میں موسم معتدل رہتا تھا، وہاں جاڑا نہیں پڑتا تھا۔

یوں ہی میں نے پل پر قدم رکھا، میری نگاہ معاً ایک نوجوان لڑکی پر پڑی، جو پل کے آخری سرے پر کھڑی ہوئی تھی، میں بجلی کی سی سرعت سے اس کے قریب پہنچا، تو دل تیزی سے دھڑکنے لگا، کیوں کہ یہ لڑکی بالکل سریتا کا عکس تھی، وہی قامت، جسامت، نقش ونگار جیسے

وہ اس کی جڑواں ہو یا ہم زاد، اس کی بڑی بڑی خوب صورت سیاہ آنکھوں میں آنسو صاف و شفاف موتیوں کی طرح بھرے ہوئے تھے۔

یکا یک صدر دروازے سے دو آدمی نکلے، ایک آدمی، جو بہ نسبت اپنے ساتھی کے بہتر لباس میں ملبوس تھا، اس نے لڑکی کے قریب اپنائیت بھرے لہجے میں بڑی شائستگی سے کہا۔

''شوبھا! تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟ ہم تمہیں کب سے مہمان خانے میں تلاش کر رہے ہیں، وہ دیکھو ہوا میں کیسی خنکی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بیمار ہو جاؤ۔''

شوبھا کے نام پر میں چونکا، اپنے سپنے کو حقیقت سمجھا، لڑکی چپ چاپ مجھے متوحش نگاہوں سے دیکھتی ہوئی اندر چلی گئی، مجھے یوں لگا، جیسے وہ مجھ سے مدد کی التجا کر رہی ہو۔

میں بڑی دیر تک شدید حیرت میں مبتلا رہا، لڑکی شوبھا خواب میں بھی بڑی دکھی دکھائی دی تھی، اور اب بھی دکھی تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے اور التجا بھی، لیکن ان دو آدمیوں کی موجودگی کی وجہ سے اس نے کچھ نہ کہا، میں کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا تھا کہ یہ لڑکی میرے خواب میں کیوں اور کس لیے آئی تھی؟ کیا خواب میں کوئی اپنی مرضی سے آ سکتا ہے، بہرکیف اس سے ہٹ کر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ بعض اوقات خواب سچے ہوتے ہیں، اور اس کا ثبوت شوبھا تھی۔

جب میں اندر گیا تو میں نے ایک عجیب سا سماں دیکھا، مہمان خانے میں بڑی رونق اور چہل پہل تھی، جو میں نے آج سے پہلے نہیں دیکھی تھی، جیسے کوئی جشن منایا جا رہا ہو، تاناکا نے میرے پوچھنے پر بتایا کہ بردہ فروش سولہ برس کی حسین اور نوجوان لڑکیاں لے کر سردار کے پاس آیا ہے، تاکہ انہیں فروخت کر دے، میں تمام رات سوچتا رہا کہ کس طرح اور کیسے اس لڑکی کی مدد کی جا سکتی ہے، میرے ذہن میں کوئی تدبیر نہ آئی، مجھے یہ ناممکن سا لگا۔

دوسرے دن لکشمی نے میرے پوچھنے پر بتایا کہ بردہ فروش اور اس کا آدمی دس لڑکیاں بیچنے کے لیے لایا تھا، جن میں شوبھا بھی تھی، سردار نے تین لڑکیاں خرید لیں، جن میں شوبھا بھی ہے، باقی سات لڑکیاں گاؤں والوں نے خرید لیں، اتفاق سے اسے ان تمام لڑکیوں کی ایک جھلک دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا، وہ سات لڑکیاں بہت حسین تو نہ تھیں، لیکن جوانی کے خمار نے انہیں حسین اور پرکشش بنا دیا تھا، تیسرے دن وہ بردہ فروش چلا گیا۔

مجھ پر ایک اداسی سی طاری تھی، میں نے رات سوچ بچار کے بعد واپسی کا ارادہ ترک کر

دیا کیوں کہ اس سچے خواب کے زیر اثر مجھے یقین ہو چکا تھا' کہ شوبھا کو ایک نہ ایک دن میری مدد کی ضرورت ہو گی' کچھ دنوں کے بعد بارشوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا' اور میں نصف راستہ بھی طے نہ کر پاؤں گا' بہتر ہے کہ کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کے بجائے رک جاؤں' اتفاق سے دوسرے دن اچانک بارش شروع ہو گئی' اور ساتھ ہی سخت سردی بھی شروع ہو گئی' جس سے ندی' نالوں اور دریا کا پانی بھی یخ بستہ ہو کر رہ گیا' میں اور تناکا اس سخت سردی کے عادی نہ تھے' البتہ سوریا عادی تھا' لیکن برسات کے باعث وہ اپنے گاؤں نہیں جا سکتا تھا' میں اور تناکا اندر پڑے رہتے تھے' کھانے میں پرندوں کا شوربا بھی ملتا تھا' جس سے میرے جسم میں گرمی محسوس ہوتی تھی۔

سردار کے مہمان خانے میں تین چار ایسی لڑکیاں بھی تھیں' جن سے سردار کا جی بھر چکا تھا' اب وہ ان کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا' ان لڑکیوں کو کسی وجہ سے فرار کا کوئی موقع نہ مل سکا تھا' سردار نے مجھے پیش کش کی تھی کہ میں انہیں دل بستگی کا سامان بنا لوں' میں نے اس کی پیش کش شکریے کے ساتھ مسترد کر دی تھی' میں یہاں عورتوں سے دل بہلانے نہیں آیا تھا۔

موسم کے تغیر کے باعث بارشوں کا سلسلہ دس دنوں میں تھم گیا تھا' تین دن کے بعد برف باری کی وجہ سے نہ صرف موسم بہتر ہو گیا' بلکہ راستے کا پانی بھی ندی نالوں سے ہوتا ہوا دریا میں اتر گیا' تین دن میں سورج کی تمازت نے راستوں کو خشک کر دیا تھا۔

پھر بہار کے موسم کا آغاز ہو گیا' ہوا میں خوش گواری پیدا ہونے لگی' بلند پہاڑ جو بگلا بنے ہوئے دکھائی دیتے تھے' ان کی سفید نقاب اتری تو وہ سیاہ دیوؤں کی صورت اختیار کرنے لگے' تین دن میں جو زبردست برف باری ہوئی' وہ اب آہستہ آہستہ پگھل رہی تھی' ندی نالوں کی گنگناہٹ اور پرندوں کے شیریں گیت کائنات میں ایک نئی زندگی کو جنم دینے لگے۔

ایک دن صبح جب سورج طلوع نہیں ہوا تھا' دروازے پر ایک لرزیدہ سی دستک ہوئی' تناکا نے دروازہ کھولا تو لکشمی کھڑی تھی' دروازہ کھلتے ہی وہ غڑاپ سے اندر آئی' تو میں نے دیکھا' وہ کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح سہمی ہوئی ہے' وہ اس طرح کانپ رہی تھی، جیسے کسی عفریت سے جان چھڑا کے آئی ہو' اس کا چہرہ کسی مردے کی طرح سفید پڑا ہوا تھا۔

''لکشمی! خیریت تو ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کیا تمہارے پتی نے تمہیں جان سے مارنے کی کوشش کی، جو جان بچا کر آئی ہو؟''

''نہیں!'' اس نے نفی میں سر ہلا کر سرگوشی میں آہستگی سے جواب دیا۔

''آج میں نے ایک گہری اور خوف ناک سازش کا پتا چلایا ہے' جو تم لوگوں کے خلاف ہو رہی ہے' میں وہ بتانے کے لیے آئی ہوں۔''

''ہمارے خلاف؟'' میں ایک دم سے اچھل پڑا۔

''کیوں اور کس لیے؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''کون کر رہا ہے؟''

''ہاں! تم لوگوں کے خلاف' پہلے میری بات سن لو۔'' اس نے جواب دیا۔

''آج رات میں گہری نیند سو رہی تھی' آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی' میں نے دیکھا کہ میرا پتی باہر جا رہا ہے' تو بڑی حیرت ہوئی' یہ ناقابل یقین بات تھی' کیوں کہ رات کے وقت یہاں کوئی باہر نہیں نکلتا' اور پھر اس کی حرکات و سکنات بھی پراسرار تھیں' جس سے میرے دل میں شک کی لہر اٹھی تھی' میں دل کڑا کر کے اس کے تعاقب میں غیر محسوس انداز سے روانہ ہو گئی۔

مجھے ایک خیال یہ آیا تھا کہ شاید اس نے کسی نوجوان لڑکی کو بردہ فروش سے خرید کر کسی جگہ رکھا ہوا ہے' اور وہ اس سے ملنے راتوں کو بھی جاتا ہے' اور صبح ہونے سے پہلے لوٹ آتا ہے' میں چونکہ گہری نیند میں ہوتی ہوں' اس لیے وہ اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے' یہاں کا بڑا عجیب قانون اور انوکھا دستور ہے کہ مرد بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا' اور نہ ہی دوسری شادی کر سکتا ہے' لیکن عورت، لڑکی کو خرید کر رکھ سکتا ہے' اگر اس سے اولاد ہوئی تو اسے وارث نہیں سمجھا جاتا۔

وہ سیدھا سردار کے محل کی طرف بڑھا' تو میرا شک درست ثابت ہوا' کہ اس نے سردار کی حویلی میں کسی لڑکی کو خرید کر رکھا ہوا ہے' حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ صدر دروازے کے بجائے پچھواڑے گیا' وہاں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا' اس نے مخصوص انداز سے تین مرتبہ دستک دی' چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا' دروازہ کس نے کھولا، یہ میں دیکھ نہیں سکی' شاید کوئی عورت ہو گی' میرے دل میں خیال آیا۔

وہ دروازے کو بے پروائی سے بھیڑ کر بے تابانہ انداز سے اندر چلا گیا' میں لپک کر دروازے پر پہنچی' دروازہ اتنا کھلا ہوا تھا کہ ایک جھری سی بن گئی تھی' اندر زون کی روشنی ہو رہی

تھی' میں نے جھری میں سے دیکھنا شروع کیا' دروازہ کھولنے والی کوئی عورت نہیں بلکہ سردار تھا' وہ نہایت مغموم اور پریشان دکھائی دیتا تھا' وہ میرے پتی سے کہہ رہا تھا۔

''میں یہ چاہتا ہوں کہ فاقہ فوراً ہو جانا چاہیے' اس میں دیر نہیں ہونی ہے''۔

''نہیں سردار!'' میرے پتی نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے تکرار کی۔ ''مجھے تمہاری بات سے اتفاق نہیں ہے۔''

''کیوں؟'' سردار نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا ان دونوں کو ایک ساتھ ختم کرنا مشکل ہے۔''

+++

''نہیں......'' میرے پتی نے جواب دیا۔

''کوئی مشکل نہیں' میں ابھی اور اسی وقت انہیں ختم کرسکتا ہوں۔''

''تو پھر اس شبھ کام میں دیر کس بات کی ہے؟''

سردار نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ ''کیا تمہیں کسی قسم کا کوئی ڈر ہے؟''

''ہاں......'' میرے پتی نے سر ہلا دیا۔

''ایک ہی وقت میں دونوں کو ٹھکانے لگانے سے لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہو جائیں گے۔تم جانتے ہو کہ گاؤں میں مہمانوں کی کتنی عزت کی جاتی ہے۔یہاں کی روایات کے مطابق مہمانوں کی سیوا کے لئے بیویاں اور کنواری لڑکیاں تک دے دی جاتی ہیں۔ میرے خیال میں ان دونوں کو ختم کرنے میں ایک مہینہ کا وقفہ ضرور ہونا چاہیے۔اس طرح کسی کو بھی شک نہیں ہوگا۔ان کی موت بھی واقع ہو جائے گی۔''

''ایک مہینے میں تیس دن ہوتے ہیں' اور یہ میرے لئے تیس برس سے کم نہیں ہیں۔'' سردار بولا۔

''اچھا تین چار دن کے بعد ایک آدمی کو موت کی بھینٹ چڑھاؤ۔ پھر اس کا ردعمل دیکھو......اس کے بعد دوسرے کو موت کی نیند سلا دینا۔''

''یہ کام بھی اتنی جلدی نہیں ہوسکتا۔''

میرے پتی نے کہا۔'' دس بارہ دن انتظار کرنا ہوگا' اور یہ دس بارہ دن یوں گزر جائیں گے۔'' میرے پتی نے چٹکی بجائی۔

''سردار! جلد بازی میں کام خراب ہو جاتے ہیں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا ہے' کہ آخر دس بارہ دن کا انتظار کس لئے......؟''

سردار نے جز بز ہو کر کہا۔

"اس لئے کہ ابھی ندی میں پانی بہت تھوڑا ہے۔ اودھم پور کی پہاڑیوں کی برف پگھل رہی ہے، اس کا پانی دس بارہ دن میں بہت زور پکڑ جائے گا' اور سات دنوں تک یہ زور قائم رہے گا۔ ان کی لاشیں بہتی ہوئی دور نکل جائیں گی۔"

"دس بارہ دن تو بہت ہیں۔" سردار نے وحشت آمیز لہجے میں کہا۔ "لیکن کیا کیا جائے، مجبوری ہے۔ صبر کے سوا چارہ بھی تو نہیں ہے۔ اچھا تم تدبیر سوچ کر رکھو۔ اب تم جاؤ، میں تم سے ایک دو دن بعد پھر بات کروں گا۔ تم دن میں آ کر مجھ سے نہیں ملنا۔"

میں اس وقت فوراً ہی الٹے قدموں واپس ہوئی' لیکن جب وہ آیا' تو میں بستر پر دراز مصنوعی خراٹے لے رہی تھی۔ اس نے مجھے آوازیں دیں' لیکن میں مٹی کا تودہ بنی رہی۔ وہ جانتا ہے کہ میں کیسی گہری نیند سوتی ہوں۔

لکشمی جھوٹ بولنے سے رہی۔ وہ مجھے انسانیت کے جذبے کے تحت خطرے سے آگاہ کرنے آئی تھی' لیکن ایک بات میری سمجھ سے بالاتر تھی' کہ آخر سردار مجھے اور میرے ملازم تناکا کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے؟ ہم نے کیا جرم کیا ہے......؟ اس میں اس کا کیا فائدہ ہے؟ تناکا بھی حیران اور پریشان تھا' کہ سردار کو کس لئے ہم سے اتنا بیر ہو گیا؟ ہم دونوں جتنا سوچتے اتنا ہی الجھ جاتے۔ ہم نے روانگی کا پروگرام نہیں بنایا کہ شوبھا کی مدد کرنی تھی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ لکشمی بھی اس کی وجہ نہ بتا سکی' اور نہ ہی وہ اپنے شوہر سے کچھ اگلوا سکی۔ اس نے کھل کر اس لئے بات نہیں کی کہ اس کے شوہر کو شک وشبہ ہو سکتا تھا۔

ایک روز سہ پہر کے وقت سردار نے مجھے اپنے کمرے میں طلب کیا۔ وہ ان لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا' جو اس نے بردہ فروش سے خریدی تھیں۔ سردار نے انہیں اندر کے کمرے میں جانے کا اشارہ کیا۔ ان کے جانے کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔

"مہمان خانے کی نہ صرف مرمت کروانی ہے' بلکہ رنگ وروغن بھی کروانا ہے۔ اس لئے تم اور تمہارا ملازم اپنی اپنی کوٹھریاں خالی کر کے پل کے دوسری طرف اس جھونپڑے میں چلے جاؤ' جو تمہارے لئے بطور خاص بنوایا ہے۔"

سردار کی اس بات سے اب کوئی شک وشبہ نہیں رہا کہ وہ واقعی ہمارا پتا صاف کرنے کے درپے ہے۔ اس کی بات سے انکار یا حکم عدولی ہمارے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کے سوا

کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم اس مہمان خانے سے چلے جائیں۔

لکشمی ہمارے لئے کسی اوتار سے کم نہیں تھی۔ وہ بڑی مخلص اور نیک دل عورت تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق دن بھر تو ہم جھونپڑے میں رہتے۔ شام ہوتے ہی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اس کٹیا میں چلے جاتے' جو جوگی بابا کی تھی۔ یہ وہی کٹیا تھی' جس کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی تھی' کہ ایک دن جوگی بابا کا بیٹا اس گاؤں کا سردار ہو گا۔

جوگی بابا کی موت کو کئی برس بیت چکے تھے۔

اس کی کٹیا چونکہ بہت مضبوط بنی ہوئی تھی' اس لئے آج بھی اس کی حالت بہت اچھی تھی۔ لکشمی کا معمول تھا کہ وہ روز صبح جا کر اس کٹیا اور بطور خاص اس جگہ کو صاف کرتی تھی' جہاں جوگی بابا سوتا اور لیٹتا تھا۔ پھر اس جگہ کو پھولوں سے سجاتی، لوبان کا دھواں دیتی اور پھر دروازہ مقفل کر کے آ جاتی تھی۔

اس طرح ہم نے وہاں سات دن گزار دیئے۔ آٹھویں دن صبح کے وقت میں نے یہ خبر سنی کہ بردہ فروش سے خریدی گئی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی، جس کا نام رنجنا تھا' سردار کی محل نما حویلی سے بھاگ گئی ہے۔ سردار نے اس کی تلاش میں مختلف سمتوں میں سوار دوڑائے' لیکن اس لڑکی کا کچھ پتا نہ چلا۔ دوسرے دن کسی شخص کو ناتھن نگر سے دو میل کے فاصلے پر ندی میں ایک حاملہ عورت کی لاش ملی۔ جب اس کی شناخت کی گئی' تو پتا چلا کہ وہ رنجنا کی لاش تھی۔

اس لڑکی رنجنا کی المناک موت پر دفعتاً میرے ذہن میں ایک خیال کوندا بن کر لپکا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ لکشمی کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا۔ وہ سازش ہمارے خلاف نہیں' بلکہ اس لڑکی کے خلاف تھی۔ سردار اور لکشمی کا شوہر اس لڑکی کے دشمن تھے۔ ہم نے خوامخواہ اس بات کو خود سے منسوب کر ڈالا تھا۔ قتل کی سازش مظلوم اور بے بس لڑکیوں کے خلاف تھی۔ لکشمی نے اپنے پتی اور سردار کی جو گفتگو سنائی تھی' اس سے یہ ظاہر تھا کہ وہ لاش ندی کی نذر کرنے والا تھا۔

"لکشمی! تم نے سردار اور اپنے پتی کی باتوں سے غلط اندازہ لگایا تھا۔" میں نے کہا۔ "سازش لڑکیوں کے خلاف تھی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟" لکشمی بولی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، سردار کی زندگی میں صرف دو عورتیں ہی امید سے ہوئی تھیں......یعنی ایک رنجنا اور دوسری یشو بھا۔ سردار کی تمام امیدیں انہیں سے وابستہ تھیں۔ وہ کتنا خوش تھا کہ میں بتا نہیں سکتی۔ وہ ایک طرح سے ان کی پوجا کرتا تھا۔ ایسی صورت میں رنجنا کو موت کے گھاٹ کیسے اترواتا؟ اگر اس نے ایسا کیا ہوتا' تو رنجنا کے غائب ہو جانے پر اس کی حالت پاگلوں جیسی نہ ہوتی' اور وہ اس کی تلاش میں اپنے آدمیوں کو نہ بھیجتا۔"

لکشمی کی زبان سے یہ سن کر شوبھا بھی امید سے تھی، میں چونک اٹھا۔ پھر میں نے ہذیانی لہجے میں کہا۔

"لکشمی! میری یہ بات کان کھول کر سن لو کہ اب دوسری موت شوبھا کی ہوگی۔ وہ بس کچھ دنوں کی مہمان ہے۔"

"وجہ......؟" لکشمی کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ اسے میری بات کا یقین نہیں آیا تھا۔

"یہ ظالم اور درندہ صفت شخص ان مظلوم عورتوں کو، جو امید سے ہو جاتی تھیں' انہیں ہلاک کر کے یہ مشہور کر دیتا تھا کہ وہ بھاگ گئی ہیں' پھر ان کی تلاش کرواتا اور پاگل ہو جانے کا ڈرامہ کرتا۔"

"وہ لڑکیاں دراصل اس کے ظلم وستم اور ناروا سلوک کی وجہ سے بھاگ گئی تھیں۔" میں نے لکشمی سے کہا۔

"تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا' ورنہ اس کا سارا ناٹک سمجھ میں آ جاتا......؟" میں نے اسے سمجھایا۔

"ان راستوں سے اکیلے بھاگ جانا کیسے ممکن ہے۔ بحری راستے سے بھی ناممکن' کیونکہ دریا کے کنارے کوئی کشتی ہی نہیں ہوتی۔"

"ابھی تک جو عورتیں فرار ہوئی ہیں، وہ امید سے نہ تھیں۔" لکشمی نے کہا۔

"تم نہیں جانتے اولاد اور وارث کے لئے وہ برسوں سے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے۔ وہ عیاشی کے لئے نہیں، اولاد کے لئے لڑکیوں کو خریدتا رہا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ جیسے ہی اسے علم ہوتا کہ لڑکی امید سے ہوگئی ہے' وہ اسے ہلاک کرا دیتا ہوگا؟"

میں نے کہا۔ "اب چونکہ یہ المناک واقعہ موسم سرما میں رونما ہوا ہے۔ چونکہ ندی کا پانی

منجمد تھا' اس لئے وہ اس کام کو جلد انجام نہ دے سکا۔ رنجنا کی لاش ایک قریبی گاؤں کے پاس پائی گئی۔ اس کی لاش ملی' تو اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ امید سے تھی۔"

میری مدلل باتوں نے لکشمی کو قائل کر دیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ اب غریب شوبھا کی شامت آنے والی ہے، وہ بہت معصوم ہے۔"

"ہمیں اب اس بات کی کوشش کرنا ہے کہ شقی القلب سردار کے ہاتھوں اس کی موت واقع نہ ہو۔" میں نے کہا۔

"تم ایک عورت ہو۔ تمہارے سینے میں عورت کے لئے جتنا درد ہو سکتا ہے' وہ کسی اور کے لئے نہیں' اور تمہاری بیٹی شاید اس عمر کی ہوتی۔ تمہارے اندر اس معصوم لڑکی کے لئے ماتا تو ہوگی؟"

"میں کوشش کروں گی کہ اسے ہر قیمت پر بچاؤں' اس کے لئے کوئی نہ کوئی تدبیر کروں گی۔" وہ بولی۔

"اس کے لئے مجھے جان بھی دینا پڑے' تو میں اس سے پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ مجھے خوشی ہوگی، میری زندگی ایک معصوم جان کے کام آ گئی۔"

وہ آج کل اپنے شوہر سے روٹھ کر آئی ہوئی تھی' اور اس کٹیا میں ہمارے پاس ہی رہتی تھی۔

پھر وہ صبح سویرے سے ہی باہر نکل گئی تھی۔ تمام دن غائب رہی، اس کی جھلک تک نظر نہیں آئی۔ رات جب ہم سونے کی تیاری کر رہے تھے، وہ تب واپس آئی۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ تبسم تھا' اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"لکشمی! آج تم سارا دن کہاں غائب رہی؟" میں نے کہا۔

"ہم نے تمہیں تلاش کیا تھا، تمہارے گھر بھی گئے تھے۔"

اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنے لمبے بلاؤز کی آستین سے کسی پودے کے بیج نکال کر میرے سامنے رکھ دیئے۔

"یہ کیا چیز ہے؟" میں نے انہیں دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ میں پہلی بار انہیں دیکھ رہا تھا۔

"یہ ایک عجیب وغریب قسم کا زہر ہے' جو تمہاری دنیا میں ناپید ہوگا، اس کی خاصیت

حیران کن ہے۔'' وہ بولی۔

''کیا زہر بھی عجیب وغریب ہوتا ہے؟''میں مسکرا دیا۔

''زہر......زہر ہوتا ہے۔آخر اس میں ایسی کیا خاصیت ہے؟''

''اس کے کھانے سے آدمی پورے تین دن تک مردہ رہتا ہے۔''اس نے جواب دیا۔

''کوئی بڑے سے بڑا وید اور حکیم بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص زندہ ہے۔ اس کے دل کی حرکت اور نبض تک بظاہر رک جاتی ہے' لیکن درحقیقت وہ زندہ ہوتا ہے۔ یہ زہر جوگی بابا کی دریافت ہے۔انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ اس پودے کو کہاں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ میں نے سارا دن اس کی تلاش میں خاک چھانی۔ یہ پودا نہ ملا۔آخر جوگی بابا کی آتما نے میری مشکل حل کی۔انہوں نے اس کی نشاندہی کی' تو میں لے آئی۔ مجھے کچھ دیر ستانے دو۔میں بہت تھک گئی ہوں۔''

اس نے جو جوگی بابا کی آتما کے بارے میں بتایا،وہ غلط نہ تھا۔یہاں بدروحوں کا مسکن قریب تھا۔اس سے بحث کی اور نہ ہی اس بات کو جھٹلانا چاہتا تھا' لیکن اس زہر کے حصول کا مقصد میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ یہ زہر جدید سائنس کے لئے،جدید طب کے لئے ایک بہترین اور نایاب چیز تھا۔ یہ زہر ایک انقلاب برپا کر سکتا تھا۔مریضوں اور آپریشن میں کام آ سکتا تھا۔شرط بس تحقیق کرنے کی تھی۔ جب وہ ستانے کی غرض سے بستر پر دراز ہوگئی' تو میں نے اس سے دریافت کیا۔

''یہ زہر کیوں لائی ہو لکشمی؟ یہ کس کام کیلئے ہے؟ تمہارے ذہن میں کیا ہے؟''

''یہ زہر میں شوبھا کے لئے لائی ہوں' تا کہ اسے سردار کے ہاتھوں مرنے سے بچایا جا سکے۔''

لکشمی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''گویا تم اسے سردار کے ہاتھوں مرنے سے بچانے کے لئے خود زہر دے کر مار دینا چاہتی ہو۔''میں نے سوال کیا۔

''اسے مارنے کیلئے نہیں' بلکہ ایک نئی زندگی دینے کے لئے یہ زہر لائی ہوں۔''وہ بولی۔

''اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے۔''

''تمہارا فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔''میں نے کہا۔

''زہر دینے کے بعد اسے نئی زندگی کیوں کر ملے گی۔؟''

''میں سمجھاتی ہوں۔''لکشمی کہنے لگی۔

''اس زہر کے ذریعے سے اسے مردہ بنایا جائے گا۔ جب سے بھوت مرُدوں کو شمشان گھاٹ سے لے جانے لگے تھے' تب سے چتا جلانے کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہے۔اب انہیں مسلمانوں کی طرح قبروں میں دفن کیا جانے لگا ہے۔بھوتوں کے لئے قبروں سے لاشیں نکالنا ناممکن ہوتا ہے۔ جب شوبھا یہ زہر کھالے گی' تو مر جائے گی۔اسے دفن کر دیا جائے گا۔تین دن بعد ہم اس کی لاش قبر سے نکالیں گے' تو وہ زندہ حالت میں آجائے گی۔پھر اسے ہم فرار کرا سکتے ہیں۔اس مقصد کیلئے میں نے ایک کشتی دریا کے کنارے والی جھاڑیوں میں چھپا رکھی ہے۔''

''تمہاری تجویز تو بہت اچھی ہے۔''میں عش عش کر اٹھا۔

''لیکن لکشمی اس زہر کا اثر کیا اس کے بچے پر نہ پڑے گا۔ وہ نہیں چاہے گی کہ اس کا بچہ ضائع ہو جائے۔ یہ بات بھی سوچو۔''

''گو کہ یہ زہر آدمی کو تین دن تک موت کی سی حالت میں رکھتا ہے' لیکن اس کے باوجود یہ بے ضرر سی چیز ہے۔''وہ کہنے لگی۔

''جب یہ زہر کھانے والا تین دن کے بعد ہوش میں آتا ہے' اس کے جسم کی کوئی چیز متاثر نہیں ہوتی۔ جوگی بابا نے یہ تجربہ مجھ پر دو مرتبہ کیا تھا' لیکن میری کوئی بھی چیز متاثر نہیں ہوئی۔نظامِ جسم بالکل درست رہا' اور آج بھی ہے۔اگر شوبھا کے ہونے والے بچے کو کوئی نقصان پہنچا' تو اس کی ذمے دار میں ہوں گی۔''

''یہ نہ صرف عجیب وغریب' بلکہ انوکھا اور انمول قسم کا زہر ہے۔''میں نے بیج کو سونگھتے ہوئے کہا۔

''شوبھا کیلئے صرف دو بیج کافی ہوں گے۔''وہ بولی۔

''باقی ماندہ بیج آپ اپنے پاس رکھ لیں' اور اپنے ساتھ لے جائیں۔شاید کوئی کام دے جائیں۔

دوسرے دن ان تمام بیجوں کو پیس کر سفوف بنایا' اور ایک چھوٹی سی پڑیا لکشمی نے اپنے پاس رکھ لی۔ باقی سفوف جو آدھا کلو کے برابر تھا' اسے میں نے اپنے پاس رکھ لیا۔ واقعی یہ

بڑے کام کا زہر تھا۔

اس نے مجھ سے کہا۔ ''اس حویلی میں میری ایک رشتہ دار لڑکی ملازم ہے۔ آج میں اسے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کروں گی۔''

پھر وہ اس وقت کٹیا سے نکل کر چلی گئی۔ جب وہ شام کے وقت لوٹی تو پریشان سی لگ رہی تھی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا' ایسا لگ رہا تھا' جیسے بنا بنایا کھیل بگڑ گیا ہے۔ لینے کے دینے پڑ گئے ہیں۔ میں نے گھبرا کر پوچھا۔

''لکشمی خیریت تو ہے؟ تم اس قدر خوفزدہ کیوں ہو رہی ہو؟ کیا زہر دیتے وقت تمہیں دیکھ لیا گیا تھا؟''

''خیریت بھی ہے اور نہیں بھی؟'' اس نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

''میں نے شوبھا کو اعتماد میں لے کر زہر پلا دیا۔ اس وقت اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، وہ کہہ رہی تھی کہ رات کو نیند نہیں آتی ہے۔ تب میں نے اس سے کہا کہ یہ سفوف دودھ کے ساتھ پی لوگی' تو تمہیں دو دن تک خوب نیند آئے گی۔ سوتی رہو گی۔ اس نے میری بات مان لی' اور اسی وقت اس نے سفوف ملا دودھ پی لیا۔''

''تو پھر اب کیا مسئلہ ہے؟'' میں نے کہا۔

''ڈر اور خوف کی کوئی بات نہیں ہے۔ آخر تم اس قدر پریشان کیوں ہو رہی ہو؟''

''ہاں......ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔'' لکشمی بولی۔

''پہلا کام تو حسب منشا ہو گیا' مگر میں نے اس کام میں عجلت کر کے بڑی غلطی کی۔ میں نے کچھ اور باتوں کے بارے میں سوچا' اور نہ ہی پیش بندی کی۔ ہمیں اس سے قبل اس کے لئے کوئی محفوظ جگہ تلاش کر لینی چاہیے تھی' تا کہ بھوت نہ لے جائیں۔''

مگر تم نے تو بتایا تھا کہ اب مُردوں کو جلانے کے بجائے انہیں دفن کیا جاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اور یہ کہ بھوت قبر سے لاش نکال کر نہیں لے جاتے۔ دو تین برسوں سے چتا جلانے کے بجائے مُردوں کو دفن کیا جا رہا ہے۔''

''لیکن اب دو تین ماہ سے بھوت قبروں سے بھی لاش نکال کر لے جانے لگے ہیں۔'' لکشمی کہنے لگی۔

''یہ بات مجھے آج ہی حویلی میں معلوم ہوئی۔ دربان نے بتائی تھی۔ میں نے دو تین اور لوگوں سے دریافت کیا تھا۔ یہ بات پنڈت جی کے علم میں ہے۔''

''اگر ایسی بات ہے' تو تم بالکل پریشان نہ ہو۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''اب بھی ہمارے پاس کافی وقت ہے، ابھی جا کر انتظام کر لیں گے۔''

''کیا اس وقت شمشان گھاٹ جانے کا ارادہ ہے۔'' لکشمی نے حیرت اور خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔ ''رات کا وقت ہے۔''

''ہاں......'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اس وقت جانے میں ڈر کس بات کا ہے؟ ہم ابھی اور اسی وقت جائیں گے۔''

اصل بات یہ ہے کہ ہمیں وہاں پہنچنے میں بہت دیر ہو جائے گی۔'' لکشمی کہنے لگی۔

''بھوتوں کی وجہ سے ہم بچ کر نہیں آسکیں گے۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی حملہ آور ہو جائیں گے۔ وہ آدم خور بھوت ہیں۔ آج گاؤں میں ایک عورت مر گئی ہے۔ اسے سہ پہر کے وقت دفن کیا گیا ہے۔ بہت سارے بھوت اس کی لاش قبر سے نکالنے اور اسے کھانے کیلئے جمع ہو رہے ہوں گے۔ بہت دنوں کے بعد کوئی مرا ہے۔''

میں نے بہت ساری بھوت پریت اور چڑیلوں کی کہانیاں سنی تھیں۔ تاہم بھوت پریت کا قائل نہ تھا' کہ وہ انسانوں پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ میں نے کبھی ان سے ڈر اور خوف محسوس نہیں کیا تھا۔ یہ بات دل کو نہ لگتی تھی' کہ بھوت انسانی لاش کو قبر سے نکال کر کھا جاتے ہیں۔ پہلے چتا سے اٹھا لیتے تھے، اسے لے جا کر کھا لیتے تھے۔ اصل بات جو بعد میں معلوم ہوئی' وہ یہ تھی کہ مُردے کو پہلے دو آدمی شمشان پہنچا دیتے تھے۔ پھر وہ واپس مرنے والے کے گھر آتے تھے۔ پھر سب لوگ جمع ہو کر شمشان گھاٹ جاتے تو وہاں لاش نہیں ہوتی تھی۔

''میں دیکھوں گا ان بھوتوں کی حقیقت کیا ہے؟'' میں نے بے خوفی سے کہا۔

''آج ان کی اصلیت کا پتا چلاؤں گا۔ میرے خیال میں کوئی بندر قسم کی شے ہو گا۔ وہ کیسا ہی خوفناک اور بن مانس قسم کا کیوں نہ ہو، وہ میری بندوق کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔''

میں نے بندوق کندھے اور اس کی گولیاں جیب میں رکھیں۔ زون کی لکڑی جیب میں ڈالی' جو ٹارچ کا کام دیتی تھی اور پھر میں اکیلا چل پڑا۔ میں نے تنا کا سے چلنے کیلئے نہیں کہا' لیکن وہ چند لمحوں کے بعد لپک کر میرے ساتھ ہو لیا۔ جب ہم گاؤں والے پل پر پہنچے' تو لکشمی

بھی ہانپتی کانپتی ہم سے آملی۔ ہم لوگ خاموشی سے گاؤں کے باہر پنڈت جی کے مکان کی طرف سے ہوتے ہوئے ایک گھاٹی سے گزر کر شمشان گھاٹ کی طرف بڑھے۔ لکشمی بہت خوف زدہ تھی' لیکن تنا کا اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

چاند کی چھٹی یا ساتویں تاریخ تھی۔ وہاں درخت بہت گھنے اور بہ کثرت تھے' ان کے سائے سے شمشان گھاٹ بے حد تاریک ہو رہا تھا۔ آسمان تو آج سہ پہر سے ہی ابر آلود تھا۔ چاند جو کبھی کبھی ان بادلوں کی آغوش میں چلا جاتا تھا' نمودار ہوتا تو اس کی دھیمی دھیمی روشنی قبروں پر پڑ کر نہایت بھیانک سماں پیش کرتی ہے۔ یہ شمشان گھاٹ مسلمانوں کے قبرستان کی طرح لگ رہا تھا۔

اس شمشان گھاٹ کے ایک کونے میں، جہاں درخت قدرے کم اور گھنے تھے' ایک احاطہ بنا ہوا تھا جس کے ایک طرف دو کوٹھریاں تھیں۔ اس نے بتایا کہ یہ شاہی شمشان گھاٹ ہے۔ اس میں کچھ سادھیاں ہیں۔ ہم لوگ اس احاطے میں داخل ہوئے۔ کوٹھریاں کھول کر دیکھیں۔ ایک کوٹھری میں قبر کھودنے کے اوزار اور لکڑی کے تابوت رکھے تھے۔ دوسری کوٹھری میں ایک ایسی چارپائی پڑی تھی' جس پر لاش رکھی جاتی تھی۔ چارپائی والی کوٹھری ہمارے کام کے لئے بہت موزوں تھی۔ لکشمی نے فوراً ہی اس کی صفائی کی' پھر ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ شوبھا کو رات بھر یہیں رکھا جائے گا۔ پھر صبح کے وقت اسے جوگی بابا کی کٹیا لے جائیں گے۔ اس تجویز کو طے کر کے ہم لوگ احاطے سے باہر آئے۔ ہم اس تازہ اور نئی قبر کے قریب پہنچے' جو آج مرنے والی عورت کی تھی۔ ادھر اندھیرا تھا۔ لکشمی نے یک لخت پیچھے سے میرا ہاتھ تھام کر مجھے روک لیا' اور مجھے اپنی طرف کھینچنے لگی۔

اس کی یہ حرکت مجھے ناگوار لگی۔ ''کیا بات ہے؟''

''وہ دیکھو......'' اس نے میرے قریب ہو کر میرے کان میں سرگوشی کی۔

''اس نئی قبر کے پاس کیا چیز ہے؟ کہیں کچھ دکھائی دے رہا ہے؟''

یک لخت چاند بادل کے ٹکڑے کی آغوش سے نکل آیا۔ چاندنی جو ملگجی سی تھی' وہ شاخوں سے چھن کر قبر پر پڑی۔ میں ٹھٹک کے رہ گیا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا' کہ چار پانچ عجیب، ہیبت ناک اور مکروہ شکل وصورت کے آدمی قبر کو پنجوں سے کھود رہے ہیں۔ ان کے پنجے بہت لمبے، مضبوط اور موٹے تھے۔ ایسے پنجے میں نے درندوں کے بھی نہیں دیکھے۔ ان

لوگوں نے ہماری آہٹ سن لی' یا ان میں سے کسی نے ہمیں چاند کی روشنی میں دیکھ لیا تھا۔ تب ہی ان میں سے ایک اپنا کام چھوڑ کر ہماری طرف بڑھنے لگا۔

+++

میں نے فوراً ہی ایک ہاتھ میں بندوق سنبھالی' اور جیب سے زون کی لکڑی نکال کر دوسرے ہاتھ میں تھام لی' پھر اس روشنی میں دیکھا۔ میرے سامنے پانچ' چھ گز کے فاصلے پر ایک بدروح کھڑی تھی' جس کی آنکھیں بے نور' ویران اور ڈراؤنی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے دو گڑھے ہوں' سر کے بال تاروں کی طرح سخت اور کھڑے تھے۔ لمبے' نوکدار دانت ہڈیوں کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے' اور جسم لکڑی کی طرح اکڑا ہوا تھا۔ اپنے استخوانی پنجے پھیلائے ہماری طرف آ رہے تھے۔

میں فطرتاً دلیر واقع ہوا ہوں' مگر یہ ہولناک منظر دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ رگوں میں لہو منجمد ہو گیا' تو زون کی لکڑی میرے ہاتھ سے گر گئی۔ میں اس طرح ساکت و جامد ہو گیا' جیسے مجھ پر کوئی بجلی سی آ گری۔ اس لمحے لکشمی کا ہاتھ فضا میں اونچا ہوا' اس نے کوئی چیز بدروح کی طرف زور سے پھینکی۔ فوراً ہی اس کے اور میرے درمیان سیاہ دھند سی چھا گئی۔

لکشمی نے میرا اور تنا کا بازو تھام لیا' اور تیزی سے گھسیٹتی ہوئی احاطے کی طرف لے گئی۔ مجھے معلوم نہ تھا' کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہم اس کے اشارے پر اندھا دھند دوڑتے ہوئے احاطے میں داخل ہوئے۔ چار پائی والی کوٹھری میں گھستے ہی لکشمی نے دروازہ بند کر لیا' اور اندر سے چٹخنی لگا لی۔ تنا کا اگرچہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا' لیکن اس پر بھی خوف و دہشت نے غشی سی طاری کر دی تھی' اور اس کے اوسان قابو میں نہ تھے۔ میری حالت بھی دگرگوں ہو رہی تھی' لیکن میں نے خود کو کسی طرح سے سنبھالا ہوا تھا۔ میرا سارا جسم پسینے سے بھیگ گیا تھا۔

لیکن لکشمی کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ پورے ہوش و حواس میں تھی۔ یہ حیرت کی بات تھی' جبکہ اس سے پہلے وہ بے حد خوفزدہ تھی' اور ہمارے ساتھ آنے کو تیار نہ تھی' پھر نہ جانے کیا سوچ کر آ گئی تھی' اور پھر وہ نہ جانے کیا چیز تھی' جو اس نے بھوت کے سامنے اچھال دی' جس سے ایسا گہرا اندھیرا ہو گیا تھا' کہ زون کی لکڑی کی روشنی بھی اس کی لپیٹ میں آ گئی۔

اس وقت ہم سب ایسے خوفزدہ تھے' کہ ہم نے آپس میں کوئی بات نہیں کی۔ تاہم میں

نے حواس بحال ہو جانے پر بندوق کا رخ دروازے کی طرف کر دیا' تا کہ اگر وہ بھوت اندر گھس آیا' تو اسے گولی سے اڑا دوں گا' لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ بھوت اور بدروحیں چونکہ غیر مرئی ہوتی ہیں' اس لئے ان پر کسی بھی ہتھیار کا حملہ اثر نہ کرے گا۔ اس کے باوجود میں فائر کرنے کے لئے تیار اور چوکنا تھا۔

تمام رات ہم سب نے اس کوٹھری میں دم سادھ کر وحشت و دہشت' اور خوف کے عالم میں گزاری تھی۔ ہر لمحہ مضطرب اور بے چین رہے تھے' اور ایک دھڑکا لگا تھا کہ بھوت اب آیا کہ اب آیا۔ اس بات کا بھی امکان تھا' کہ سارے بھوت کسی دم دروازہ توڑ کر اندر گھس آئیں گے' کیونکہ ہم تین افراد ہیں۔ وہ ہمارا گوشت خوب سیر ہو کر کھائیں گے۔ ایک ایک لمحہ کسی صدی کی طرح بھاری' اور کربناک تھا۔ گڑگڑا کر صبح ہونے کی بھگوان سے دل میں پرارتھنا کر رہے تھے۔ صبح تھی کہ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

کسی نے ایک لمحے کے لئے بھی آنکھ نہیں جھپکی تھی۔ صبح کی روشنی دروازے کے نیچے سے اندر آئی' تو میں نے دروازہ کھولا۔ پھر کوٹھری سے لرزتے اور سہمے ہوئے باہر نکلے۔ قبر درمیان سے شق تھی۔ اردگرد گیلی مٹی کے تودے لگے تھے' اور لاش کا نام ونشان نہیں تھا۔ خوف و ہراس سے پہلے ہی ہماری زبانیں گنگ ہو رہی تھیں۔ اب قبر کی حالت دیکھ کر رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے۔ میں اور تنا کا ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہ گئے تھے۔

قبر کسی عفریت کی طرح منہ کھولے ہوئے تھی۔ جیسے ابھی ہمیں نگل لے گی۔ بھوتوں کے عجیب وغریب پیروں کے نشان نمناک زمین پر جابجا صاف نظر آ رہے تھے۔ لاش کا بھی ایک نشان تھا' جسے بری طرح زمین پر گھسیٹا گیا تھا۔ اب یہاں ایک لمحہ بھی کھڑا رہنا فضول' اور بے مقصد تھا۔ اگر کوئی رات کا یہ واقعہ ہمیں سناتا' تو میں اس کی بات کا کبھی یقین نہیں کرتا۔ یہ تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا' اور مجھ پر بیتا تھا۔ اس کی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہم شمشان گھاٹ کی وحشت ناک فضا سے نکل کر گھاٹی پر چڑھے۔ ابھی تک میری نظروں میں وہ بھیانک صورت مجھ پر لرزہ طاری کر رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بھوت کسی بھی سمت سے نمودار ہو سکتا ہے' جبکہ لکشمی کہہ رہی تھی' کہ بھوت دن کی روشنی میں نہیں آتے۔

ہم لڑکھڑاتے ہوئے کٹیا کی طرف جا رہے تھے' کہ راستے میں لکشمی کی ایک شناسا عورت مل گئی۔ وہ گوالن تھی۔ سر پر دودھ کا مٹکا رکھے جا رہی تھی۔ اس نے لکشمی سے کہا۔

''دیدی! سنا تم نے......؟ رات سردار کی رانی شوبھا کا دیہانت ہو گیا۔''

+++

کٹیا میں قدم رکھتے ہی تنا کا کسی ٹوٹے ہوئے دروازے کی طرح بے دم ہو کر اپنے بستر پر گر پڑا۔ لکشمی سراسیمہ اور پریشان ضرور تھی' لیکن ہماری طرح دہشت زدہ نہ تھی۔ پھر اس نے چولہے کے پاس جا کر آگ جلائی' اور قہوہ بنا کر لائی۔ پہلے تنا کا کو پلایا' جس سے اس کی حالت قدرے سنبھلی' پھر وہ مجھے اور تنا کا کو دلاسا دینے لگی' کہ اب خطرے والی کوئی بات نہیں ہے' بے فکر ہو جاؤ۔''

''لکشمی! ایک بات تو بتاؤ۔'' میں نے قہوہ پیتے سے ہوئے کہا۔

''ہم لوگ اس بھوت سے کیسے بچے؟ تم نے کیا کیا تھا؟ کیا جادو......؟''

''ہمارے ہاں ایک گھاس پیدا ہوتی ہے' جس کی خاصیت یہ ہے کہ پانی میں بھگونے سے دھند چھا جاتی ہے۔ ہمارے گاؤں کے لوگ ہمیشہ اس گھاس کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ رات کے وقت کوئی موذی سانپ یا جانور آ جائے' تو اس سے اپنا بچاؤ کر سکیں۔ چنانچہ رات جب میں تمہارے ساتھ شمشان گھاٹ جانے لگی' تو مجھے اس کا خیال آیا۔ وہ میرے پاس موجود تھی۔ پھر میں نے تمہارے دواؤں کے بکس سے خالی بوتل نکالی۔ اس میں گھاس اور پانی بھر کے رکھ لیا۔ اس لئے تھوڑی دیر ہو گئی...... ساتھ چلنے میں۔''

رات بھر میں خوف کی وجہ سے سو نہیں سکا۔ بھوت کا خیال آسیب کی طرح میرے اعصاب پر سوار ہو گیا تھا۔ باہر پتا بھی کھڑکتا' تو ایسا محسوس ہوتا' جیسے وہ بھوت آ رہا ہو۔ میری نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ تنا کا بھی جاگ رہا تھا' لیکن لکشمی بڑے سکون سے گہری نیند سو رہی تھی۔ اس نے کہا بھی تھا' کہ بھوت صرف اس رات شمشان گھاٹ آتے ہیں' جب کسی مردے کو دفن کیا جاتا ہے' لیکن پھر بھی اندیشے اور وسوسے کے زہریلے ناگ ہمیں ڈستے رہے تھے۔ صبح کے قریب رات بھر جاگنے کے سبب نیند آ گئی۔

پھر میں دوپہر تک گہری نیند سوتا رہا۔ جب بیدار ہوا' تو طبیعت بہتر تھی' اور اعصاب بھی ہلکے پھلکے ہو گئے تھے۔ دماغ پر کوئی بوجھ نہ تھا۔ تنا کا بھی چونکہ کافی دیر تک سو چکا تھا' اس لئے اب وہ بھی نارمل حالت میں تھا۔ وہ بھی خوف کی حالت سے باہر نکل آیا تھا۔

لکشمی نے مکئی کی موٹی موٹی روٹیاں' شہد ملائی اور گھی لا کر رکھا۔ ہم نے خوب سیر ہو کر

کھایا۔

رات کی مہم بے حد خطرناک تھی۔ جب ہم سو رہے تھے، تو تب لکشمی معلوم کر کے آ گئی تھی کہ شوبھا کو دفنا دیا گیا ہے۔

+++

دن کے ڈوبنے میں کچھ دیر ہی باقی رہ گئی تھی۔ آفتاب کا چراغ ہستی عنقریب گل ہونے والا تھا۔ درختوں کے سائے غیر معمولی لمبے ہو کر سورج کی زرد اور مرجھائی ہوئی کرنوں میں متحرک تھے۔ شام دن کو دبوچنے کے لئے غیر محسوس انداز سے بڑھ رہی تھی۔ موسم بہار کا تھا، لیکن خزاں سے بدتر لگ رہا تھا۔ سارا ماحول بے کراں سناٹے میں ڈوبا ہوا، پُر ہول ہو گیا تھا۔

دن ڈوب گیا، شام کے دُھندلکے رات کی تاریکی کی آغوش میں سما گئے، اور ہمارے حوصلے ان بھوتوں کے تصور سے عجیب ہو رہے تھے، جنہیں ہم نے رات شمشان گھاٹ میں دیکھا تھا۔ جانے کیا بات تھی کہ کوئی پراسرار، نادیدہ ہستی ہمیں قبرستان کی طرف دھکیل رہی تھی۔ اب جبکہ ہم نے اوکھلی میں سر دے دیا تھا، تو خاموش کیوں کر رہتے۔ ایک عجیب سی بات یہ بھی تھی، کہ ہم میں ایک نیا حوصلہ اور عزم پیدا ہو رہا تھا۔ جیسے وہ پراسرار نادیدہ طاقت ہمیں یہ جذبہ عطا کر رہی ہو۔

جب ہم لوگ شمشان گھاٹ کے شاہی احاطے میں داخل ہوئے، تو اس وقت سورج کی آخری دم توڑتی کرن بھی معدوم ہو گئی، اور افق پر گہرے سیاہ بادل چھا گئے۔ اندھیرا گہرا ہونے لگا، تو تنا کا گھبرا کر بولا۔

"رات سر پر آنے والی ہے، یہ بادل نہ ہوتے تو؟"

"یہ بادل ہمارے لئے بہت مفید ہیں۔" لکشمی نے جواب دیا۔

"سورج تو ابھی ڈوبا ہے۔ بادلوں کی وجہ سے رات کا وقت لگ رہا ہے، اس سے پہلے کہ شام اور تاریک ہو جائے، ہمیں شوبھا کو قبر سے نکال لینا چاہئے۔"

میں اور تنا کا کدالیں لے کر قبر کھودنے بڑھے، تو لکشمی بھی ایک کدال لے کر آ گئی۔ پھر ہم تینوں تیزی سے قبر کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ تابوت کو قبر سے نکالنے میں آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ لکشمی نے بھی کسی مرد کی طرح کام کیا تھا۔

"خلافِ توقع یہ کام بہت جلد ہو گیا ہے۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ شوبھا کی لاش کو اسی وقت جوگی بابا کی کٹیا میں پہنچا دینا بہتر ہو گا، کیونکہ یہ کوٹھری زیادہ محفوظ نہیں ہے۔ شمشان گھاٹ میں ہونے کے باعث، بھوت کسی وقت بھی کوئی نیا گل کھلا سکتے ہیں۔ انہیں شوبھا کی موت کا علم ہو گیا ہو گا۔ اس لئے، ہمیں دیر نہیں کرنا چاہئے۔" لکشمی نے کہا۔

لکشمی ایک ذہین اور دُور اندیش عورت تھی۔ اس کا مشورہ بڑا معقول تھا۔ پھر میں نے شوبھا کو کندھے پر ڈال لیا، اور ہم گھاٹی کو عبور کر کے جنگل کی طرف بڑھے۔

ہم بار بار پلٹ کر مختلف سمتوں میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے جا رہے تھے، کہ کہیں بھوت تو اس لاش کی تلاش میں تو نہیں آ رہے، اندھیرے میں ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے وہ ہمارے تعاقب میں آ رہے ہوں۔ جوگی بابا کی کٹیا تک پہنچنے میں کوئی ایک گھنٹہ لگ گیا۔ شوبھا ہلکی پھلکی تو نہیں تھی، لیکن کامیابی کے احساس نے اس کا وزن محسوس ہونے نہیں دیا تھا۔

ہم جیسے ہی جوگی بابا کی کٹیا میں گھسے، تو بارش ہو گئی۔ اگر کہیں راستے میں بادل برس جاتے، تو ایک مصیبت کھڑی ہو جاتی۔ اس کٹیا کا دروازہ آہنی تھا۔ لکشمی نے اس کٹیا کو ایک گھر کی طرح بنایا ہوا تھا۔

لکشمی نے فوراً ہی دروازہ ایک آہنی کھٹکے کے ساتھ اندر سے بند کر دیا۔ میں نے شوبھا کو چٹائی پر لٹا دیا۔ میں جو کپڑوں کا ایک جوڑا لے آیا تھا، میں نے لکشمی سے کہا کہ وہ اسے پہنا دے۔ اس بستی میں مردے کو اسی لباس میں تابوت میں رکھ دیا جاتا تھا، جس لباس میں اُس کی موت واقع ہوتی تھی۔ وہ ساڑھی میں تھی۔ میں اور تنا کا منہ پھیر کر کھڑے ہو گئے۔ لکشمی نے اسے میرا جوڑا پہنا دیا۔ اس کا لباس اچھی طرح تہہ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

ہم اس کامیابی پر مسرور تھے کہ بھوتوں سے پہلے ہم اسے اٹھا لائے تھے۔

لکشمی نے ہنس کر کہا۔

"بھوت وہاں لاش کو نہ پا کر حیران ہوں گے، انہیں یقین نہیں آئے گا۔ وہ یہ سوچیں گے کہ ہم میں سے کسی کی حرکت ہے۔ وہ آپس میں لڑ پڑیں گے، یا پھر اس بھوت کو تلاش کریں گے، جو لاش کو کھا گیا۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس لاش کی تلاش میں ادھر آ نکلیں۔" تنا کا نے خدشہ ظاہر کیا۔

اس کی آواز کانپ کر رہ گئی۔

"ایسا ناممکن ہے۔" لکشمی نے کہا۔

"اس لئے کہ وہ الجھ جائیں گے' کہ لاش کون اور کس لئے لے گیا ہوگا؟ کیونکہ آج تک ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا ہے۔ یہ بھوت خاصی تعداد میں ہیں' اس لئے وہ ایک دوسرے پر شک کریں گے۔ وہ اس بات کو جانتے اور سمجھتے ہوں گے' کہ کوئی شخص لاش کو کیوں اور کس لئے لے جائے گا؟ اور نہ ہی کسی درندے کی حرکت ہوسکتی ہے۔ درندوں کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ قبر کھود کر تابوت باہر نکال لیں۔"

ہم خوف سے بے پروا ہوگئے تھے' لیکن جاگتے رہے' اور باتیں کرتے رہے تھے۔ لکشمی نے کہا کہ ہمیں غافل نہیں ہونا چاہئے۔ اس نے دو تین مرتبہ قہوہ بنایا' اور نمکین کاجو کھانے کے لئے دیئے۔ اس نے بتایا کہ جب انگریزوں نے سری لنکا پر قبضہ کیا تھا' اس وقت اس کا نام سیلون تھا' وہ اس وقت دس برس کی تھی۔ اس علاقے میں ایک دو مرتبہ انگریز بھی آئے تھے' لیکن وہ واپس جا نہ سکے' کیونکہ ان کے گھوڑے گھاٹیوں میں گر گئے تھے' اور وہ سب مر گئے تھے۔ لیکن میرے پتا جی کہتے تھے کہ انہیں آزادی کے سپوتوں نے مار کر گھاٹیوں اور کھائیوں میں پھینک دیا تھا۔ اس کا ایک بھائی اور چچا دونوں انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے امر ہو گئے تھے۔

اس نے بتایا کہ ایک مرتبہ ماتلے گاؤں میں بیساکھی کا میلہ تھا۔ وہاں چھ مسلح انگریز فوجی آئے تھے۔ انہوں نے چھ حسین لڑکیوں کو اغوا کرلیا۔ ان میں وہ بھی شامل تھی۔ رات جب وہ لڑکیوں کے ساتھ جشن منا رہے تھے' تب اس نے' اور دو لڑکیوں نے مل کر بندوقوں میں لگی سنگینوں سے انہیں ہلاک کر دیا تھا۔ وہ شراب کے نشے میں دھت تھے' اس لئے مقابلہ نہ کر سکے۔ وہ لڑکیاں عزت بچا کر بھاگ آئیں۔ لکشمی نے اور بھی قصے سنائے۔ اس طرح رات خیریت سے دھیرے دھیرے کٹ گئی۔ ادھر کوئی بھوت نہ آیا۔

صبح کے وقت ہم نے کاجو اور کافی کے ساتھ ناشتہ کیا۔

جب دن چڑھ آیا' تو اس نے کہا۔

"تم دونوں اپنی رہائش گاہ پر جاؤ۔ میں یہاں شوبھا کے پاس رہوں گی۔ جب تم دونوں رات کے وقت آؤ' تو میرے لئے کھانا لیتے آنا۔"

رات کے آخری پہر تک بادل برستے رہے۔ صبح برسنا بند ہوگئے تھے۔ آسمان پر بادل

کا ایک ٹکڑا تک نہ تھا۔ ہم گھر کی طرف روانہ ہوئے' تو وہ کچھ دور تک ساتھ آئی' تاکہ راستے میں کچھ پھل توڑ لے۔ کٹیا سے ہم چالیس قدم آگے چلے ہوں گے' کہ وہ ایک لخت ٹھٹک کر رک گئی۔

وہ حیرت سے زمین کو اس طرح سے گھورنے لگی' جیسے اسے کسی انجانے خطرے کی بو آئی ہو' ایک جگہ جہاں ڈھلان تھی' وہاں مٹی بہت چکنی اور نرم تھی۔ اس پر بہت سے قدموں کے نشان تھے' جو بے ڈھنگے اور خوفناک تھے۔ ایسا لگ رہا تھا' کہ جیسے وہ کسی لاش کے نشان ہوں۔ میرے جسم پر خوف کی لہر سنسنی بن کر دوڑ گئی۔ تاکا کا چہرہ متغیر سا ہوگیا تھا۔

"یہ پیروں کے نشان...... کسی انسان کے تو نہیں معلوم ہوتے؟" میں نے کہا۔

"کیا یہ کسی درندے کے پیروں کے نشان ہیں؟"

"نہیں......" لکشمی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"شوبھا کی لاش کو تابوت میں رکھ کر قبر میں اتارا گیا تھا' لیکن اس تابوت کا ڈھکن نہیں تھا۔ سردار کے کسی آدمی' نے دفن کرتے سے اس ڈھکن کو رکھ لیا ہوگا' تاکہ وہ کسی کام میں لے آئے۔ شوبھا کے لباس کی بو قبر میں بسی ہوئی تھی۔ ضرور لباس کی بو پر بھوت آئے ہوں گے' مگر بارش کی وجہ سے انہیں وہ بو محسوس نہ ہوئی۔ جب بارش ہوتی ہے' تو فضا میں مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اور چائے کے باغات کی بھی خوشبو پھیل جاتی ہے' تب وہ شاید کسی اور سمت چلے گئے ہوں گے۔"

"اب کیا کیا جائے......؟" میں نے مضطرب ہو کر کہا۔

"آج شام بارش نہیں ہوئی' تو بھوت ادھر کا رخ کریں گے۔"

"ہاں...... یہ بات تو ہے؟" لکشمی نے سر ہلا دیا' اور سوچ میں پڑ گئی۔ دوسرے لمحے اس کا چہرہ دمک اٹھا۔

"ان اونچے پہاڑوں میں ایک غار موجود ہے' کبھی کبھی جوگی بابا وہاں جا کر تین تین دن پوجا پاٹ کرتے تھے۔ یہ غار نہ صرف بہت بڑا' بلکہ محفوظ بھی ہے۔ جوگی بابا نے مجھے وہ غار دکھایا تھا۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں داخل ہو کر اس کے چھوٹے سے دہانے پر پتھر چن دیئے جائیں' تو اسے باہر سے کوئی ہٹا نہیں سکتا' اور نہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی غار کا دہانہ ہے۔ اس لئے آج شوبھا کو سر شام ہی پہنچا دیا جائے' تو بہتر ہوگا۔"

"وہ غار یہاں سے کتنے فاصلے پر ہوگا؟" میں نے دریافت کیا۔

"وہ یہاں سے کوس بھر کے فاصلے پر ہوگا۔" لکشمی نے جواب دیا۔

"تم ابھی چل کر وہ غار دیکھ لو تا کہ تمہیں کچھ اندازہ ہو جائے۔"

"چلو......" میں نے کہا۔

"یہ کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔"

"ضرور......" وہ بولی۔

"ایک منٹ ٹھہرو......" اتنا کہہ کر وہ کٹیا کی طرف دوڑی۔ اس کا دروازہ مقفل کر کے آئی' اور آگے چل دی۔

جنگل کے کناروں پر گھومتے ہوئے ہم لوگ پہاڑ کے دامن میں پہنچے۔ یہ زمین سنگلاخ اور راستہ ناہموار تھا' لیکن ہم رُکے نہیں' بالآخر اس غار تک جا ہی پہنچے۔ تنا کا' میں اور لکشمی اس غار کے سامنے کی جھاڑیوں کو ہٹا کر اندر گھس گئے۔

لکشمی نے غلط نہیں کہا تھا۔ یہ غار ہر لحاظ سے محفوظ تھا۔ اس کی خاصیت یہ تھی کہ اندر سے وسیع اور صاف ستھرا تھا۔ ایک طرف بڑی بڑی تراشیدہ سلیں تھیں' جو غار کا منہ بند کرنے کے لئے بہت موزوں تھیں۔ غار اندر سے اس قدر لمبا تھا' کہ اس کا دوسرا سرا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

"لکشمی!" میں نے اس سے سوال کیا۔

"کیا تم بتا سکتی ہو کہ یہ غار کہاں ختم ہوتا ہے؟ کبھی تم نے جائزہ لیا؟"

"نہیں......" لکشمی نے لاعلمی ظاہر کی۔

"اس لئے کہ اس کی ضرورت میں نے محسوس نہیں کی' اور نہ جوگی بابا نے بتایا۔"

ایک تجسس سا پیدا ہوا۔ اس لئے میں اور تنا کا زون کی لکڑی ہاتھ میں پکڑے غار کا معائنہ کرنے لگے۔

تقریباً دو فرلانگ چلنے کے بعد راستہ اتنا چھوٹا ہو گیا کہ ہمیں جھک کر چلنا پڑا۔ کیڑوں کی طرح۔ ہمیں سامنے سے کسی زمین دوز آبشار کے گرنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ ہماری پنڈلیوں تک پانی آ پہنچا تھا۔ آگے پانی کے گہرا ہونے کا خطرہ تھا' تاہم ہمیں اطمینان ہو گیا کہ اس طرف سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ بھوت ادھر سے نہیں آ سکتے۔ پھر ہم واپس

آ گئے۔ لکشمی کو شوبھا کے پاس چھوڑ کر اپنی اقامت گاہ پر آ گئے۔ اس وقت جھونپڑی میں سردار کا ملازم آیا' اور ناشتہ رکھ کر چلا گیا۔ آج ناشتہ بہت دیر سے آیا تھا۔

میں نہایا' کیونکہ کپڑے اور پیر بہت گندے ہو رہے تھے۔ کپڑے تبدیل کئے۔ اس وقت بھوک چمک اٹھی۔ پھر ناشتہ کر کے سردار کے پاس جھوٹی تعزیت کو گیا۔ سردار شوبھا کی موت سے بہت زیادہ افسردہ تھا۔ اس کی افسردگی کی وجہ شوبھا کی اچانک موت نہیں تھی' بلکہ اسے یہ غم ہو رہا تھا' کہ اتنی حسین لڑکی آج تک اس کی زندگی میں نہیں آئی تھی۔ یہ سچ بھی تھا۔ شوبھا جیسی حسین لڑکیاں بہت کم ہوتی ہیں۔

اس کا ایک ملازم خاص اسے دلاسا دے رہا تھا کہ۔ "سردار! اس کی موت کا غم نہ کرو۔ کچھ دنوں میں سوداگر وہ حسین لڑکیاں لے کر آنے والا ہے' تم دونوں کو خرید کر پتنی بنا لینا۔"

وہاں لکشمی کا شوہر موجود نہیں تھا۔ سردار نے بہت بہت شکریہ ادا کیا' کہ میں نے اس کی دلجوئی کی اور پُرسہ دیا۔

جب واپس آیا' تو اس وقت دوپہر کا کھانا بھی آ گیا۔ میں نے اور تنا کا نے کھانا کھایا۔ جو کھانا بچ گیا' اسے تنا کا نے رات کیلئے اٹھا کر رکھ لیا' تا کہ لکشمی کے لئے لے جایا جا سکے۔ رات کا کھانا دن ڈوبنے سے پہلے ہی سردار کے ہاں سے آ جاتا تھا۔ میں کھانا کھا کر سو گیا۔

+++

میں سہ پہر کے ڈھلنے کے بعد بیدار ہوا۔ ضروری سامان کا انتظام کر کے میں اور تنا کا دن ڈوبنے کا انتظار کرنے لگے۔ دن ڈوبنے لگا تھا کہ سردار کے ہاں سے رات کا کھانا آ گیا' وہ ساتھ لے لیا۔ دن ڈوب گیا' ہم اسی وقت نکل کھڑے ہوئے۔

جب شام کا پہلا ستارہ آسمان کے سینے پر نمودار ہو چکا' تو ہم جوگی بابا کی کٹیا تک جا پہنچے تھے۔ لکشمی انتظار کر رہی تھی۔ لکشمی نے سامان خورد ونوش سنبھالا۔ میں اور تنا کا......شوبھا کو باری باری کندھے پر اٹھائے غار کی طرف روانہ ہوئے' اور نہایت پھرتی سے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے لکشمی کے ساتھ غار پر جا پہنچے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تاریکی بڑھتے ہی بھوت لاش کی تلاش میں نکل پڑیں۔ انہوں نے پتا چلا لیا ہوگا' کہ لاش ان کے کسی ساتھی' اور نہ ہی کس درندے نے ہڑپ کی ہے۔ انہیں شوبھا کے کپڑوں کی بُو لا سکتی تھی۔

غار بہت تاریک تھا' جسے زون کی بہت ساری ٹہنیوں سے روشن کرنا پڑا۔ یہ ٹہنیاں لکشمی

ساتھ لے کر نکلی تھی۔ پھر ہم نے غار کا دہانہ سلوں سے بند کر کے اطمینان سے کھانا کھایا۔ اس کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ہم تینوں رات کو باری باری جاگ کر شوبھا کی حفاظت کریں گے۔ پہلے تین گھنٹے تنا کا کی باری تھی۔ اس لئے میں اور لکشمی گہری نیند سو گئے۔ اس کے بعد لکشمی' پھر میری باری تھی۔

ہمیں سوئے ہوئے کوئی ایک گھنٹہ گزرا ہوگا' مجھے نیند کی حالت میں یک لخت جگر خراش چیخ سنائی دی۔ میں اور لکشمی ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ میں نے دیکھا تنا کا بیہوش پڑا ہوا ہے۔ پہلے یہ خیال آیا کہ شاید اسے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہوگا۔ میں دیکھنے کیلئے اس پر جھکا ہی تھا کہ لکشمی بری طرح چیخنے لگی۔ میں نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ وہ اس طرح کانپ رہی تھی' جیسے ملیریا کا مریض جاڑے سے کانپتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے دہشت جھانک رہی تھی۔

''کیا بات ہے لکشمی......؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''تم چیخ کیوں رہی ہو؟ آخر ہوا کیا ہے؟''

''وہ دیکھو......'' اس نے غار کے اندرونی حصے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ پھر وہ مسلسل بے تحاشہ چیخنے لگی۔

''ہوشیار......خبردار......''

میں نے برق سرعت سے پلٹ کر دیکھا۔ اوہ بھگوان! ایک پل کے ہزارویں حصے میں یہ خیال آیا کہ میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن دوسرے لمحے یہ خیال دل سے نکالنا پڑا۔ یہ کوئی بھیانک خواب نہیں تھا۔ خواب بھی اتنے بھیانک نہیں ہوتے ہیں' جتنی یہ حقیقت تھی۔ ایسا جگر پاش اور خوں آشام نظارہ میری نظروں کے سامنے تھا' کہ خوف سے مجھ پر بجلی سی آ گری۔ انتہائی دہشت سے میرے ہاتھ پیر مفلوج ہو کر رہ گئے۔ نہ صرف گلا' بلکہ رگوں میں خون تک منجمد ہو گیا۔ میں پل بھر کے لئے ساکت و جامد ہو کر رہ گیا۔ میں نے دیکھا......

چار پانچ بدروحیں' جن کی شکلیں مسخ شدہ اور بے حد ڈراؤنی تھیں' غار کے اندرونی حصے سے نکل کر ہماری طرف بڑے جارحانہ انداز سے اس طرح آ رہی تھیں' جیسے وہ ہمیں ہڑپ کر جائیں گی' خون پی جائیں گی ہمارا۔

لکشمی کی چیخیں اب بند ہو چکی تھیں۔ وہ بے حس و حرکت پڑی تھی۔ وہ خوف و دہشت سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ میں نے اپنی ساری طاقت جمع کی' اور اپنے اوسان قابو میں کئے' اور کسی نہ کسی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے مرتعش ہاتھوں سے بندوق اٹھائی' اور اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ وہ موت کے فرشتوں کی طرح میری طرف بڑھ رہے تھے' اور موت جیسے ناچ رہی تھی' ہنس رہی تھی۔ استہزائیہ انداز سے جیسے کہہ رہی تھی' کہ تم میرے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتے؟ تمہیں جان سے مارنے کے بعد تمہارا خون پی جائیں گے۔ تمہارا گوشت مزے لے لے کر کھائیں گے۔ اس احساس نے میرے ہاتھوں کو لرزا دیا۔ میں نے اس بدروح کا نشانہ لیا' جو سب سے آگے تھی۔ اس کی پیشانی کی طرف شست باندھ کر لبلبی دبا دی۔

ہاتھوں میں کپکپاہٹ ہونے کے باوجود گولی ٹھیک نشانے پر بیٹھی۔ اس بدروح کا آدھا سر بھک سے اڑ گیا' مگر وہ بدستور آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر دوسری گولی داغی' باقی ماندہ سر بھی اڑ گیا' وہ اور دوسری بدروحیں قریب آ گئیں۔

میری آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں۔ بڑھتی ہوئی مایوسی اور بے بسی نے میرے دل کو دہلا دیا تھا' وہ بیٹھا جا رہا تھا۔ مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا دشوار لگ رہا تھا۔ بندوق کو لوڈ کرنا فضول تھا' اور نہ ہی میرے پاس اتنا وقت تھا۔ اس وقت آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ تاریکیوں میں ڈوبتے وقت مجھے بس اتنا یاد رہا کہ کوئی ٹھنڈی ٹھنڈی سخت چیز میرے بدن سے مس ہوئی ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا' کچھ ہوش نہ رہا۔

+++

جب میری آنکھ کھلی' تو میں نے دیکھا کہ میں اور تنا کا ایک بڑے وسیع ہال میں ایک بڑی چٹائی پر برابر برابر لیٹے ہوئے ہیں۔ ایک حیران کن بات یہ تھی کہ تنا کا کے سر کے بال دودھ کی طرح سفید ہو چکے تھے۔ ان بالوں سے وہ دو سو برس کا معلوم ہوتا تھا۔ وہ ابھی غشی کی حالت میں تھا۔ کمرے میں زون کی روشنی ہو رہی تھی۔ ایک بڑے سے دائرے کی صورت میں دھیمی دھیمی آگ روشن تھی' اور اس آگ کی تپش مجھے محسوس ہو رہی تھی۔

+++

اس دائرے کے درمیان ایک پلنگ بچھا ہوا تھا' جس پر ایک لڑکے کی لاش پڑی تھی۔ یہ لاش تازہ معلوم ہوتی تھی، لاش کے قریب ایک سفید ریش بوڑھا آدمی ٹکٹکی باندھے کھڑا تھا۔اس لاش کو دیکھ کر مجھے غار والا منظر یاد آ گیا۔میرے جسم میں جھرجھری سی پیدا ہوئی، ایک کپکپاتی ہوئی چیخ نما آہ میرے منہ سے نکل گئی۔

میری آواز پر وہ بوڑھا آہستہ آہستہ سے میری طرف پلٹا' پھر آگ کا دائرہ پھاند کر میرے قریب آیا۔میں خوف زدہ سا ہوگیا۔میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر ہذیانی لہجے میں کہا۔"بدروحوں کے مہاراج......!ہم پر رحم کرو......دیا کرو......"

"خوف نہ کرو۔"اس نے بڑے نرم لہجے میں مجھے دلاسا دیا۔

"میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں،تم بالکل محفوظ جگہ پر ہو۔"

اس کا انداز ایسا تھا کہ جس سے میرے دل کا خوف قدرے کم ہوا' اور ڈھارس سی بندھی' یہ جان کر کہ وہ بدروح نہیں ہے۔میں نے سکون اور اطمینان کا سانس لیا۔میں نے اسے خوامخواہ بھوتوں کا سردار سمجھ لیا تھا' پھر وہ مجھے چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔چند لمحوں کے بعد آیا' تو اس کے ہاتھ میں دودھ سے بھرا ایک بڑا گلاس تھا،اس نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا' اور گلاس منہ سے لگا دیا،دودھ پیتے ہی میری ساری کمزوری دور ہوگئی' اور توانائی سی آگئی' اور میں قریبی ستون کے سہارے بیٹھ گیا۔

وہ بوڑھا میرے پاس آ کر بیٹھ گیا اور بولا۔"کرشنا سوامی!"

میں اس کی زبان سے اپنا نام سن کر حیران ہوا' کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کیلئے اجنبی تھے۔میری اس سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ وہ کہنے لگا۔"حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے، میں لکشمی کی زبانی تمہارا نام اور وہ سارا قصہ سن چکا ہوں' جس کی وجہ سے تم مصیبتوں میں مبتلا

ہوئے ہو۔ یہ جگہ ناتھن نگر کا قدیم گاؤں ہے' جہاں تم اس وقت بیٹھے ہو۔ یہ ناتھن نگر کا قلعہ ہے۔آج سے پچاس برس پیشتر میں اس علاقے کا حاکم تھا، مجھے شکار کا جنون کی حد تک شوق تھا، دو تین دن بعد میں ایک بار میں شکار کیلئے ضرور جاتا تھا۔ایک دفعہ شکار کے موقع پر جب میں گھوڑے پر سوار تھا' اور ایک گہرے کھڈ کے کنارے سے گزر رہا تھا' تو ایک ملازم نے مجھے دھکا دے کر کھڈ میں گرا دیا۔کئی دن بعد جب میں ہوش میں آیا' تو خود کو ایک سادھو کی کٹیا میں پایا۔اس نے بتایا کہ میں کھڈ میں گرنے کے باوجود اس لئے زندہ بچ گیا کہ وہاں تالاب تھا' جس پر گھاس اُگی ہوئی تھی۔وہ نظر نہیں آئی تھی، میں گھوڑے سے اچھل کر اس تالاب میں جا گرا تھا،لیکن گھوڑا نوکیلے پتھروں سے ٹکرا کر مر گیا۔میں زندہ بچ جانے کے باوجود کچھ عرصے تک صاحب فراش رہا۔اس نے میری تیمارداری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ میں اس کی سیوا کبھی نہیں بھول سکتا' کیونکہ اس کی کوششوں سے مجھے نئی زندگی ملی۔

جب میں مکمل طور پر صحت یاب ہوگیا' تو سادھو کے ذریعے مجھے بہت ساری باتوں کا علم ہوا۔ میرا چھوٹا بھائی' میرے لڑکے کے زمانہ بالغی تک یہاں کا حاکم قرار پایا۔ میرے چھوٹے بھائی نے میری بابت مشہور کر دیا کہ میں مرنے کے بعد بھوت بن گیا ہوں' میری روح بھوت کی صورت میں راتوں کو منڈلاتی رہتی ہے۔میری لاش نہ ملنے کی وجہ سے اسے اندیشہ تھا' کہ میں کسی دن لوٹ کر نہ آ جاؤں۔ مجھے اپنے بھائی سے بے انتہا محبت تھی' لیکن میں خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا' کہ وہ اتنا شقی القلب ہے، اس بات سے مجھے سخت صدمہ ہوا، میرا دل ٹوٹ گیا۔

میں راج پاٹ کا ارادہ ترک کر کے سادھو کے پاس رہنے لگا۔ یہ سادھو ایک زبردست عامل تھے،وہ کسی مسلمان عامل کا بیس برس تک شاگرد رہا تھا،اس سے بہت کچھ سیکھا تھا۔اس کے علاوہ اسے علم طب میں بھی کمال حاصل تھا۔اس کی ہم نشینی میں مجھے بھی ان علوم وفنون کو سیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس کی شاگردی میں رہ کر چند برسوں کے عرصے تک میں بھی زبردست عامل بن گیا۔میری ظاہری موت سے تیرہ برس بعد میرے بھائی کا دیہانت ہوگیا۔ اس وقت میرے لڑکے کی عمر چودہ برس کی تھی' اور میرے بھائی کا لڑکا بیس برس کا تھا، یہ لڑکا اپنے باپ سے بھی زیادہ سنگدل ثابت ہوا۔اس نے میرے بیٹے کو موت سے ہمکنار کر دیا' جب اس کے ماموں نے ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھائی' تو اس نے انہیں موت کے گھاٹ

اتار دیا۔ اس خبر سے میری دنیا اندھیر ہوگئی۔ میں بتا نہیں سکتا کہ میرے دل کو کس قدر صدمہ اور اذیت ہوئی۔ میرا ایک ہی تو بیٹا تھا۔ میں چاہتا تو اس سے بآسانی انتقام لے سکتا تھا' اسے بھی موت کی نیند سلا دیتا' لیکن میں نے اسے نقصان پہنچانا پسند نہ کیا' کیونکہ سادھو کہتا تھا کہ جو لوگ کسی کو نقصان پہنچاتے ہیں، وہ کبھی ایشور کے عتاب سے بچ نہیں سکتے۔ ایشور انہیں ایسی عبرتناک اور بھیانک سزا دیتا ہے کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس طرح سے سادھو نے ہی میرا غصہ سرد کیا تھا' اور مجھے انتقام لینے سے باز رکھا تھا' ورنہ میں ہر صورت میں اپنے بیٹے کے قاتل کو کیفرکردار تک پہنچا کر انتقام کی آگ بجھانا چاہتا تھا۔

سادھو نے ایک دن مجھے بتایا کہ کچھ ایسے جادو منتر ہیں' جن سے لاشوں کو دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے۔ ماضی میں ایسا ہوتا رہا ہے۔ اس کے گرو مہاراج نے کچھ سکھایا تھا' چونکہ اس کی زندگی نے وفا نہیں کی تھی' اس لئے وہ سب کچھ ادھورہ گیا' لیکن کوشش کی جائے تو ایسا ممکن ہے، میرے بیٹے کی موت سے قبل ہی ہم نے لاشوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش شروع کی ہوئی تھی۔ بیٹے کے قاتل سے انتقام نہ لینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سادھو نے کہا تھا کہ ہم اسے دوبارہ زندہ کر سکتے ہیں' جب وہ زندہ ہو جائے گا' تب وہ خود ہی اپنے قاتل سے انتقام لے لے گا' چنانچہ اپنے بیٹے کی لاش کو قبر سے نکال لایا۔ ان دنوں لاشوں کو چتا کی نذر کیا جاتا تھا۔ اسے اس لئے جلایا نہیں گیا تھا کہ اس کے حامی سردار کے دشمن نہ ہو جائیں' اس نے ایک نامعلوم جگہ پر قبر کھود کر اسے دفن کر دیا۔ اس نے یہ کام بڑی راز داری اور احتیاط سے کیا تھا' اور یہ خبر مشہور کر دی تھی کہ وہ کسی بدچلن لڑکی کے ساتھ بھاگ گیا ہے۔ اس کے حامیوں نے سردار کی بات کا یقین نہیں کیا' کیونکہ اس وقت اس کی عمر ہی کیا تھی، اس کے قتل کا راز افشاء ہوگیا۔ یہ لاش جو سامنے پلنگ پر پڑی ہے، میرے لڑکے کی ہے۔ یہ چالیس برس پرانی لاش ہے۔ تمہیں شاید اس بات کا یقین نہیں آئے گا' کیونکہ تمہیں اسے دیکھ کر یوں لگ رہا ہوگا' جیسے اسے مرے صرف چند گھنٹے ہوئے ہیں۔

آخر کار کئی برسوں کی انتھک جدوجہد اور تگ و دو کے بعد ہمیں صرف اتنی قدرت حاصل ہوئی' کہ ہم لوگ مردہ لاشوں سے اپنی دماغی قوت کے مطابق کام لینے لگے۔ یہ ایسی زبردست کامیابی تھی' جس کی کوئی توقع نہیں تھی، سادھو بہت ہی پہنچا ہوا تھا، ایسا ذہین آدمی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ ہم جس کام کا خیال کرتے اور جن لاشوں کو طلب کرتے،

وہ فوراً ہی حاضر ہو جاتیں' اور ہمارے عمل کے زور سے وہ کام انجام دینے لگتیں' جو ہم چاہتے تھے۔ مثلاً ہم نے ان سے کہا کہ کولمبو شہر کی کسی گھر سے ایسی لاش لے آؤ' جس نے اس سنسار سے ابھی نجات پائی ہو، وہ لاش پل بھر میں آجاتی تھی۔

لیکن ہم تو کچھ اور چاہتے تھے، اس سے بہت آگے جانا چاہتے تھے۔ ہم یہ چاہتے تھے کہ لاشوں میں اصلی روحیں ڈال کر انہیں زندہ کیا جائے' اس لئے ہم نے اپنا عمل باقاعدہ جاری رکھا، مایوس نہیں ہوئے' کیونکہ کامیابی کے امکانات بہت زیادہ تھے۔

جب کبھی گاؤں میں کوئی مر جاتا' تو اس کی اطلاع فوراً ہو جاتی۔ جب اس کی لاش جلانے کیلئے شمشان گھاٹ لائی جاتی' اور اسے چتا پر لٹا کر لوگ چلے جاتے تاکہ گاؤں والوں کے سامنے اسے جلایا جائے' تب ہم اپنے تخیل کے ذریعے ان خدمت گار لاشوں کو حکم دیتے' اور مردے کو گھر یا چتا سے ہمارے پاس لے آتیں۔ ابتداء میں جن لاشوں کو ہم نے معمول بنایا' ان میں زیادہ تر میرے بیٹے کے حامیوں کی لاشیں تھیں' وقت کے ساتھ ساتھ ان لاشوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ سردار انہیں ذرا سی بات پر قتل کر دیتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک بھی حامی زندہ نہ رہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے خلاف بھڑکا کر لوگوں کو بغاوت پر اکسایا جائے۔ جب ان لاشوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی' تو ایک مسئلہ آن کھڑا ہوا، ان کی رہائش اور اپنے عمل کیلئے ہمیں کسی وسیع عمارت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کوئی جگہ ایسی نہیں تھی' جہاں انہیں رکھا جا سکے، کچھ دنوں کے سوچ بچار کے بعد میرے ذہن میں ایک تدابیر آئی' جسے سن کر سادھو حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا۔

ذہن میں جو تدبیر آئی، وہ یہ تھی کہ ان لاشوں کو سہ پہر کے بعد سے دن ڈوبنے تک ناتھن نگر کے گلی کوچوں میں کھلم کھلا پھرنے کا حکم دیا جائے' تاکہ لوگ ڈر کر گاؤں خالی کر دیں چنانچہ ان لاشوں کو ہم نے اپنی قوت کے ذریعے وہاں جانے کا حکم دیا۔ وہ بلا دھڑک گاؤں میں داخل ہوگئیں۔ ہم نے ان سے کہا تھا کہ وہاں کسی کو ہاتھ نہ لگائیں' صرف گشت کریں۔ جب گاؤں کے لوگوں نے ان لاشوں کو دیکھا' تو ان کے اوسان خطا ہوگئے، کئی لوگ خوف و دہشت سے مر گئے اور کئی اپنے مکانوں میں چھپ گئے۔

سردار نے جب چیخیں سن کر حویلی سے باہر آ کر ان لاشوں کو دیکھا' تو وہ غش کھا گیا۔ ساری رات خوف و دہشت سے کانپتا رہا۔ اس نے اپنے ملازمین سے کہا کہ صبح ہوتے

ہی یہ حویلی خالی کرنی ہے' لہٰذا مال اسباب باندھ لیا جائے۔

پھر صبح ہوتے ہی سردار کے ساتھ ساتھ سارا گاؤں نقل مکانی کر گیا۔ ایک درے کو جو یہاں سے قریب ہے، عبور کر کے دوسری طرف آباد ہو گیا۔ یہاں تھوڑی بہت آبادی تھی۔ ایک حویلی بھی تھی، یہ حویلی دو سو برس قبل ایک ہندو مہاراجا کی تھی، دیکھنے میں یہ حویلی قلعہ نما معلوم ہوتی ہے۔ اس میں میں ایک چھوٹا سا کنبہ آباد تھا۔ اسے نکال باہر کیا' پھر اس نے درے کو ایک نہایت بلند سنگی دیوار بنا کر بند دیا۔

اس طرح میں نے اپنا آبائی قلعہ اور گاؤں اس سے واپس لے لیا۔ جب یہ لوگ یہاں سے بھاگ گئے' تو ہمیں اپنے عمل کیلئے نئی لاشوں کو حاصل کرنے میں بہت دقت ہونے لگی' کیونکہ لاشوں کی تدفین کی جانے لگی تھی۔ لاشیں گو ہر جگہ جا سکتی تھیں' لیکن اس علاقے میں جا کر قبر کھود کر لاش نکالنا' ان لاشوں کے لئے ایک مسئلہ تھا۔ وہ کھدال اور پھاوڑے کا استعمال نہیں کر سکتے تھے' کیونکہ مرنے کے بعد ان کے ہاتھوں کی ساخت کچھ عجیب ہو جاتی تھی' وہ اس قابل نہیں رہتے تھے کہ کسی ڈنڈے، پھاوڑے یا کدال کو پکڑ سکیں' البتہ وہ زمین کھود سکتے تھے۔ ہمیں اپنے لاشوں کے حصول کیلئے بڑی دشواری اور دقت ہونے لگی' لیکن بہت جلد ہم نے ایک ایسا راستہ تلاش کر لیا' جو پایاب ندی، زمین دوز منبع کے قریب سے ہوتا ہوا' ایک وسیع غار میں کھلتا تھا۔ نئے ناتھن نگر کا شمشان اس جگہ سے صرف میل بھر کے فاصلے پر تھا' جس سے ہمارے کام میں بہت سہولت ہو گئی تھی، ہم لوگ اس خفیہ راہ سے ان لاشوں کو قبرستان میں بھیج دیتے' اور وہ نئی قبر سے مردوں کو نکال کر لانے لگے۔

اب وہ میرا گرو سادھو مر چکا ہے۔ دنیا میں میری صرف یہی آرزو ہے کہ انسان کی فرار شدہ روحیں دوبارہ تن خاکی میں داخل کرنے میں کامیابی حاصل کروں' تاکہ اپنی زندگی ختم ہونے سے پہلے ایک بار اپنے لڑکے کو زندہ دیکھ سکوں، یہ کام اتنا آسان نہیں ہے' صرف ایشور، بھگوان یا اوتار ہی کر سکتا تھا۔ میں ان کی جگہ نہیں لے سکتا' چونکہ سفلی علوم اور کالا جادو کے ذریعے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے برسوں کی لگاتار کوششوں کے باوجود مجھے ذرا برابر بھی کامیابی نصیب نہیں ہوئی' لیکن میں نے امید کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا، میں ہمت ہارنے والا نہیں تھا۔ میں جس بات کا ایک بار تہیہ کر لیتا تھا، اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا تھا' کہ جب تک اسے پایہ تکمیل تک نہ پہنچا دیتا۔

پرسوں یہ لاشیں، قبر کھود کر ایک تابوت لائی ہیں، تابوت میں صرف شاہی خاندان کے لوگ دفن کئے جاتے تھے یا پھر وہ لوگ جو اس کی استطاعت رکھتے تھے۔ جب تابوت لایا گیا' تو میرا دل دھڑکنے لگا، میں نے ایک لمحے کیلئے سوچا کہ کہیں یہ لاش سردار کی تو نہیں ہے' لیکن جب میں نے تابوت کا ڈھکنا اٹھایا' تو تابوت خالی پڑا میرا منہ چڑا رہا تھا، ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

میں حیران ہو کر سوچنے لگا کہ لاش کہاں جا سکتی ہے؟ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ کوئی لاش قبر سے چوری کر کے لے گیا ہو، یہ کسی درندے کی حرکت نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے یہ معمہ حل کرنے کی جستجو ہوئی' دوسری طرف غصہ بھی آیا کہ اگر اس طرح مردے غائب ہوتے رہے تو پھر میری برسوں کی محنت اکارت جائے گی، میں اپنا عمل جاری نہ رکھ سکوں گا' اس لئے میں نے لاشوں کو حکم دیا کہ، جسے تابوت میں دفن کیا گیا تھا' وہ جہاں کہیں بھی ہو، اسے لے کر آؤ اور اس کام میں کوئی مزاحمت کرے تو اسے بھی اٹھا لاؤ' لیکن اسے کوئی جانی نقصان نہیں پہنچانا۔

چنانچہ جب تم لوگ غار میں پناہ گزیں تھے' تو یہ لاشیں شوبھا کی تلاش میں ناتھن نگر جانے کیلئے اس غار سے گزریں' پھر وہ تمہیں' تمہارے ملازم تنا کا' لکشمی اور شوبھا کو بھی اٹھا لائیں۔ شوبھا چونکہ اس وقت دوا کے زیر اثر بے ہوش تھی' اس لئے اس نے لاشوں کو نہیں دیکھا' اور نہ ہی اسے ان لاشوں کا کوئی علم ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تم لوگ اسے اٹھا کر یہاں لائے ہو، میں نے اسے ایک ایسے کمرے میں رکھا ہے' جو نہایت آرام دہ ہے اور یہاں لاشوں کا گزر نہیں۔ وہ اس وقت ہوش میں آ چکی ہے' لیکن تین دن کی مسلسل بے ہوشی نے اس پر نقاہت طاری کر دی ہے، میں نے اسے دودھ اور انڈے کھلا دیئے ہیں' پھر اسے اناس کا جوس بھی دوں گا' جلد ہی اس کی حالت سنبھل جائے گی۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ تنا کا کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ ہم دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئے، وہ ہوش میں آ چکا تھا' لیکن اس کی حالت تسلی بخش نہ تھی۔ میں پریشان سا ہو گیا' اس لئے کہ وہ بڑی بے چینی سے سر کو اِدھر اُدھر پٹخ رہا تھا' جیسے اسے قرار نہ آ رہا ہو۔ مجھے دیکھ کر وہ اتنا خوف زدہ ہوا کہ اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکلنے لگیں، چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔ میں حیران تھا کہ معاملہ کیا ہے' جبکہ کمرے میں کوئی لاش بھی موجود نہ تھی۔

"تنا کا! کیا بات ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو رہے ہو، ہم سب خیریت سے ہیں۔ خطرے کی کوئی بات نہیں' یہاں لاشیں نہیں ہیں۔"

"مالک! یہ آپ کے بالوں کو کیا ہوا......؟"

اس نے میرے سر کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ چاندی کے تار کی طرح ہو رہے ہیں؟"

"یہ اس لئے سفید ہو گئے ہیں کہ رات والا صدمہ ہم برداشت نہ کر سکے تھے۔" میں نے کہا۔ "بعد میں ٹھیک ہو جائیں گے۔"

پھر میں نے اس کا تعارف شنکر داس سے کرایا' پھر اسے سارا قصہ سنا کر اسے بھوتوں کی اصلیت سے آگاہ کیا۔

شنکر داس اپنے قلعے کے ایک گوشے میں لے گیا' جہاں ایک نہایت آرام دہ آراستہ وپیراستہ خواب گاہ تھی۔ یہاں اب کسی بات کا کوئی ڈر اور خوف نہیں تھا' پھر بھی ہم نے دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی، کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد ہم آرام وسکون سے سو گئے، بڑی اچھی نیند آئی۔

سہ پہر کے وقت دروازے پر ہونے والی دستک نے بیدار کر دیا۔ میں نے جا کر دروازہ کھولا' تو دروازے پر شنکر داس کھڑا تھا' پھر وہ ہمیں شوبھا کے کمرے میں لے گیا۔ شوبھا کو ہماری خدمت گزاری کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ وہ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی' وہ بہت دیر تک میرا شکریہ ادا کرتی رہی۔

دوسرے دن ناشتے کے دوران شنکر داس نے مجھ سے کہا۔ "آپ لوگوں کی زبانی یہ سن کر کہ سردار انیل داس اپنی حاملہ بیوی کو لکشمی کے پتی اجیت کمار کے ہاتھوں ہلاک کروا دیتا ہے، میں سخت متعجب ہوں۔ کیسا شقی القلب شخص ہے کہ اسے ان معصوم عورتوں پر رحم نہیں آتا، اس نے خون آشام بھیڑیوں کو بھی مات کر دیا ہے۔ ایسی سفاکی اور درندگی...... میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اجیت کمار کو میری خدمت گار لاشیں گرفتار کر کے لائی ہیں، میں اس کا بیان لینے والا ہوں۔ اس کی زبانی اعتراف جرم سننا چاہتا ہوں' اگر آپ چاہیں تو میرے ساتھ چل سکتے ہیں، آپ بھی سن لیں کہ وہ کیا کہتا ہے؟"

"ساتھ چلنے میں کوئی حرج نہیں ہے...... لیکن......!" شنکر داس نے سوالیہ نظروں سے

دیکھا۔

"کیا آپ اجیت کمار کا سامنا کرنا نہیں چاہتے؟"

"نہیں...... یہ بات نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا وہ لاشیں بھی وہیں ہوں گی؟"

"ہاں وہ ہر وقت وہاں موجود رہتی ہیں۔ اس دن صرف آپ لوگوں کی خاطر انہیں وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔"

میں اور تنا کا ان خوفناک لاشوں کے تصور سے گھبرا گئے۔ میرے بدن میں جھرجھری سی آ گئی۔

میں خاموش ہو گیا۔

"آپ ان لاشوں کی موجودگی سے خوفزدہ ہیں؟" وہ مجھے تذبذب کے عالم میں دیکھ کر بولا۔

"جی ہاں۔" میں نے سر ہلا کر اقرار کیا۔

"سچی بات تو یہ ہے کہ ان لاشوں کے تصور سے ہی مجھے دہشت ہو رہی ہے۔ میں اور میرا ساتھی تنا کا دوبارہ ان لاشوں کا سامنا کرنا نہیں چاہتے ہیں، بہتر ہے ہمیں یہیں رہنے دیں۔"

"اگر آپ ان لاشوں سے اتنا ہی خوف کھا رہے ہیں تو پریشان نہ ہوں۔" شنکر داس نے کہا۔

"میں آپ دونوں کو ایسی جگہ بیٹھا سکتا ہوں' جہاں سے آپ سب کچھ دیکھ سکیں گے' اور اجیت کمار کی باتیں سن سکیں گے۔"

میں اور تنا کا تیار ہو گئے' تو وہ ہمیں قلعہ کے اوپر ایک برج میں لے گیا' جس میں نیچے اترنے کیلئے ایک تنگ زینہ بنا ہوا تھا، اس زینے کے ذریعے سے ہم ایک گیلری میں آ گئے، یہ چھت کے ساتھ ملی ہوئی جالی دار گیلری اس بڑے ستون کے اردگرد بنائی گئی تھی' جو ہال اور کمرے کے درمیان ایستادہ تھا۔ شنکر داس نے ہم دونوں کو یہاں رکنے کیلئے کہا۔ یہ جگہ ایک طرح سے نشست گاہ تھی، اس میں ایک خوبصورت اور مضبوط لکڑی کی بینچ بھی پڑی ہوئی تھی' ہم دونوں اس بینچ پر بیٹھ گئے، ہمارے قدموں کے نیچے کمرہ تھا' پھر شنکر داس چلا گیا۔

میں نے دیکھا اجیت کمار اس ستون کے قریب ایک صاف ستھری چٹائی پر بے ہوشی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے تھے' جو بے ہوشی کی حالت میں بھی نمایاں تھے، ایسا لگتا تھا' جیسے وہ کوئی دل خراش منظر دیکھ کر بے ہوش ہوا ہے۔ لاشوں کی ایک جماعت سامنے والی دیوار کے ساتھ پشت لگائے کھڑی تھی، وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے تھے' لیکن ہم دیکھ رہے تھے۔ اف بھگوان ......! انہیں دوبارہ دیکھ کر جھرجھری سی آ رہی تھی' چونکہ اب ان سے کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا' اس لئے ہم قدرے سکون سے دل مضبوط کر کے بیٹھے تھے۔

ادھر آگ کا دائرہ روشن تھا۔ تھوڑی دیر بعد شنکر داس ہال میں داخل ہوا، اس نے اجیت کمار کو جو بے ہوشی کی حالت میں دیکھا' تو اس کے قریب گیا' پھر دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ پہلے تو اس کا بازو اور شانہ ہلایا اور اس کا چہرہ تھپتھپایا...... جب وہ ہوش میں نہ آیا' تو اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی' جس میں کوئی دوا تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے اس کا منہ کھول کر حلق میں دوا کے تین قطرے ٹپکائے' جس کے اثر سے وہ چند لمحوں میں ہوش میں آ گیا۔

اس نے آنکھیں کھولنے کے بعد کئی لمحے تک چھت کو دیکھا' پھر آگ کے دائرے کو دیکھنے کے بعد اس نے کمرے چاروں طرف کا جائزہ لیا، جیسے ہی اس کی نگاہ لاشوں کی جماعت پر پڑی، وہ ہذیانی انداز سے چیخیں مارنے لگا۔

''سنو اجیت کمار......!'' شنکر داس نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''اس کی چیخ وپکار سے کوئی فائدہ نہیں...... چیخنا بند کرو۔''

''یہ......یہ......لاشیں......!'' وہ ان کی طرف سے منہ پھیر کر دہشت زدہ لہجے میں بولا۔

''انہیں ہٹاؤ...... میرا دم نکلا جا رہا ہے۔''

''دوسروں کی جان لینے والا رحم اور زندگی کی بھیک مانگ رہا ہے؟'' شنکر داس نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''کتنی عجیب سی بات ہے۔ کیا تم اس قابل ہو کہ تم پر رحم کیا جائے؟ تم کیا ایک بے رحم قاتل نہیں ہو؟''

''میں آپ سے کہہ رہا ہوں......؟ آپ کے ہاتھ جوڑتا ہوں۔'' وہ گڑگڑایا۔

''ان بھوتوں کو ہٹا دو' نہیں تو یہ مجھے جان سے مار دیں گے، میرا خون پی جائیں گے' میرا گوشت کھا جائیں گے۔''

''تم میری ایک شرط پوری کر دو تو میں تمہیں زندگی، سلامتی کی ضمانت دے سکتا ہوں۔'' شنکر داس بولا۔

''بولو کیا کہتے ہو؟''

''آپ کی ہر شرط منظور ہے۔'' وہ ہکلا کر بولا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں، جلدی سے بتائیں؟''

''میں جو کچھ بھی تم سے پوچھوں گا، اس کا سچ سچ جواب دو گے؟'' شنکر داس نے جواب دیا۔ ''غلط بیانی کی تو میں تمہیں ان بھوتوں کے سامنے ڈال دوں گا...... وہ تمہیں صرف چند لمحوں میں چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے۔''

''میں کوئی غلط بیانی نہیں کروں گا۔'' اس نے کہا۔

''پوچھیں آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟''

''میں نے سنا ہے کہ انیل داس اپنی ان عورتوں کو جو امید سے ہو جاتی ہیں، وہ تمہارے ہاتھوں ہلاک کروا دیتا ہے؟'' شنکر داس نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔

''کیا یہ سچ ہے؟''

''ہاں......ہاں......!'' اجیت کمار نے کانپتے ہوئے پھنسی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''بالکل صحیح بات ہے۔''

''وہ ایسا ظالمانہ اور گھناؤنا فعل کس لئے کرتا ہے؟'' شنکر داس نے کہا۔

''کیا ایک سردار کو زیب دیتا ہے کہ وہ معصوم لڑکیوں کی زندگی سے کھیلے......؟ اس کے نزدیک عورتوں کی جان کی کوئی اہمیت نہیں؟''

''اسے کسی منحوس نجومی نے بتایا تھا کہ تمہارے ہاں لڑکا پیدا ہوگا' جس کی پیدائش کے بعد تم فوراً مر جاؤ گے۔'' اس نے بتایا۔

''اس لئے جب کوئی لڑکی امید سے ہو جاتی' تو وہ اس کی زندگی ختم کر دیتا تھا۔''

''لڑکیاں بھاگ جاتی تھیں' یا وہ انہیں موت سے ہمکنار کر دیتا تھا؟'' شنکر داس نے

سوال کیا۔

"ویسے لڑکیوں کا بھاگنا ناممکن سی بات ہے۔"

"لڑکیوں کا بھاگ کر چلے جانا واقعی ناممکن سی بات ہے۔" اجیت کمار کہنے لگا۔

"آج تک کوئی لڑکی بھی فرار نہ ہو سکی، جن لڑکیوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ بھاگ گئی ہیں، یہ جھوٹ تھا، ان لڑکیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی غرض سے سردار نے کھڈ کے اوپر ایک مہمان خانہ بنوا رکھا ہے' جس کے آمنے سامنے دو ہال نما کمرے ہیں، ان دو کمروں کے درمیان ایک زمین دوز خفیہ کمرہ کھڈ کی خوفناک گہرائی پر بنایا گیا ہے۔ اس خفیہ کمرے میں ایک عجیب وغریب کل لگی ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک کمرہ تو قتل گاہ ہے' اور دوسرے میں اس کل والے کمرے میں جانے کا خفیہ راستہ ہے' جو کمرہ قتل گاہ کا کام دیتا ہے' اس میں ایک مسہری ہے۔ یہ مسہری جو پتھر کی معلوم ہوتی ہے' دراصل لکڑی کے دو تختے ملا کر بنائی گئی ہے' اس پر شیر کی کھال بڑی صفائی سے منڈھی گئی ہے۔ ان دو تختوں کے نیچے زنجیریں لٹک رہی ہیں' کل کا ہینڈل دبانے سے دونوں تختے جدا ہو جاتے ہیں۔ اس پر سونے والا گر کر ہلاک ہو جاتا ہے۔

سردار جب اپنی کسی عورت کی جان لینے کا ارادہ کرتا ہے' تو وہ بڑی چالاکی' احتیاط اور ہوشیاری سے اپنے منصوبے پر عمل کرتا ہے' وہ اس عورت کو آدھی رات کو پل کی سیر کے بہانے لے جاتا ہے۔ وہ محل کے عقبی دروازے سے مہمان خانے میں آ جاتا ہے' وہ اس لڑکی سے محبت بھری باتیں کرتا ہے۔ پہلے تو اسے امید سے ہونے کی مبارکباد پیش کرتا ہے' پھر اس سے پوچھتا ہے کہ لڑکا ہونے پر وہ اس کا کیا نام رکھنا پسند کرے گی؟ لڑکی ہونے پر وہ اس کا نام تجویز کرے گا' پھر اس سے کہتا ہے کہ کیوں نہ اس کے ماں بننے کی خوشی میں جشن منایا جائے؟ پھر وہ ایک خاص قسم کی شراب کے دو گلاس تیار کرتا ہے' اور پھر اس سے کہتا ہے کہ یہ تمہارا جام صحت ہے' جو میں تمہیں اپنے ہاتھ سے پلاؤں گا' پھر تم مجھے پلاؤ گی۔ وہ شراب پلاتا ہے' لیکن لڑکی کو اسے شراب پلانے کی نوبت نہیں آتی' کیونکہ دو تین گھونٹ شراب پیتے ہی اس پر نشہ چھا جاتا ہے' اور وہ گہری نیند سو جاتی ہے۔ اس کے بعد سردار اسے مسہری پر لٹا کر اُلو کی آواز نکالتا ہے۔ میں جو پہلے ہی اس کی آواز پر کان لگائے بیٹھا ہوتا ہوں' فوراً ہی مشین کا ہینڈل گھما کر اس لڑکی کو کھڈ میں گرا دیتا ہوں۔ اس طرح وہ ہلاک ہو کر پانی میں بہہ جاتی ہے'

اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ پانی کا تیز بہاؤ لڑکی کو دریا میں لے جاتا ہے' وہ دریا میں بہتی بہت دور نکل جاتی ہے۔"

یہ باتیں سن کر شنکر داس کا چہرہ غیظ وغضب سے سرخ ہو گیا۔ آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔ وہ نفرت اور غصے سے بولا۔

"بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں' کہ انیل داس کو قید کر کے اسے عبرتناک سزا دوں گا' ان معصوم لڑکیوں کا گن گن کر بدلہ لوں گا۔ اس کے بعد کسی دن سولی پر لٹکا دوں گا' وہ ہرگز حکومت کے قابل نہیں۔"

شنکر داس نے اجیت کمار کو زندان میں ڈال دیا' اور ایک بھوت کو پہرہ دار بنا کر کھڑا کر دیا۔ جب ہم کمرے میں آئے تو میں نے اس سے کہا۔

"سردار کو گرفتار کرنا آپ کیلئے کون سا مشکل کام ہے۔ آپ کی مطیع لاشیں اسے گرفتار کر کے لا سکتی ہیں؟"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" شنکر داس نے کہا۔

"وہ جب تک گرفتار نہیں ہو جاتا' آپ میرے ہاں مہمان رہیں۔"

دوسرے دن شنکر داس میرے کمرے میں آیا اور کہنے لگا۔ "میں نے سردار کی گرفتاری کیلئے لاشوں کو بھیجا تھا' لیکن وہ ابھی تک ہاتھ نہیں آیا' کس طرح بچا ہوا ہے۔"

"وہ کیسے......؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"کیا لاشیں اس سے ڈرتی اور خوف کھاتی ہیں؟"

"جب لاشوں نے اجیت کمار کو پکڑا تھا' تب یہ منظر گاؤں والوں اور سردار نے بھی دیکھا تھا۔ اب انہوں نے اپنے بچاؤ کے لئے جگہ جگہ الاؤ لگا رکھے ہیں۔ ایسی حالت میں ان لاشوں کے جل جانے کا اندیشہ ہے' اس لئے میں کچھ دن اور انتظار کروں گا' اور ایسی تدبیر کروں گا' تا کہ وہ ہتھے چڑھ جائے۔"

+++

ہمیں اس غیر آباد قلعے میں آئے ڈیڑھ مہینہ ہو گیا۔ اس دوران مجھے کچھ ایسی جڑی بوٹیاں ہاتھ لگیں' جو میرے کام کی تھیں۔ میں اور تنا ان جڑی بوٹیوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے۔ میں نے جانے کا پروگرام بنایا' تو لکشمی نے کہا کہ شوبھا کے ہاں ولادت تک رک

جاؤں' کیونکہ ولادت میں زیادہ دن نہیں تھے' اس لئے میں رک گیا۔

کچھ دنوں کے بعد لکشمی نے شوبھا کے ہاں لڑکا پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی۔ میں اور تنا کا بچے کو دیکھنے گئے۔ شنکر داس پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ نومولود بچے کو دیکھ کر وہ نہال ہو رہا تھا۔ پرشکوہ پہاڑوں سے ابھرنے والا آفتاب اپنی کرنوں سے اس کے چہرے کو روشن کر رہا تھا۔ ویران گاؤں کے کھنڈروں میں رونق آ گئی تھی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ہنستا اور مسکراتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ہم سب کے دل مسرت سے بھرپور تھے۔ ایک انجانی خوشی تھی' جس نے ہمیں سرشار کر دیا تھا۔ شاید اس لئے بھی کہ شوبھا میری دیدی سریتا کی ہمشکل تھی۔ سریتا زندہ ہوتی اور اس نے بچے کو جنم دیا ہوتا' ایسی ہی خوشی ہوتی' جو شوبھا کے ماں بننے سے ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد شنکر داس چلا گیا' مگر میں اور تنا کا سارا دن وہیں رہے' کیونکہ شوبھا تیز بخار میں مبتلا تھی۔ بخار کم بھی ہو جاتا اور کبھی تیز...... میں اس کا علاج کرتا رہا' جب تک اس کا بخار نہیں اتر گیا' میں وہاں موجود رہا۔ شام کے وقت میں لکشمی کو ضروری ہدایات دے کر تنا کا کے ہمراہ اپنی جائے قیام کی طرف روانہ ہونے والا تھا کہ لکشمی نے پوچھا۔

''شنکر داس اب میرے پتی کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ اسے زندہ رہنے دے گا؟''

''تم کیا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''وہ ایک قاتل کے جرائم میں برابر کا شریک رہا ہے۔''

''اس نے سردار کے حکم سے مجبور ہو کر یہ عمل کیا تھا۔'' لکشمی نے کہا۔

''اگر وہ سردار کی حکم عدولی کرتا تو اسے وہ بخشتا نہیں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ شنکر داس اسے معاف کر دے' وہ جو بھی ہے' جیسا بھی ہے' آخر کو میرا پتی ہے۔ اس کی رفاقت میں میں نے پورے ساٹھ برس گزارے ہیں۔ میں شنکر داس سے کہوں گی' کہ میرا سہاگ نہ اجاڑے' تم بھی میری اور اپنی طرف سے اس کی معافی کیلئے بات کرنا۔''

لکشمی نے غلط بات نہیں کہی تھی۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ انیل داس نافرمانی پر اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ میں نے کہا۔

''تم فکر مند اور پریشان نہ ہو۔ شنکر داس نے اس سے کہا تھا کہ تم سچ سچ بتا دو تو جان بخشی کر دوں گا۔ تمہارے پتی نے تمام باتیں بالکل سچ بتا دیں' جب تک سردار کی موت یا گرفتاری نہیں ہو جاتی' تمہارا پتی شنکر داس کی قید میں رہے گا۔ ایسے میں اس سے کہوں گا کہ

اس نے تمہارے پتی سے جو کہا تھا' اس کا پاس رکھے۔''

جب ہم صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے' تب تنا کا نے مجھ سے کہا۔ ''مالک! بھگوان نے عورت بھی کیا چیز بنائی ہے۔ میں نے عورت کو ہمیشہ ایک پہیلی کی طرح پایا ہے۔ کیا لکشمی بھی ایک پہیلی نہیں ہے؟''

''تم اسے کس لحاظ سے پہیلی کہہ رہے ہو؟'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا بات تم نے اس میں محسوس کی؟''

''اس لحاظ سے کہ اس کا پتی اس پر ظلم کرتا ہے' مارتا پیٹتا ہے' تب بھی وہ اپنے پتی کو چاہتی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس نے ایک اور بات بھی بتائی تھی' وہ یہ کہ اس کا پتی غیر عورتوں کے ساتھ دل بہلاتا ہے' پھر بھی وہ انجان بنی رہتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ عورت مرد کی ہر برائی کو نظر انداز کر دیتی ہے' لیکن مرد نہیں کرتا۔ عورت بگڑ جائے تو وہ اسے اپنی زندگی سے نکال دیتا ہے' یا پھر اس کی زندگی ختم کر دیتا ہے۔ اس کے نزدیک ایک پاپی عورت ناقابل برداشت ہوتی ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' میں نے تائیدی لہجے میں کہا۔

''لکشمی واقعی ایک اونچی عورت......''

''مالک...... مالک...... وہ دیکھئے۔'' تنا کا نے میرا بازو پکڑ کر میری بات کاٹی' اور سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

میں سامنے دیکھتے ہی ایک دم چونک کر رک گیا۔ میرے اور تنا کا کے قدم جامد ہو گئے۔ میں نے دیکھا لاشوں کی ایک پوری جماعت دروازے میں داخل ہو رہی ہے' ان میں سے دو لاشوں کے کندھوں پر ایک بڑا سا بنڈل تھا' اس بنڈل میں کیا چیز ہے' یہ واضح نہیں تھا۔

ہم دونوں گھبرا کر تیزی سے ایک طرف ہٹ گئے۔ ان لاشوں کو اس قدر قریب سے دیکھ کر ہماری رگوں میں خون خشک ہو گیا۔ تنا کا نے خوف زدہ ہو کر میرا بازو تھام لیا۔

''مالک!......'' وہ سرگوشی میں بولا۔

''جلدی سے اندر بھاگ چلئے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں باہر جانے نہ دیں۔''

''کچھ نہ ہوگا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''یہ لاشیں ہمیں جانتی ہیں' کہ ہم مہمان ہیں۔ ان کا مالک ہمارے ساتھ کس طرح پیش

آ رہا ہے' وہ اس کے حکم کے بغیر ہماری طرف دیکھیں گی بھی نہیں۔"

اس جماعت کے ایک بھوت نے بھی ہماری طرف نہیں دیکھا تھا۔ سارے بھوت ہال کی طرف بڑھ گئے' تو مجھے جستجو سی ہوئی' کہ وہ اس بنڈل میں کیا چیز لے آئے ہیں' دیکھنا چاہئے۔ میں نے خوف زدہ تناکا سے کہا۔

"ڈرو نہیں...... چلو گیلری سے چل کر دیکھیں کہ وہ اس وقت کیا چیز لے کر آئے ہیں' جبکہ ابھی دن باقی ہے۔ شام بھی نہیں ہوئی ہے۔"

تناکا آمادہ ہوگیا۔ چنانچہ ہم گیلری پر چڑھ گئے' پھر وہاں سے نیچے جھانکا۔ آتشیں دائرہ بدستور روشن تھا۔ شنکر داس ہال میں موجود تھا۔ وہ اپنے لڑکے کی لاش پر عمل کرنے میں مصروف تھا' اس کے ہونٹ بڑی تیزی سے حرکت کر رہے تھے' جیسے وہ کوئی منتر پڑھ رہا ہو۔ اس کی آنکھیں لڑکے کی لاش پر مرکوز تھیں۔ اس کے چہرے کے تاثرات ہر آن بدل رہے تھے' کبھی وہ ایک دم سپاٹ اور جذبات سے عاری ہو جاتا تھا' کبھی سرخ ہو جاتا تھا' کبھی ایک عجیب سا کرب اس کے چہرے پر ابھر آتا۔ ایسا لگ رہا تھا' کہ جیسے آج وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔

لاشیں اندر داخل ہو کر ایک طرف بنڈل اٹھائے کھڑی رہیں۔ شنکر داس عمل پڑھنے میں اس قدر منہمک تھا' کہ اسے بھوتوں کی آمد اور ان کی کارروائی کا کوئی علم نہیں ہوا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز تھا۔ کچھ دیر انتظار کے بعد بھوتوں نے اپنے کندھوں پر لادا ہوا بوجھ اتارا' پھرا قالین میں لپٹی ہوئی چیز کو کھول دیا۔ قالین میں لپٹا ہوا وہ شنکر داس کا بھتیجا سردار انیل داس تھا۔ آخر بھوت اسے اٹھا کر لانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ سردار انیل داس آخر اپنے چچا کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ شنکر داس اپنے اس دشمن بھتیجے کو کیفر کردار تک پہنچانے والا تھا۔ بھوتوں کی جماعت اپنا کام انجام دینے کے بعد سامنے والی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی' اور شنکر داس کی طرف دیکھنے لگی۔

ہم اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں چچا' بھتیجے کی ملاقات کس طرح ہوتی ہے۔ انیل داس کے چہرے کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا' وہ ابھی تک غشی کی حالت میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسے آہستہ آہستہ ہوش آنے لگا۔ کچھ دیر بعد اسے پوری طرح ہوش آ گیا' پھر اس نے انگڑائی لی اور اٹھ کر ستون کے سہارے بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر اپنے چچا پر پڑی' جو

ابھی تک لڑکے کی لاش کے اس کھڑا عمل میں مصروف تھا۔ اس نے وقفے وقفے سے دو تین مرتبہ لڑکے کی لاش پر پھونک بھی ماری۔ اس نے انیل داس کو ہوش میں آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ عمل کے دوران شاید کسی کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

انیل داس کے چہرے پر ایک گہرا استعجاب چھا گیا' اور اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ ساکت پلکوں سے شنکر داس کو اس طرح دیکھتا رہا' جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ چند لمحوں کے بعد اس کا چہرہ سرخ ہو گیا' آنکھیں انگارہ بن گئیں' پھر وہ کسی فوری جوش کے تحت گھونسہ تان کر حملے کی نیت سے اٹھا' مگر جب اس کی نظر سامنے دیوار کے ساتھ کھڑی ہوئی لاشوں پر پڑی' تو وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔

اس کی گنہگار روح جسم سے علیحدہ ہو چکی تھی۔ اب ایک لاش فرش پر پڑی تھی۔ شنکر داس اب تک ان واقعات سے بے خبر اپنے عمل میں مصروف تھا۔

یہ تماشا نہ صرف ہم بلکہ لاشیں بھی دیکھ رہی تھیں۔ اگر اس کمرے میں یہ لاشیں نہ ہوتیں' تو شاید انیل داس دہشت زدہ ہو کر نہ مرتا۔ اس کے مرنے کے چند لمحوں کے بعد لڑکے کی لاش میں زندگی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ چالیس برس کے عمل کے بعد ایک مردہ لڑکے کو زندگی مل رہی تھی۔ یہ دیکھ کر شنکر داس کا چہرہ دمکنے لگا۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں' اور پھر اس کے چہرے اور ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ عود کر آئی تھی۔

"مالک!"

تناکا نے اپنا منہ میرے کان کے پاس لا کر سرگوشی کی۔

"کیا واقعی یہ لڑکا' جو چالیس برس سے مردہ حالت میں تھا' زندہ ہو رہا ہے؟ کہیں یہ نظر بندی تو نہیں ہے؟ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں؟"

"واقعی ایک مردہ لڑکا چالیس برس کے بعد جنم لے رہا ہے۔"

میں نے جواب دیا۔

"نہ یہ نظر بندی ہے' اور نہ سپنا ہے' ایک حقیقت ہے' گو مجھے بھی یقین نہیں آ رہا ہے' لیکن ہم ایک اٹل حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے۔"

تھوڑی دیر بعد اس مردہ لڑکے نے یکایک اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اب وہ لڑکا پوری طرح زندہ ہو چکا تھا' اس کے سینے میں سانسوں کا تلاطم تھا' چہرے پر خون سمٹ آیا تھا۔ چند

لمحوں کے بعد ایک عجیب سی بات نے جنم لیا۔

لڑکا آنکھیں کھول کر باپ کو محبت بھری نظروں سے دیکھنے کے بجائے اسے خشم ناک نظروں سے گھورنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا' پھر وہ ایک دم اٹھا' تو اس کی حالت ایک بپھرے ہوئے شیر کی سی ہو رہی تھی' اور پھر وہ کسی بھوکے درندے کی طرح اس پر جھپٹا' اور پھر اس نے اپنی انگلیاں بوڑھے کے گلے میں پیوست کر دیں۔

''یہ کیا مالک......؟''

تنا کا ایک دم اچھل پڑا۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا' وہ ہراساں سا ہوگیا۔ ''بیٹے نے دوبارہ جنم اس لئے لیا کہ اپنے باپ کی زندگی ختم کر دے...... او بھگوان......''

میں نے تنا کا کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس لئے کہ ایک ایک لمحہ بہت قیمتی تھا۔ باپ کو بیٹے کے ہاتھوں ہلاکت سے بچانا تھا۔ ایک لمحے کیلئے میں بھی چکرا گیا تھا' میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کس طرح سے اس کی مدد کروں۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ میں نیچے جا کر اسے بچاؤں۔

پھر ایک خیال بجلی کا کوندا بن کر میرے دماغ میں لپکا' اور میں نے اوپر سے ہی ہذیانی لہجے میں چلا کر کہا۔

''شنکر داس! تمہاری یہ فتح عارضی ثابت ہوئی ہے' تمہارے بیٹے کے جسم میں انیل داس کی آتما داخل ہوگئی ہے' وہ تمہاری جان لینے پر تل گئی ہے۔''

اس نے میری آواز سن لی' اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا' کہ یہ آواز کس سمت سے آئی ہے۔ یکا یک انیل داس کی لاش دیکھ کر سارا معاملہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔

اس نے گلا چھڑانے کی ناکام جدوجہد چھوڑ کر لاشوں کی طرف دیکھا' اور ہاتھ سے اشارہ کیا' پھر ان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ یہ نظریں بے معنی نہ تھیں۔ وہ انہیں دشمن پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دے رہا تھا۔ یکلخت لاشیں آگ کے دائرے کے گرد سے ہوتی ہوئیں لڑکے پر پل پڑیں' چند لمحوں میں اس کی تکا بوٹی کر دی' لیکن لڑکے کی انگلیاں بدستور بڈھے کے گلے میں پیوست رہیں' اور وہ مردہ ہو کر فرش پر گر گیا۔

شنکر داس کے مرتے ہی لاشوں کی قوت زائل ہوگئی۔ وہ بھی کٹے ہوئے تنے کی طرح

اوندھی گر گئیں۔ کچھ آگ کی نذر ہوگئیں۔ میں اور تنا کا اس ناگہانی واقعہ سے سہم گئے' اور رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ اچانک ہی آگ کے شعلے بھڑکے' پھر وہ ہر شے کو تیزی سے اپنی لپیٹ میں لینے لگے۔ اب ہمیں خطرے کا احساس ہوا' کیونکہ یہ آگ ہال کی چٹائیوں اور لکڑی کی چیزوں تک پھیل گئی تھی۔ کمرہ دھواں دھواں ہوگیا تھا۔

میں اور تنا کا بمشکل جان بچا کر بھاگے' ایسے میں شوبھا اور لکشمی کا خیال آیا۔ ان کے کمرے کی طرف بھی آگ تیزی سے پھیل رہی تھی۔ ہمیں ہر صورت میں ان کی جانیں بچانی تھیں' وہاں شوبھا کا نومولود بچہ بھی تھا۔ ہم ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر اس کی طرف دوڑے۔ انہیں وہاں سے نکالنے کیلئے جان پر کھیلنا پڑا تھا' لیکن ہم نے اس کی پروا نہیں کی' انہیں کسی نہ کسی طرح نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔

آگ آناً فاناً ہر طرف پھیل گئی تھی۔ شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ ہم لکشمی' شوبھا اور اس کے بچے کو اٹھا کر بھاگے اور زون کی ٹہنی کی مدد سے اس کھوہ میں داخل ہوئے' جس سے ندی نکل رہی تھی۔ جب ہم زمین دوز منبع کے قریب گئے' تو ہمیں ایک طرف ایک لمبا سرنگ نما راستہ دکھائی دیا' اس میں کمر کمر تک پانی تھا۔ اس کے سوا ایسا کوئی راستہ نہیں تھا' جس سے جان بچا کر نکل سکیں۔ اب اس راستے سے گزرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

ہم کافی دیر تک سنبھل کر چلتے رہے' پھر بھی شوبھا دو تین بار کمزوری کے باعث ٹھوکریں کھا کر گری۔ پانی میں ڈوب گئی تھی۔ لکشمی نے بچے کو سنبھالا ہوا تھا' پھر میں نے شوبھا کو کندھے پر اٹھا لیا۔ بدقت تمام اس راستے کو ختم کر کے اس غار میں پہنچے' جہاں سے ہمیں لاشیں پکڑ کر لے گئی تھیں۔

ہم لوگ پانی میں شرابور تھے۔ شوبھا، جسے پانی سے بچانے کی بہت کوشش کی تھی' ہم نے پھر بھی وہ بھیگ چکی تھی' البتہ لکشمی نے اس بچے کو بھیگنے نہیں دیا تھا' وہ اسے اپنے بچے کی طرح حفاظت سے لے آئی تھی۔

شوبھا پہلے ہی بخار کی حالت میں تھی۔ سرد پانی میں بھیگ جانے سے اس پر نمونیے کا زبردست حملہ ہوا۔ اس وقت اس مرض کی کوئی دوا میرے پاس تھی اور نہ ہی علاج کا کوئی دوسرا ذریعہ تھا۔ لکشمی نے بتایا کہ یہاں کسی وید کے پاس نمونیے کا علاج نہیں ہے۔ اس لئے لوگ اس مرض سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں' پھر بھی مجھ سے جو تدبیریں ممکن تھیں' وہ میں

نے کیں' لیکن اس کی حالت بگڑنے لگی' تو میں اس نے لکشمی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

''میں اب ایک دو گھڑی کی مہمان ہوں' تم میرے بچے کا خیال رکھنا' اسے ماں بن کر پالنا پوسنا۔''

''شوبھا بہن!'' لکشمی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

''ایسی باتیں زبان سے نہ نکالو' بھگوان نے چاہا تو تم بچ جاؤ گی۔ بھگوان تمہیں زندگی دے' میں تمہارے بچے کا خیال رکھوں گی' تمہاری زندگی میں بھی۔''

شوبھا نے رات کے آخری حصے میں موت کو گلے لگا لیا۔ میں باوجود کوشش کے، اسے موت کے پنجے سے نکال نہ سکا تھا۔

ہمیں شوبھا کی دردناک موت سے بڑا گہرا صدمہ ہوا۔ لکشمی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں بھی جذباتی ہو گیا تھا۔ تناکا بھی اپنے غم اور آنسوؤں پر قابو نہ پا سکا۔ میں اور تناکا اس لئے بھی جذباتی ہو گئے تھے' کہ شوبھا میری بہن سریتا کی ہمشکل تھی۔

میں صبح کا اجالا پھیلنے کے بعد پنڈت جی کے ہاں پہنچا۔ اس وقت میں بے حد غمگین تھا۔ میری آنکھوں میں حزن و ملال اور آواز میں دکھ بھرا ہوا تھا۔ اس بات نے انہیں حیران کر دیا' اور وہ متعجب لہجے میں بولے۔

''کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟ اتنے غمگین کیوں ہیں؟''

میں نے تمام واقعات انہیں سنائے۔ انہوں نے بڑی خاموشی سے ساری کتھا سنی اور کہا۔

''بڑے عجیب و غریب' حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعات ہیں' پراسرار اور خوفناک بھی۔ بہرحال جو کچھ ہوا' وہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا۔ اس طرح ایک ظالم سردار اور بھوتوں سے نجات مل گئی۔ اب بستی والے سکون سے رہ سکیں گے۔''

پنڈت جی نے پجاریوں کے ذریعے سے تمام گاؤں والوں کو بلا کر تمام واقعات سنائے اور ان کے سامنے بچے کو لایا گیا۔ سردار کی عبرتناک موت سے انہیں خوشی ہوئی۔ وہ بھی اس سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ دوسری طرف بھوتوں کے خاتمے کی خبر نے انہیں مزید خوش کیا۔ جب بچے کو دیکھا تو انہیں اور اطمینان ہو گیا۔

سہ پہر کے وقت رسم و رواج کے مطابق شوبھا کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔ اس کی

چتا جلائی گئی۔ اب اسے قبر میں دفن کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بچے کا نام بمل داس رکھا گیا۔ لکشمی نے بچے کو گود لے لیا۔ وہ ننھے سردار کی ماں بن گئی۔

شوبھا کی موت سے میرا دل اچاٹ ہو گیا۔ وہ سورگ باش نہ ہوئی ہوتی' تو شاید میں اسے اپنے ساتھ لے آتا یا یہیں رہ جاتا۔ میں اور تناکا وہاں سے چلے آئے۔ لکشمی نے بڑے جذباتی انداز سے ہمیں رخصت کیا' اور کہا کہ کبھی موقع ملے تو ضرور آنا۔

اب مجھے ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم' اور نہ ہی میں نے کبھی جاننے کی کوشش کی۔ ویسے بھی وہ دور افتادہ گاؤں ہے' البتہ میرے سفید بال اب بھی اس اندوہناک واقعہ کی یاد دلاتے رہتے ہیں۔

(ختم شد)